34

شمارہ (۳)

رابطۂ ادبِ اسلامی (عالمی) کا سہ ماہی اردو ترجمان

کاروانِ ادب

تیسرا شمارہ اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۹۴ء
مطابق ربیع الثانی، جمادی الاول، جمادی الثانی، رجب ۱۴۱۵ھ
(بشمول منتخب مقالات مذاکرۂ علمی:
"نعتیہ شاعری: تاریخی و علمی جائزہ و خصوصیات")

زیرِ سرپرستی

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم

مدیرِ مسئول

مولانا محمد رابع حسنی ندوی

ناشر

مرکزی دفتر رابطۂ ادبِ اسلامی (عالمی)

پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ ہندوستان

SAMPLE PUBLICATION

کاروانِ ادب

(اردو سہ ماہی رسالہ)

سرپرستِ اعلیٰ: مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی صدر رابطۂ ادب اسلامی (عالمی)

مجلس مشاورت: مولانا محمد ناظم ندوی، پروفیسر خلیق احمد نظامی علی گڑھ، پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی دہلی۔
پروفیسر عبداللہ عباس ندوی مکہ مکرمہ، پروفیسر عبدالحلیم ندوی دہلی۔
پروفیسر حبیب الحق ندوی جنوبی افریقہ، پروفیسر ابوالخیر کشفی۔
پروفیسر تحسین فراقی، مولانا محمد سلطان ذوق ندوی۔

مدیر مسئول: مولانا محمد رابع حسنی ندوی ناظم شعبۂ برصغیر۔

مجلس ادارت: ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی جے۔ این۔ یو۔ دہلی۔
ڈاکٹر سید ضیاء الحسن ندوی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی۔
ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی ندوی بی۔ ایچ۔ یو۔ بنارس۔
مولانا نذر الحفیظ ندوی لکھنؤ۔

معاون انتظامی: اقبال احمد ندوی۔

معاون طباعت: محمد غیاث الدین ندوی۔

کتابت: ظہیر احمد کاکوروی۔

طباعت: لکھنؤ پبلشنگ ہاوس (آفسٹ) لکھنؤ۔

شرح چندہ: سالانہ برائے ہندوستان ایک سو پچاس ۱۵۰ روپے (فی شمارہ چالیس ۴۰ روپے)
〃　〃　پاکستان و بنگلہ دیش تین سو ۳۰۰ روپے یا دس ۱۰ ڈالر امریکی۔
〃　〃　ان کے علاوہ دیگر ممالک چار سو ۴۰۰ روپے یا بارہ ۱۲ ڈالر امریکی۔

پتہ:- **صدر دفتر رابطۂ ادب اسلامی (عالمی)**
پوسٹ بکس ۹۳ (ندوۃ العلماء) لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۰۷، یو پی

فہرست مضامین

"کاروانِ ادب" شمارہ سوم

(اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۴ء)

۱ ۔ ...... منزل بہ منزل — مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی — ۵

مقالات

۱ ۔ عربی کی چند نایاب نعتیں — پروفیسر مولانا عبداللہ عباس ندوی — ۱۰

۲ ۔ ادب اور صحافت — جناب رضوان اللہ فاروقی — ۳۳

شعر و ادب

۱ ۔ تنکے (افسانہ) — زہرا منظور الٰہی — ۳۷

۲ ۔ شعلۂ نم خوردہ (نظم) — فضا ابن فیضی — ۴۷

۳ ۔ قند مکرر: (غزل) — جگر مرادآبادی — ۴۸

رفتارِ ادب

۱ ۔ ادب اسلامی کی خبریں — مولانا نذر الحفیظ ندوی — ۴۹

۲ ۔ روداد مذاکرۂ علمی : نعتیہ شاعری — نمائندہ تعمیر حیات — ۵۴

۳ ۔ حرفے چند — ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی — ۶۲

مذاکرۂ علمی

"نعتیہ شاعری: تاریخی و علمی جائزہ و خصوصیات"
منعقدہ جامعہ کاشف العلوم اورنگ آباد
بتاریخ ۷ر۔ ۹ر اکتوبر ۱۹۸۸ء

منتخب مقالات

۱۔ ابتدائیہ — ادارہ — ۶۴
۲۔ اردو فارسی نعتیہ شاعری میں بشیر نبوی کے کچھ تابناک جلوے — حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی — ۶۶
۳۔ مقام محمود — مولانا عبدالکریم پاریکھ — ۷۷
۴۔ ہندوستان کی نعتیہ شاعری: عصری آگہی اور ملی شعور کا مرقع — ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی — ۸۴
۵۔ نعت نبوی کی بیکرانی اور شعراء کی عجز بیانی — ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی ندوی — ۱۱۲
۶۔ کعب بن زہیر — پروفیسر عبدالحلیم ندوی — ۱۲۹
۷۔ عہد نبوی میں مدح رسولؐ — " مسعود الرحمٰن خاں ندوی — ۱۴۵
۸۔ نعت گوئی اور حضرت سید الملۃ علامہ سید سلیمان ندوی — پروفیسر محمد اشرف سلیمانی — ۱۷۲
۹۔ نعت نبوی سعدی شیرازی و سعدی ہند (حالی) کے کلام میں — حکیم عبدالقوی دریابادی مرحوم — ۱۷۹
۱۰۔ اردو کے چند ہندو نعت گو شعراء — جناب انیس چشتی — ۱۸۹
۱۱۔ قرآن و سیرت نبویؐ و تمدن اسلامی کلام اقبال کے حوالہ سے — پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی — ۱۹۶

شعری حصہ

۱۔ نعت شریف — نشور واحدی — ۲۰۵
۲۔ نعت شریف — اقبال سہیل — ۲۰۷

۱۔ اعلان انعامی مقابلہ — ادارہ — ۲۰۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا محمد رابع حسنی ندوی

منزل بہ منزل.........

اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکر ہے کہ ہم "کاروانِ ادب" کا تیسرا شمارہ پیش کر رہے ہیں، اس شمارہ میں بھی سابقہ دو شماروں کی طرح رابطۂ ادبِ اسلامی کے ایک منعقد کردہ مذاکرۂ علمی کے منتخب مقالات ہیں، اس شمارہ میں پیش کردہ مذاکرہ کے مقالات کا موضوع گذشتہ شمارہ میں پیش کردہ مقالات کے موضوع سے خصوصی ربط رکھتا ہے، گذشتہ شمارہ کے مقالات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے ادبی پہلو سے تعلق رکھتے تھے اور یہ مقالات رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں پیش کردہ کلامِ شعری کے ادبی پہلو سے متعلق ہیں۔

ان تینوں مذاکراتِ علمی کے مقالات سے جو کہ شمارہ اول سے تیسرے شمارہ تک پیش کئے گئے یہ بات بخوبی عیاں ہو جاتی ہے کہ ادب کا اسلام سے قریبی ربط ہے، اور اسلام نے ادب کے ساتھ اپنائیت کا رویہ رکھا ہے، پروردگار کے دربار میں عرض معروض ہو تو ادبی خوبی کے ساتھ، اس کے برگزیدہ بندے اور آخری رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) گفتگو فرمائیں اور مخاطبت اختیار کریں تو ادبی طاقت واثر کو اپناتے ہوئے، اور اس عظیم اور مقتدیٰ انسان کو نذرانۂ عقیدت پیش کیا جائے اور اس کی خوبیوں کا تذکرہ کیا جائے تو شعر و ادب کا ذریعہ اختیار کرتے ہوئے، اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ پیرایۂ بیان کی خوبی کی اہمیت خود قرآن مجید کی کئی آیتوں سے ثابت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ "خَلَقَ الْإِنْسَانَ، عَلَّمَهُ الْبَيَانَ"[1] کہ "اس نے انسان کو پیدا کیا، اور اس کو قوتِ بیان یعنی اچھا پیرایۂ کلام سکھایا"۔

---

[1] سورۃ الرحمٰن۔ آیت ۳-۴۔

اور قرآن مجید کے پیرایۂ بیان کی خوبی بتاتے ہوئے فرماتا ہے کہ "وَاِنَّہٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ، عَلٰی قَلْبِکَ لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ، بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ"[1] (ترجمہ) اور یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے، اس کو امانت دار فرشتہ (جبریلؑ) لے کر آیا ہے، آپؐ کے قلب پر صاف عربی زبان میں، تاکہ آپ بھی منجملہ ڈرانے والوں کے ہوں، اور اپنے برگزیدہ بندوں یعنی انبیاء کرام کے متعلق فرماتا ہے کہ "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ لِیُبَیِّنَ لَھُمْ"[2] کہ ہم نے جب کوئی رسول بھیجا تو اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا تاکہ وہ اچھے پیرایہ میں ان کے سامنے بات رکھ سکے۔ اور خود قرآن مجید میں صاف دلنشین اور اثرانگیز پیرایہ میں بات کہی گئی ہے ـــــــــــــ

انسانی زندگی بہت متنوع ہے اور وہ احساسات و جذبات کی آماجگاہ ہے، اسلام دینِ فطرت ہونے اور انسان کی فطری ضرورت کا لحاظ رکھنے کی وجہ سے زندگی کے تمام پہلوؤں کی رعایت رکھتا ہے، ادب کا کام زندگی کی ترجمانی ہے، ادب الفاظ کے ذریعہ زندگی کے احساسات کی عکاسی کرتا ہے، لہذا ہم جب ادب کے ساتھ اسلامی کا لفظ وابستہ کرتے ہیں تو یہ بتانے کے لئے وابستہ کرتے ہیں کہ اسلام کے جائز کئے ہوئے وسیع دائرۂ زندگی میں کسی بھی امر کیلئے جو الفاظ مؤثر و کامیاب ترجمانی کر سکیں، ان کے ساتھ جو ادب ہو وہ اسلام کا ہوتا ہے، اس طرح ادبِ اسلامی محض عبادتی دائرہ میں یا محض وعظ و نصیحت کے اندر محدود نہیں، اس کا دائرہ صحت مندانہ اور اسلام کی طرف سے جائز کردہ زندگی کے تمام احساسات کی ترجمانی کا ہے، شاعری میں مدح سرائی ہو، غزل ہو یا مرثیہ گوئی ہو، اور نثر میں افسانہ ہو، ناول ہو یا کوئی انشائیہ ہو خطبہ ہو یا خطوط ہوں وہ سب ادب ہونے کے ساتھ اسلامی دائرہ کے اندر سمانے کے لائق ہونے پر صفت اسلامی سے متصف ہونے کے مستحق ہو جاتے ہیں، اس کے نمونے مسلمانوں کی تحریروں اور تقریروں کی طویل تاریخ میں بہت ملتے ہیں، اور ان سے مسلمانوں کی زندگی پر اچھے اثرات بھی پڑے ہیں، اور ان سے نوخیز ذہنوں اور مزاجوں نے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

اسلام میں ادب کی سرپرستی اور ہمت افزائی اہلِ علم و اہلِ ذوق نے تو کی ہی ہے،

---

[1] سورۃ الشعراء، آیت ۱۹۲-۱۹۵ [2] سورۃ ابراہیم۔ آیت ۴۔

اہلِ دین نے بھی کی، قرنِ اول میں بھی ادب سے دلچسپی کی مثالیں خاصی ملتی ہیں، اولاً تو اس کی سرپرستی قرآن وحدیث سے ہوئی ہے، جس کی مثالیں ہم کو اچھی خاصی ملتی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں جہاں ایک طرف مناجاتیں اور دعائیں ہیں وہاں دوسری طرف قابلِ قدر اشخاص اور محبین کے ساتھ محبت وتعلق کے بلیغ جملے ہیں اور اغیار سے گفتگو میں جو کلام فرمایا ہے اس میں موقع ومحل کی نزاکت کا مؤثر لحاظ ہے، آپ نے ایک بچہ سے جس کا پالتو پرندہ مرگیا تھا، پیار وشفقت کے لہجہ میں لیکن الفاظ کے صوتی حسن کے ساتھ فرمایا "یا عمیر اما فعل نغیر؟" ارے عمیر تمھارا بلبل کیا ہوا آپ نے عورتوں کی کمزوری ونزاکت کی رعایت میں ان کی سواری اٹھانے والے سے لطیف استعارہ کے پیرایہ میں فرمایا "یا انجشۃ رفقاً بالقوارير" اے انجشہ ان آبگینوں کے معاملہ میں نرمی برتو آپ نے بنو عبد القیس سے جو آپ کے قبیلۂ قریش کی نظر میں اغیار تھے ملاقات کے لئے آنے پر زیادہ دلداری اور ملاطفت کا اظہار مؤثر ودلنواز اسلوبِ بیان میں فرمایا: "مرحباً بالقوم غیر خزايا ولا ندامى" آپ لوگوں کو بہت بہت خوش آمدید" آپ کو کوئی بے احترامی کا معاملہ نہیں ملے گا اور نہ آپ کو آنے پر افسوس ہوگا صاحبزادے کی وفات ہوئی تو آپ نے جذبۂ انسانی بلکہ احساسِ پدری کی عکاسی کرنے والے اسلوب میں فرمایا: "إن القلب يحزن والعين تدمع، ولا نقول إلا ما يرضى الربّ، وإنّا على فراقك يا ابراهيم لمحزونون" دیکھئے کس قدر دل پر اثر ڈالنے والا اسلوب ہے فرمایا: دل غمزدہ ہے، آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں لیکن ہم وہی کہیں گے جس سے خدا راضی ہو ہم تمھاری جدائی پر اے ابراہیم یقیناً غمزدہ ہیں، اس سب کے علاوہ آپ کی زبانِ مبارک سے متعدد موقعوں پر ایسے جملے نکلے جو کہاوت اور مثل بن گئے اور آج تک ضرب الامثال کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

پھر آپ کی گفتگو اور خطاب کو دیکھئے تو وہاں ادبی حسن وتاثیر کی پوری چھاپ ملتی ہے جو دلوں کو موہ لیتی ہے، آپ کا حضرات انصار سے مؤثر خطاب، آپ کا حجۃ الوداع کے موقع پر خطاب، آپ کی وہ دلنشیں تشریح جو آپ نے یہ مثال دے کر کی کہ برا کام کرنے والوں کو اگر ان کے رفقاء نے ان کے برے کام سے نہ روکا تو ان کی ایسی مثال ہوگی کہ کسی دومنزلہ کشتی

پر اوپر بیٹھے لوگ نچلی منزل میں بیٹھے لوگوں کو اگر دیکھیں کہ وہ دریا سے پانی لینے کے لئے اپنی منزل کے پیندے میں سوراخ کر رہے ہیں اور وہ دوسروں کی مصیبت سمجھ کر ان سوراخ کرنے والوں کو نہ روکیں گے تو دونوں منزل کے سوار تباہ ہوجائیں گے' اسی طرح آپؐ نے حق کی اس راہنمائی کی وضاحت کرتے ہوئے جو آپؐ تمام لوگوں کے لئے لائے پھر کچھ لوگوں نے نہ مانا، اور کچھ لوگوں نے مانا آسان اور دل نشیں اسلوب میں مثال دیتے ہوئے کہا کہ بارش کا پانی زمین پر بہتا ہے مقامی زمین کو سیراب کرتے ہوئے دور کے لوگوں کو بھی بہہ کر پہونچتا ہے' اس طرح دونوں زمینوں کو فائدہ پہونچاتا ہے، لیکن کچھ زمین سپاٹ پتھر کی طرح ہوتی ہے' پانی سے فائدہ نہیں اٹھاتی بلکہ ادھر ادھر بہاکر ضائع کر دیتی ہے آپ نے اس مثال سے ان زمینوں کو علم حقیقی سے فائدہ اٹھانے والے اور اس علم کو ضائع کر دینے یا نا قابل قبول سمجھنے والوں سے بڑے سہل اور بلیغ انداز میں تشبیہ دی، آپؐ نے اپنی زوجۂ مطہرہ کی دلداری کے لئے ان سے دلچسپ اور ادبی زبان میں ایک تبصرہ سنا جس میں متعدد بیویوں نے اپنے اپنے شوہروں کے بارے میں اظہار رائے کیا تھا وہ تبصرہ حدیث ام زرع کے نام سے حدیث کی کتابوں میں موجود ہے' اسی طرح آپؐ نے ایک موقع پر اپنی سواری پر شریکِ سواری سے جاہلیت کے دور کے ایک شاعر کا کلام کہہ کہہ کر سنا، کلام اچھا اور دین کی حمایت میں تھا، آپؐ نے سن کر فرمایا کہ ان اشعار میں شاعر کی زبان نے اسلامی مزاج کے مطابق کام کیا لیکن اس کا دل کافر ہی رہا، آپؐ نے کعبؓ بن زہیر سے اپنی مدح میں قصیدۂ مدحیہ سنا اور باوجود اس کے کہ اس کے قصیدہ میں جاہلی دور کا پورا انداز تھا، لیکن وہ نیا نیا مسلمان ہو رہا تھا اس کو اسلام کا تقاضہ اور طرز معلوم نہ ہو سکا تھا لہٰذا آپؐ نے صرف سنا ہی نہیں بلکہ اس پر انعام بھی دیا، اس کے علاوہ آپؐ اپنے صحابہ کے شعر کہنے کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے، بلکہ مسلمان ہوجانے والے شاعروں کو اپنی شاعری اسلام کی حمایت میں استعمال کرنے کا حکم دیتے آپؐ نے خود شاعری نہیں کی لیکن نثر میں بڑی بلاغت اور ادبیت ظاہر فرمائی، آپؐ نے انسانی سرشت بتاتے ہوئے ایک بار ایک واقعہ قصہ کی شکل میں اور سہل انداز میں بیان کیا' اس قصہ میں ایک نابینا، ایک گنجے اور ایک کوڑھی کے طرزِ عمل کا تذکرہ فرمایا، یہ اور اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں جن میں زندگی کے مختلف پہلوؤں اور ان کے انسانی فطری احساسات

اور نفسیاتی حال کی عکاسی آپ کے کلامِ بلاغت نظام میں بکثرت ملتی ہیں جو ہم کو متوجہ کرتی ہیں کہ ادب اسلام سے کوئی الگ چیز نہیں ہے، لیکن وہ اسلام کے سایہ میں صحت مندانہ انداز سے چلتا اور کام کرتا ہے، اور ہماری مراد اسلامی ادب سے وہی ادب ہے جو زندگی کی ترجمانی انسان کی صحت مندانہ مصلحتوں اور تقاضوں کے مطابق کرتا ہو اور باوجود تنوع اور وسعت کے صحت مندانہ دائرہ سے باہر نہ چلا جائے، ایسا ادب نہ صرف مسلمانوں کی ضرورت ہے بلکہ تمام انسانوں کی ضرورت ہے، وہ انسانی قدروں کا محافظ اور انسانوں کی خوشی و رنج میں شریکِ مسرت و غمگسارِ الم بھی ہے اس کی سرشت اسلامی ہے مذاقِ انس و ہمدردی ہے، دائرہ کار پوری زندگی اور پوری انسانیت ہے اور زمانہ عہدِ نبوت سے شروع ہو کر آئندہ مستقبل کے اندر دور تک پھیلا ہوا ہے۔

"ادب کی بڑی خاصیت اور قوت یہ ہے کہ وہ رجحانات و میلانات اور عمل، طرزِ فکر، اخلاق اور انقلاب کے محرکات پیدا کرتا ہے، اس لئے وہ بہت مفید بھی ہو سکتا ہے، اور بہت مضر بھی، وہ بڑی تعمیری طاقت بھی ہے اور تخریبی بھی۔ اس لئے اس کو کسی حال میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اس کو تعمیر کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے، اور تخریب کے لئے بھی۔ اور ان دونوں کے مظاہر ہر دور میں دیکھنے میں آ سکتے ہیں، وہ معاشروں کی تخلیق بھی کر سکتا ہے، اور حکومتوں کی تعمیر اور تاسیس بھی۔ اس لئے اس کی سخت ضرورت ہے کہ اس کو (کتابةً وخطابةً وشعرًا ونثرًا) صحیح رُخ پر لگایا جائے اور اس سے تخریب، انتشارِ خیال اور لذت اندوزی اور نفس پروری کا ذریعہ بننے کے بجائے اس کو خیر پسندی، صلاح و تقوی، ضبطِ نفس اور صحیح رہنمائی کا آلہ اور ہتھیار بنایا جائے۔"

(مولانا ابوالحسن علی ندوی)

مولانا عبداللہ عباس ندوی

مقالات

عربی کی چند نایاب نعتیں

نعتوں کی ایک قسم وہ ہے جن میں شعراء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف پر عظمت کا ذکر کیا ہے۔ آپؐ کے بشریت پر احسانات کو یاد کیا ہے یا آپؐ کے اخلاق کریمہ اور جمال ظاہری کو موزوں الفاظ میں بیان کیا ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جن میں نعت گو شعراء نے اپنی وارفتگیٔ شوق کو پر درد اور پر سوز لہجے میں نظم کیا ہے، درد فراق کا ذکر کیا ہے، صبا اور نسیم سحری سے التماس کی ہے کہ وہ ان کا پیغام حضور اقدس کے درِ پاک تک پہونچائے۔

تیسری قسم ان نعتوں کی ہے جو شاعر اپنے کو جسدی وجود سے در اقدس پر حاضر تصور کر کے کہتا ہے، جیسے شاعر اسلام علامہ اقبال رحؒ کی "ارمغان حجاز" ہے۔ جہاں شاعر صبا اور نسیم سحری سے پیغام شوق نہیں بھیجتا بلکہ خود درِ پاک پر بروئے سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو استادہ دیکھتا ہے، اور خونِ جگر کی آمیزش سے اشک ندامت بہاتا ہے۔

اسی آخری قسم کے شعراء میں وہ خوش بخت بھی ہیں جو صرف تصور میں نہیں بلکہ اپنے جسد خاکی کے ساتھ مواجہہ شریفہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

یا شفیع المذنبیں بار گناہ آوردہ ایم　　بر درت ایں بار با پشت دوتا آوردہ ایم

چشم رحمت بکشا سوے من انداز نگر | گرچہ از شرمندگی روئے سیاہ آوردہ ایم
آں نمی گویم کہ بودم سالہا در راہِ تو | ہستم آن گم رہ کہ اکنوں رو براہ آوردہ ایم
عجز و بے خویشی[1] و درویشی و دل ریشی و درد | ایں ہمہ بر دعوائی عشقت گواہ آوردہ ایم
دولتم ایں بس کہ بعد از محنت و رنج دراز | بر حریم آستانت می نہم روئے نیاز

یا جس طرح مرحوم جگر مراد آبادی نے عرض کیا تھا۔

استادہ بہ پیشِ بار گاہ ہست | پیرے بہ رخ آستیں کشیدہ
شاید جگرِ حزیں ہمیں است | از بارِ گنہ کمر خمیدہ

(آپ کی بارگاہ کی پیشی میں ایک بڈھا اپنی آنکھوں پر آستین سے منھ چھپائے ہوئے کھڑا ہے۔ شاید جگر غمگین یہی ہے، گناہوں کے بوجھ سے جس کی کمر کج ہو گئی ہے ——)

نعتِ نبویؐ کی اس صنفِ خاص میں ہدیۂ درود و سلام بھی ہے، جس میں آنحضرتؐ ارواحنا فداہ کو مخاطب کرکے شاعر ہدیۂ صلاۃ و سلام پیش کرتا ہے، جیسے حضرت جامیؔ نے عرض کیا تھا۔

صد سلامت می فرستم ہر دم اے فخرِ کرام
تا کہ آید یک "علیکم" در جواب صد سلام

---

[1] جن حضرات کو فارسی سے مناسبت نہیں ہے ان کے لئے عرض ہے کہ وہ بے خویشی کو 'بے خیشی' پڑھیں، اے گناہگاروں کی شفاعت کرنے والے، میں گناہوں کا ایک بوجھ لیکر حاضر ہوا ہوں، آپ کے در دولت پر اس طرح حاضر ہوا ہوں کہ گناہوں کے بوجھ سے پیٹھ دوہری ہو گئی ہے۔

نگاہ رحمت اٹھائیے مجھ پر ایک نظر ڈالئے، اگرچہ شرمندگی کے مارے کالا منھ لیکر آیا ہوں، میں نہیں کہتا کہ آپؐ کی راہ (سنت پر) سالہا سال سے قائم ہوں میں تو وہ گمراہ ہوں کہ اب جاکر راہ پر آیا ہوں، ناتوانی بے بسی، پراگندگی اور شکستہ دلی اور درد کو اپنے تعلق خاطر پہ گواہ بناکر لایا ہوں۔ میری سرفرازی یہی ہے کہ بڑی کٹھن گھڑیوں اور طویل انتظار کے بعد آپ کے ایوان عالی پر اپنا سر نیاز خم کر رہا ہوں۔

(اے فخر رسولانِ کرام آپ کی خدمت عالی میں ہر لحظہ سینکڑوں سلام کا نذرانہ بھیجتا ہوں تاکہ مرے شوقِ سلام پر ایکبار" علیکم السلام کی آواز آجائے ——)

جس طرح اردو اور فارسی میں نعتِ نبویؐ کی یہ تینوں قسمیں پائی جاتی ہیں، اسیطرح عربی میں بھی عرب شعراء نے اپنا نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔ اس مختصر مجموعہ میں اس صنف کی عربی نعتوں کو بامحاورہ ترجمہ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اسکے ساتھ چند وہ قصیدے بھی ہیں جو خاص حجرۂ مبارکہ (گنبد خضرا کے اندر...... اس حجرہ میں جہاں مزار اقدس ہے) دیواروں پر نقش تھے اوران میں سے بعض اب بھی موجود ہیں[1]

---

[1] یہ اشعار اور قصیدے مجھے علامہ محترم استاذ حدیث شیخ محمد مالکی کے مجموعہ سے حاصل ہوئے جس کا نام ہے" شفاء الفواد بزیارۃ خیر العباد" علامہ موصوف نے اس کتاب میں زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں بعض اختلافات کا جواب دیا ہے۔ کتاب علمی و تحقیقی ہے، اس کے آخر میں انھوں نے یہ قصائد بھی دیئے ہیں، جن کو دیکھ کر بے اختیار جی چاہا کہ اپنے اردو داں اہل ذوق بھائیوں کو اس نعمت میں شریک کروں، توفیق اس کے ہاتھ میں ہے جو دلوں کا حال جاننے والا ہے، وکفی بہ معتمدًا
(ع۔ع۔ن)

گنبدِ خضرٰی کے مکیں

حضرت شیخ طریقت عالم جلیل عارف باللہ شیخ عبدالرحیم البرعی قدس سرہٗ یمن کے ایک عاشقِ رسول بزرگ گزرے ہیں۔ اس سرزمین پر جہاں حضرت اویس قرنی جیسے محبانِ رسول پیدا ہوئے وہاں ہر زمانہ میں کوئی نہ کوئی وارفتہ شوق ہوتا رہا ہے جس کے سوزِ دروں سے ہزاروں بندگانِ خدا نے محبت کی روشنی اور ایمان کی حرارت اور ذات نبویؐ سے وابستگی کی دولت حاصل کی ہے۔

اہلِ یمن شیخ عبدالرحیم البرعی کی مناجاتوں اور درود و سلام سے معطر نظموں کو بڑے شوق و عقیدت سے پڑھا کرتے ہیں۔ ان کا مفصل تذکرہ ' عربی کی نعتیہ شاعری ' میں موجود ہے، آپ نے حرم نبویؐ کی زیارت کے لئے جو صلاۃ و سلام لکھا ہے اس کا عنوان "یاصاحب القبر المنیر" ہے۔ اس قصیدہ کے منتخب اشعار حسب ذیل ہیں ؎

يـاصـاحب القبر المنير بيثرب	يامنتهى أملي وغاية مطّلبي
يامن به في النائبات توسُّلي	وإليه من كل الحوادث مَهربي
يامن نرجّيه لكشف عظيمة	ولحل عقد ملتو متعصب
يـامن يجود على الوجود بأنعم	خضر تعم عموم صوب الصيب
يـارحمة الـدنيا وعصمة آهلها	وأمان كل مشرِّق ومغرِّب
يامن نؤمل منه كل كرامة	ونلُوذ في حرم الجناب الأغلب
يامن هو البرُّ النقيُّ المنتقى	سر السرارة طيب من طيب
يامـن سـرى مـن مكـة للمسـجد الأقصى	على ظهر البراق المنجب

يامن تلقته ملائكة السما بخطاب أهلا بالحبيب ومرحب
يامن تناهى فوق سدرة منتهى لعناية سبقت وحق موجب
يامن يحن العرش والكرسي إذ نودى لقرب فاق كل مقرب
إن كان رايتك الرفيعة في العلى منصوبة فالفعل فعل تعجب
الحجب ترفع والجهات أنيسة والمجتبى يغشاه نور المجتبى
ولك الوسيلة والفضيلة فافتخر بشفاعة لخلاص كل معذَّب
والرسل تحت لواء عزك في مقام الحمد ذى الحوض الهنيء المشرب

ولقد بعثت لأمة أمية نورا على الأكوان غير محجَّب
رأت الفضائل منك في حمل وفي طفل ومقتبل الشباب وأشيب
لما تلوت الوحي معجزة لهم سمعوا فبين مصدق ومكذب
فالحمد لله القران شريعة والله رب وابن آمنة نبي
والحق متضح السبيل بأحمد ولمذهب الإسلام أشرف مذهب
ياسيدي إني رجوتك ناصرا من جور دهر خائن متقلب
وجعلت مدحى فيك ياعلم الهدى سببا وأنت وسيلة المتسبب
فأقل عثار عبيدك الداعي الذي يرجوك إذ راجيك غير مخيَّب
واكتب له ولوالديه براءة من حرِّ نار جهنم المتلهّب

وأجز بها عبدالرحيم كرامة الدارين إذهي خير نظم معرب
وعليك صلى ذو الجلال أتم ما صلى وسلم يارفيع المنصب
وعلى صحابتك الكرام وآلك الأعلام أهل الفضل كل مهذب

(ترجمہ)

① شہر یثرب میں نور سے معمور قبر والے! اے میری آرزوؤں کے قبلہ، میری تمناؤں کے حاصل!

② اے وہ ذات گرامی جو کہ دشکلات میں میرا وسیلہ اور مصائب کی یورش کے

وقت میرا آخری ٹھکانہ ہے۔

(۳) اے میری امیدوں کے مرکز، رنج و غم میں مرے غم خوار، رنج و غم کی شدید گھڑیوں میں جن کی (شفاعت) سے دُعائیں رہتی ہے۔!!

(۴) اے وہ جن کی سخاوت سارے عالم پر محیط ہے سخاوت بھی ایسی جیسے موسلا دھار بارش ہو۔ اور جس بارش کا ہر قطرہ ہزاروں نعمتوں کو اپنے جلو میں لئے ہوئے ہو۔

(۵) اے نبیٔ رحمت، شافعِ امت! سارے عالم کے لئے سر پناہ، مشرق و مغرب میں بسنے والوں کے لئے آپ کا دامن جائے پناہ ہے۔

(۶) اے وہ ذات جس سے ہم ہر طرح کی بھیک پانے کی آس لگائے ہوئے ہیں اور جس کی درِ عالی پر آکر سہارا ڈھونڈتے ہیں۔

(۷) اے وہ جو مہربان تر، پاکیزہ تر، اور منتخب ترین (نبی بناکر مبعوث کئے گئے) آپ قدرتِ الٰہی کا سربستہ راز ہیں۔ آپؐ کا وجود پاکیزہ اور آپؐ کا خاندان (آبا و اجداد) پاکیزہ تر تھے۔

(۸) اے راتوں رات جلیل القدر براق پر سوار ہو کر مکّہ سے مسجدِ اقصیٰ تک جانے والے مسافر!

(۹) آپؐ کا استقبال ملائکہ نے پر جوش خیر مقدم کے ساتھ کیا،

(۱۰) آپؐ کی منزل سدرۃ المنتہیٰ تھی، اور یہ ایک خاص فضل و کرم تھا اللہ کا، جو آپؐ کے لئے پہلے ہی سے مقدر تھا۔

(۱۱) آپؐ کا اشتیاق خود عرش و کرسی کو تھا، اور آپؐ کو قریب سے قریب تر بلایا گیا۔

(۱۲) آپؐ کی وہ عظمت جس کو دیکھکر انسان ششدر رہ جاتا ہے۔ یہ ہے کہ آپ کا علم (جھنڈا۔ پھریرا) عرشِ اعظم پر نصب کیا گیا۔

(۱۳) آپ کے لئے تمام پردے اُٹھادیئے گئے اور شش جہات کو آپ کی طرف جُھکادیا گیا اور منتخب کردہ ہستی کو منتخب کرنیوالے (خدا) کے نور نے ہر طرف سے ڈھک لیا۔

(۱۴) آپ کو وسیلہ بنایا گیا ہے۔ ہر فضیلت سے نوازا گیا ہے۔ آپ کو حق ہے کہ فخر کریں کہ ہر مستحقِ سزا کو آپ کے وسیلہ و شفاعت سے بخش دیا جائے گا۔

(۱۵) ستیریں حوضِ کوثر پر آپ کا مقام مقامِ محمد ہو گا جس کے سایہ میں تمام انبیائے کرام پناہ لیں گے۔

(۱۶) ایک ناخواندہ قوم کی طرف آپ کو نبی بناکر مبعوث کیا گیا مگر ایسا نور بخشا گیا جو کائنات پر محیط ہو گیا۔

(۱۷) آپ کے معجزات تو آپ کی پیدائش سے پہلے ہی ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔ آپ کی طفلی کے معجزات بھی ثابت ہیں اور جب آپ جوان ہوئے، اور جب بڑھاپے کی عمر کو پہونچے (کوئی زمانہ معجزات کے ظہور سے خالی نہیں رہا۔)

(۱۸) آپ وحیِ خداوندی کو پڑھکر سنایا، لوگوں نے اس نعمت سے فائدہ اُٹھایا اور ایمان لائے، اور ایسے محروم بخت بھی تھے جو انکار پر قائم رہے۔

(۱۹) الحمدُ للہ قرآن شریعت کا جامع ہے، اللہ تعالیٰ ہمارا پروردگار ہے اور حضرت آمنہ کا لختِ جگر ہمارا پیغمبر ہے۔

(۲۰) ذاتِ احمد کے طفیل حق واضح ہو کر ہم سب کے سامنے آیا، اور مذہبِ اسلام سب سے اعلیٰ و ارفع دین بنکر اُبھرا۔

(۲۱) میرے آقا و مولیٰ! آپ کو اپنا حامی و ناصر جان کر میں نے آپ سے اُمید قائم کی ہے کہ ہر روز کی نت نئی مصیبت سے اور غدار زمانہ کے شدائد سے نجات پا سکوں۔

(۲۲) آپ ہدایت کے منارہ ہیں، آپ کی خدمت میں اس نذرانۂ مدح کو ہم نے وسیلہ بنایا ہے اور وسیلہ ڈھونڈنے والے کے لئے سب سے بڑا سہارا تو خود آپ ہی کا ہے۔

(۲۳) آپ کا ایک حقیر غلام ہے مدح خواں اور دریوزہ گر ہے، اسکے لئے دعا فرمائیے کہ اس کی مصیبتیں دُور ہوں کیونکہ آپ سے التماس والتجا کرنے والا محروم نہیں رہتا۔

(۲۴) اور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ سے محفوظ رہنے کے لئے پروانۂ نجات لکھ دیجئے، خود اسکے لئے اور اسکے والدین کے لئے۔

(۲۵) اس قصیدۂ مدح کے طفیل عبدالرحیم کو دونوں جہاں کی سرفرازی عطا کیجئے کیونکہ اس نے دل سے یہ نظم لکھی ہے۔

(۲۶) اے بلند مقام والے! خدائے ذوالجلال آپ پر اپنی رحمتیں برسائے اور بہتر سے بہتر درود و سلام کا ہدیہ پہونچائے۔

(۲۷) اور آپ کے صحابۂ کرام اور سربلند آل پر جن میں ہر ایک صاحب فضل و احسان تھے۔

حجرۂ مبارکہ کے اندر در و دیوار پر نقش کیا ہوا قصیدہ

ایوب صبری پاشا نے "مرأة الحرمین" میں لکھا ہے کہ سلطان عبد الحمید بن سلطان احمد خاں (م ۱۱۹۱ھ) کا یہ قصیدہ روضۂ انور کے اندر قبلہ کی جانب دیوار پر (جالیوں سے اوپر) نقش کیا ہوا ہے۔"

ان اشعار کو سمجھنے کیلئے عربی اسلوب کو سمجھنا چاہیئے نیز یہ کہ ذوق و محبت کی فراوانی میں اگر کوئی ایسا لفظ نکل جاتا ہے جس سے بظاہر توحید کے منافی مفہوم کی طرف ذہن جائے تو اسکی وضاحت ضروری ہے اسلئے ترجمہ کے بعد متعدد اشعار کی توضیح بھی کردی گئی ہے۔

یاسیدی یارسولَ اللهِ خذ بیدِي ... مالي سواكَ ولا ألوِي على أحدِ
فأنت نورُ الهدى في كل كائنةٍ ... وأنت سرُّ الندى ياخيرَ مُعتمَد
وأنت حقًّا غياثُ الخلق أجمعِهم ... وأنت هادِي الورَى لله ذى المدد
يامن يقوم مقامَ الحمدِ منفرداً ... للواحدِ الفردِ لم يُولد ولم يلدِ
يامن تفجَّرتِ الأنهارُ نابعةً ... مِن إصبعيه فروَّى الجيش ذاالعدد
إني إذا سامني ضيمٌ يُروِّعُني ... أقول ياسيدَ السادات ياسَندی
كُن لي شفيعاً إلى الرحمن من زلَلي ... وامنُن عليَّ بما لا كان في خلَدِي

وانظر بعين الرضا لي دائماً أبدا	واستُر بفضلِك تقصيري مدَى الأمَد
واعطف عليَّ بعفوٍ منك يشملني	فإنني عنك يا مولاي لم أحِد
إني توسَّلتُ بالمختار أشرفِ من	رقَى السموات سرِّ الواحدِ الأحدِ
رَبُّ الجمالِ تعالى اللهُ خالقُه	فَمثلَه في جميع الخلقِ لم أجِد
خيرُ الخلائق أعلى المرسلين ذُرىً	ذخر الأنام وهاديهم إلى الرشدِ
به التجأتُ لعل الله يغفرلي	هذا الذي هو في ظني ومعتقدي
فمدحه لم يزل دأبي مدى عُمري	وحُبه عند رب العرش مستندي
عليه أزكى صلاة لم تزل أبدا	مع السلام بلا حصر ولا عدد
والآل والصحب أهلِ المجدِ قاطبة	بحر السماح وأهلِ الجود والمدد

(ترجمہ)

(۱) یا سیدی یا رسول اللہ میری دستگیری کیجئے آپکے سوا مرا کوئی نہیں ہے اور نہ میں کسی کی طرف مڑکر دیکھتا ہوں (یعنی اللہ تعالےٰ کے بعد۔ آپ ہی تنہا میرا وسیلہ ہیں)

(۲) ساری کائنات میں ہدایت کا نور آپ ہی ہیں راز سخاوت تو آپ ہی کی ذات ہے !! اے وہ ذات جس پر بھروسہ کیا جائے !!

(توضیح)۔ دوسرے مصرعہ کا آخری ٹکڑا " یا خیر معتمد " کا مطلب یہ ہے کہ عرضی گذار آپؐ کو مخاطب کرکے کہہ رہا ہے کہ آپ ہی کی ذات وہ ہے جس پر اعتماد کیا جائے.

(۳) بلاشک وشبہ ساری مخلوقات کیلئے فریادرس آپ ہی ہیں

اور اللہ کی طرف سارے عالم کو راستہ بتانیوالے آپ ہی ہیں

(توضیح)۔ پہلے مصرعہ میں آپؐ کو "فریادرس" کہا گیا ہے اور دوسرے مصرعہ میں اللہ تعالیٰ کی صفت نصرت (نعم المولیٰ ونعم النصیر) یاد کرکے آپکو راہِ خدا کا ہادی بتایا گیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ شاعر "فریادرس" کہہ کر یہ مطلب لے رہا ہے کہ مخلوقات جن وانس کے درمیان آپ ہی سرپناہ ہیں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابل میں (نعوذ باللہ) یا اللہ کو بھی فراموش کرکے آپؐ کو وہ فریادرس سمجھ رہا ہے۔

(۴) اے وہ ذات پاک جس نے اللہ تعالیٰ کی حمد کا حق تنہا ادا کیا اُس بزرگ و برتر کی حمد جو تنہا ہے، جو نہ پیدا کیا گیا اور نہ اُس نے کسی کو جنم دیا۔

توضیح:۔ اشارہ ہے کہ قیامت کے روز آپؐ کے ہاتھوں لواء الحمد ہوگا۔ توحید خالص کا یہ شعر اُن تمام اوہام کو دور کرا دیتا ہے جو کسی لفظ کے وسیع مفہوم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہو سکتا ہے۔

(۵) اے وہ ذات جس کی دو انگلیوں سے پانی کی نہریں اُبل پڑیں جس سے پوری فوج سیراب ہوئی۔

(۶) میرا حال یہ ہے کہ اگر کوئی ناگہانی مصیبت آجاتی ہے تو میں کہا کرتا ہوں یا سید السادات یا سندی اے آقاؤں کے آقا اے میرے سرپناہ!!)

(۷) خدائے رحمان و رحیم کے حضور آپ میرے شفیع بن جائیے کہ وہ میری لغزشوں کو معاف فرما دے اور ایسا احسان کیجئے جو میرے دل میں بھی نہ ہو یعنی میری توقعات سے بڑھ کر جس کا مجھے حوصلہ بھی نہ ہو۔

(۸) مجھ پر نگاہِ کرم ہمیشہ رکھئے۔ اپنے فضل سے میری کوتاہیوں کی پردہ پوشی فرمائیے۔

(۹) میرے ساتھ چشم پوشی اور عفو کا معاملہ کیجئے، میرے آقا آپ کی حضوری سے میں کبھی سرتابی نہیں کر سکتا۔

(۱۰) میں نے وسیلہ طلب کیا ہے رسولِ مختار کا اور وہ رسولِ مختار جو آسمان پر جانے والے (فرشتوں) سے بھی افضل ترین ہیں اور خدائے واحد کا ایک راز ہیں۔

(۱۱) تمام مخلوقات میں افضل ترین بلندی کے لحاظ سے تمام انبیائے کرام کے اوپر جن و بشر کے لئے سرمایۂ رحمت اور ان کو رشد و ہدایت کی راہ پر لگانے والے۔

(۱۲) جمال ظاہری و باطنی کے مالک! پاک و بلند ہے وہ ذات جس نے اس جمال کو پیدا کیا آپؐ جیسا صاحبِ جمال ساری کائنات میں کسی کو نہیں پاتا ہوں۔

(۱۳) میں آپ کے در پر پناہ لینے آیا ہوں، بڑا آسرا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے گا
جو مرے عقیدہ اور عمل میں خرابی ہے۔
(۱۴) آپ کی مدح مری زندگی کا معمول ہے جو ہمیشہ سے ہے اور آپ کی محبت مالک عرش (اللہ)
کے نزدیک ذریعہ تقرب ہے۔
(۱۵) آپ پر بہترین صلاۃ و سلام ہو ہمیشہ ہمیشہ بلاتعداد۔
(۱۶) آپ کے آل و اصحاب سب پر جو بخشش و مغفرت کے دریا تھے۔

قابلِ ذکر اطلاع

(۱) اس قصیدہ کا گیارہواں شعر علیحدہ سے حجرۂ مبارکہ کی اس کھڑکی کے اوپر نقش ہے جو اخوات
کے دکہ کے سامنے ہے اس مقام پر جسکو محراب تہجد کہا جاتا ہے وہ شعر یہ ہے ؎

ربّ الجمال، تعالیٰ اللہ خالقُہ　　فمثلہ فی جمیع الخلق لم اجد

جمال ظاہری و باطنی کے مالک! مبارک و بلند ہے وہ ذات جس نے اس جمال کو
پیدا کیا؛
آپ جیسا صاحب جمال سارے کائنات میں کسی کو نہیں پاتا ہوں۔

---

(۲) اس قصیدہ کے بعض اشعار رنگ و روغن (وارنش) کی وجہ سے مٹ گئے ہیں۔
نہیں پہلا، دوسرا، تیسرا، چھٹا، ساتواں، آٹھواں، نواں، دسواں، اور
تیرھواں شعر باقی نہیں ہے، سات شعر پڑھے جا سکتے ہیں۔ مہر

قصیدہ حدّادیہ داخلیہ

یہ ایک نادر قصیدۂ نعت ہے جو حجرۂ نبویہ کی اندرونی دیوار پر کوفی خط میں نقش کیا گیا تھا۔ اس والہانہ قصیدہ کو صلاۃ و سلام کے صیغوں پر مشتمل ہے۔ حضرت قطب الارشاد، عارف باللہ مولانا عبداللہ بن علوی حسینی الحضرمی الشافعی متوفی سنہ ۱۱۳۲ھ نے نظم کیا تھا۔ اس قصیدۂ مبارکہ کا سولہواں شعر حجرۂ شریفہ کے باہر مواجہہ کے اوپر بھی نقش ہے۔

سَلَكْنَا الفَيافِي وَالقِفارَ على النُّجْبِ ... تَجِدُّ بنا الأشواقُ لا حادِي الرَّكْبِ
فَنَهْوِي عَلَيها بالعَشِيَّةِ والذي ... يَليها مِن اللَّيلِ البَهِيمِ على القُتْبِ
يَلَذُّ لنا ألا يَلَذُّ لنا الكَرَى ... لِما خالَطَ الأرواحَ من خالِصِ الحُبِّ
ويَبْرُدُ حرٌّ بالهجيرِ يَهُدُّهُ ... سَمُومٌ إذا هاجَتْ تُزَعْزِعُ لِلْكُثْبِ
وَما زالَ هذا دَأْبَنا وصَنِيعَنا ... إلى أن أَنَخْنا العِيسَ بالمنزِلِ الرَّحْبِ
نَزَلْنا بخيرِ العالَمينَ محمَّدٍ ... نَبِيِّ الهُدَى بحرِ النَّدى سَيِّدِ العُرْبِ
رسولٌ أمينٌ هاشِمِيٌّ مُعَظَّمٌ ... وسيِّدُ مَن يأتي ومَن مرَّ في الحُقْبِ
مَلاذُ البَرايا غَوثُ كلِّ مُؤَمِّلٍ ... كَريمُ السجايا طَيِّبُ الجِسْمِ والقَلْبِ
يُؤَمِّلُه العافُونَ مِن كلِّ مُمْحِلٍ ... كَتَأْمِيلِهِمْ للسَّاكِباتِ من السُّحْبِ
كريمٌ حليمٌ شأنُه الجُودُ وَالوَفا ... يُرَجَّى لِكَشْفِ الضُّرِّ وَالبُؤْسِ والكَرْبِ
رَحيمٌ بَراهُ اللهُ للخَلْقِ رحمَةً ... وَأرسَلَهُ يَدْعُو إلى الفَوزِ والقُرْبِ

وأرسله بالحق والصدق والهُدى ... وبَذْلِ النَّدى والرِّفقِ والمنطِقِ العَذْبِ
به اللهُ أنجانَا من الشِّرْكِ والرَّدَى ... ومِن عَمَلِ الشيطان والجِبْتِ والنُّصْبِ
وأدْخَلَنَا في خيرِ دينٍ يحبُّهُ ... ويَرضَاه دينِ الحقِّ فَالحمدُ للرَّبِّ
لهُ المنّةُ العُظمَى عَلينا بِبَعْثِهِ ... إلينا ومنَّا عَالِيَ الذِّكرِ والكَعْبِ
نبيٌّ عظيمٌ خُلُقُه الخُلُقُ الَّذي ... لهُ عظَّمَ الرَّحْمٰنُ فِي سيِّدِ الكُتْبِ
وأيَّدَه بالوَحيِ وَالنَّصرِ والصَّبا ... وأملاكِهِ والمُؤمنينَ وبالرُّعْبِ
وبِالمُعجزاتِ الظَّاهِرَاتِ التي نمت ... على القَطْرِ عدًّا بعده كُلُّ مَن نُبِّي
وآتَاه قُرآناً به أعجزَ الوَرَى ... جَميعاً عَلَى التَّأبِيدِ يَالَكَ مَن غَلْبِ
ألا يَارسُولَ اللّه إنَّا قَرابَةٌ ... وذرِيَّةٌ جِئناكَ لِلشَّوقِ والحُبِّ
وقَفْنَا عَلى أعتَاب فضْلِكَ سيِّدي ... لتَقْبِيلِ تُربٍ حبَّذَا لَكَ مِن تُرْبِ
وقُمنَا تُجَاهَ الْوَجْهِ وجهٍ مباركٍ ... عَلينَا به نُسقَى الغَمَامَ لَدَى الْجَدْبِ
أتَينَاكَ زُوَّاراً نَرومُ شَفَاعَةً ... إلَى اللّهِ في محوِ الإساءةِ والذَّنبِ
وُفُودٌ وزُوَّارٌ وأضيافُ حضرةٍ ... مُكرَّمَةٍ مَستَوطَنِ الجُوْدِ والخِصْبِ
وفي النَّفسِ حَاجَاتٌ وثَمَّ مَطَالِبٌ ... نؤمِّلُ أن تُقضَى بجَاهِكَ يامُحبِي
تُوَجِّهْ رَسوْلَ اللّهِ في كُلِّ حَاجَةٍ ... لنَا ومُهِمٌّ في المَعَاشِ وفي القَلْبِ
وإنَّ صَلَاحَ الدِّينِ والقَلْبِ سيِّدِي ... هُو الغَرَضُ الأقْصَى فيَاسيِّدِي قُمْ بِي
علَيكَ صلاةُ الله ياخيرَ مَن تَلا ... كتاباً مُنيراً جاء بالفَرْضِ والنَّدْبِ
عليكَ صلاةُ اللّه ياخيرَ مُهتدٍ ... وهادٍ بنُورِ اللّه فِي الشَّرْقِ والغربِ
عَليك صلاةُ الله ياخيرَ مَن دَعا ... إلى اللّه بَعد الرِّفقِ بِالسُّمرِ والقُضْبِ
عَليك صلاةُ اللّه ياسيِّدا سَرَى ... إلى الله حتى مرَّ بالسَّبعِ والحُجْبِ
وقام بـ«أو أدنى» فناهيك رفعة ... ومجدا سما حتى أناف على الشهب
عليك سلام الله ماسار مخلص ... إليك يقول: الله والمصطفى حسبي
عليك سلام الله ماأسحر الصبا ... فحرَّك أرواح المحبين للقرب
عليك سلام الله مابارق سرى ... وماغنَّت الأطيار في عذب القضب
عليك سلام الله ماحرك الحدا ... قلوبا إلى مغناك بالشوق والحب
عليك سلام الله عد النبات والـ ... ـرمال وعد القطر في حالة السكب

عليك سلام الله أنت ملاذنا　　لدى اليسر والاعسار والسهل والصعب
عليك سلام الله أنت حبيبنا　　وسيدنا والذخر ياخير من نبي
عليك سلام الله أنت إمامنا　　ومتبوعنا والكنز والغوث في الخطب
وصلّى عليك الله دأبا وسرمدا　　وسلّم يامختار والآل والصحب

ترجمہ

(۱) تیز رفتار اونٹوں پر ہم صحرا و بیابان طے کرتے ہوئے چل رہے ہیں۔ ہمارے قافلہ کو ساربانوں کی حدی خوانی نہیں بلکہ جذبات و اشتیاق کی فراوانی آگے بڑھا رہی ہے۔

(۲) ہم ان اونٹوں پر سر شام سوار ہوتے ہیں، اور مسلسل سفر طے کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ دوسری رات آتی ہے تاریک، سیاہ، بھیانک مگر اونٹوں کے اترنے کا نام نہیں لیتے۔

(۳) اس سواری پر ہمیں نیند بھی آتی ہے۔ اور بڑی میٹھی نیند آتی ہے، کیونکہ روح محبت کی آغوش میں آسودہ رہتی ہے۔

(۴) گرم ہواؤں کے تھپیڑے ہمیں خنک معلوم ہوتے ہیں، جھلسا دینے والی لو جب چلتی ہے تو مشکیزوں کو جھنجھوڑ دیتی ہے۔ (یعنی اس کا پانی کھول اٹھتا ہے) مطلب یہ ہے کہ سخت گرمی اور لو کی یہ تکلیف بھی مجھے اچھی لگتی ہے کیونکہ ہم دیار محبوب کی طرف رواں ہیں۔

(۵) ہم اسی طرف رواں دواں بڑھتے رہے، یہاں تک کہ وہ وقت آیا کہ ایک وسیع میدان میں آکر اپنے اونٹ کا کجاوہ ہم نے اتارا۔

(۶) ہم خیر البشر صلے اللہ علیہ وسلم کی مہمانی میں آگئے، جو رسولِ رحمت، دریائے سخاوت اور سردارِ عرب ہیں۔

(۷) رسول امین، ہاشمی والا مرتبت، آنیوالی نسلوں کے سردار اور ان کے سردار جو گزشتہ صدیوں میں گزر چکے۔

(۸) سارے عالم کی پناہ گاہ، ہر اُمید وار کی آرزو، فطرت بلند کی تمام خوبیاں رکھنے والے، جسم اور دل کے لحاظ سے پاک و معطر۔

(۹) نادار اور رحمتِ پروردگار کے طلب گار آپ سے وہ امید رکھتے ہیں جو خشک سالی کے ستائے ہوئے مینہ سے گھنگور گھٹاؤں سے اُمید رکھتے ہیں۔

(۱۰) آپ کریم ہیں، حلیم ہیں۔ آپ کی شان جود و بخشش ہے۔ ہر قسم کے رنج اندوہ، زمانہ کی سختیوں اور مصائب میں آپ کو آسرا سمجھتے ہیں۔ (کہ آپ کی دُعاؤں سے مصائب ٹل جائینگے)

(۱۱) آپ رحیم ہیں، اللہ نے آپ کو مخلوق کے لئے رحمت سراپا بنا کر پیدا کیا ہے اور دنیا میں اسلئے بھیجا کہ آپ قربِ حق اور کامرانی سے لوگوں کو نزدیک کریں۔

(۱۲) آپ کو اللہ نے صداقت، حقانیت اور ہدایت کی دعوت دینے کے لئے بھیجا اور آپ کو سخاوت، نرم جوئی، نرم خوئی اور شیریں زبانی میں ممتاز کیا۔

(۱۳) آپ ہی کے ذریعہ سے اور آپ ہی کے صدقے میں اللہ نے شرک و ہلاکت کی راہ سے نجات دلائی اور ان راستوں سے محفوظ رکھا جو بُت پرستی، نفس پرستی اور شیطان پرستی کا راستہ تھا۔

(۱۴) اور ہم سب کو اپنے پسندیدہ دین کی نعمت سے نوازا، ایسا دین جسکو اللہ کی رضا اور پسند حاصل ہے۔ لہٰذا، اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہم پر واجب ہے۔

(۱۵) اللہ تعالیٰ کا بڑا اکرم اور احسان یہ ہے کہ اس نے آپ کو مبعوث فرمایا، اور آپ کو ہم انسانوں میں سے منتخب کیا اور آپ کی شان کو عظمت دی، اور آپ کا ذکر بلند کیا۔

(۱۶) آپ وہ عظیم پیغمبر ہیں جن کے اخلاق کریمہ وہ ہیں جن کو قرآن کریم نے ذکر کر کے شرف بخشا ہے۔

(۱۷) اللہ تعالیٰ کی وہ ذات والاصفات ہے جس نے آپؐ کو وحی، اور فتح مندی کی دولت دی، اور آپؐ کی ذات کو رُعب وجلال بخشا۔

(۱۸) آپؐ کو ایسے معجزات دیئے جو سب کھلے ہوئے اور روشن ہیں اور جن کی تعداد بارش کے قطروں سے بڑھ گئی ہے۔ آپؐ کے معجزات کے بعد وہ سب ہیں جن کو نبی بنایا گیا۔ (یعنی انبیائے سابقین علیہم السّلام۔)

(۱۹) آپؐ کو قرآن عظیم بخشا، وہ قرآن جس نے سارے عالم کو مقابلہ کرنے میں ناکام کر دیا، اور قرآن کریم کا عطیہ وہ ہے جس نے آپ کو قوت بخشی، کیا کہنے ہیں اس قوت اور دبدبہ کے!!

(۲۰) یارسول اللہ ہمیں آپؐ کی غلامی کے ساتھ شرفِ نسبت بھی حاصل ہے، ہم آپؐ کے دربار میں محبت اور شوق کا نذرانہ لیکر حاضر ہوئے ہیں۔

(۲۱) آپؐ کے فضل واحسان کی چوکھٹ پر ہم دست بستہ کھڑے ہیں، تاکہ اس مٹی کو چومیں اور آنکھوں سے لگائیں جو درِ پاک پر پڑی ہے۔

(۲۲) اب ہم آپؐ کے رُوبرو، رُخِ مبارک کے سامنے استادہ ہیں، اس چہرۂ انور کا مواجہہ ہمیں حاصل ہے جس کے صدقے میں قحط سالی کے وقت بارش سے ہم سیراب کئے جاتے ہیں۔

(۲۳) ہم لوگ یارسول اللہ، آپؐ کے درِ پاک پر زیارت کے لئے آئے ہیں، آپؐ کی شفاعت پر آس لگائے ہوئے آئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش کے طلبگار ہیں۔

(۲۴) ہم ایک وفد کی صورت میں آئے ہیں (جس طرح آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں قبائل کے وفود آتے تھے اور اپنی ضروریات بیان کیا کرتے تھے۔) اور ہم اس ذات گرامی کے مہمان ہیں جو سخاوت و مہمان نوازی، لطف واحسان کا منبع ہے۔

(۲۵) دل ارمانوں سے بھرا ہے، ایسی حاجتیں بھی ہیں جن کے برآنے کی امید لیکر آئے ہیں۔

(۲۶) یارسول اللہؐ ایک نگاہ کرم ادھر بھی کیجئے!! دین و دنیا دونوں کی حاجتیں اور زندگی کی مشکلات دور ہونے کی شفاعت کیجئے۔

(۲۷) دین و دل کی اصلاح ہماری مراد ہے میرے آقاؐ مجھ پر نظر کرم فرمائیے۔

صلوٰۃ وسلام۔

(۲۸) آپؐ پر لاکھوں سلام اور لاکھوں درود اے وہ ذات پاک جس نے روشن ہدایت ایمان بخش کتاب عظیم کی آیات پڑھکر سنائیں۔

(۲۹) آپؐ پر ہزاروں صلوٰۃ و سلام ہو اے ہادیٔ اعظم! اے مشرق و مغرب میں اُجالا پھیلانے والے۔!!

(۳۰) آپؐ پر درود و سلام ہو اے وہ ذات گرامی جس سے بہتر طریقہ پر کسی نے اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کی۔ آپؐ اللہ کی حمد و ثنا اور آپؐ اللہ کے احسانات کا ذکر کرکے دُعا سکھانے والے محبوب ہیں، آپؐ پر سلام ہو۔

(۳۱) سلام آپؐ پر ہو اے شبِ معراج میں ربِ کریم کی حضوری کا شرف حاصل کرنیوالے اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہونچنے والے رسولِ مختار۔

(۳۲) آپؐ کا مقام "اوادنیٰ" سے ظاہر ہے۔ اس عظمت و بلندی کا ہمیں ہوش رہنا چاہیئے اور اس مقامِ عالی کا جو چاند ستاروں سے آگے تھا۔

(۲۳) آپ پر اللہ کا سلام ہو جب تک ایک شخص بھی روئے زمین پر یہ کہنے والا رہ جائے جو کہے اللہ ہمارے لئے کافی ہے۔ اسکے بعد حضور انور محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(۲۴) آپ پر اللہ کا سلام ہو جب تک نسیم سحری چلتی رہے اور شیدائیوں کی روح کو ہلاتی رہے۔

(۲۵) آپ پر سلام ہو جب تک نسیم صبا چلتی رہے، اور جب تک پرندے شاخوں پر چہچہاتے رہیں۔

(۲۶) آپ پر سلام ہو جب تک حدی خواں اپنی حدی خوانی سے دلوں میں جوش پیدا کرتے رہیں اور آپ کی آرامگاہ تک جانے کا شوق اور وارفتگی باقی رہے۔

(۲۷) آپ پر سلام ہو اس قدر سلام جس قدر اور جس تعداد میں زمین سے اُگنے والے درخت اور پتے ہیں اور جس تعداد میں ریت کے ذرات ہیں اور موسلادھار بارش کی بوندوں کی جو تعداد ہے۔

(۲۸) آپ پر سلام ہو، آپ ہمارے سرپناہ ہیں، تنگی و ترشی کی حالت میں اور آرام کی حالت میں، دُکھ اور سُکھ دونوں میں آپ ہی ہمارے ہیں۔

(۲۹) آپ پر سلام ہو، آپ ہمارے امام و رہبر اور مقتدیٰ ہیں۔ اور آپ ہی میرے خزانہ ہیں اور آپ اللہ کی طرف سے فریادرس ہیں

(۴۰) اللہ آپ پر اپنا درود و سلام بھیجتا رہے ہمیشہ ہمیشہ اور آپ کی آل و اصحاب پر۔

قصیدۂ بغدادیہ وتریہ[1]

یہ ۲۱ اشعار کا قصیدہ حضرت ابوعبداللہ مجدالدین محمد بن رشید بغدادی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی سنہ ۶۶۲ھ) کا ہے، اس قصیدہ مبارکہ کے اکثر اشعار اسی دیوار پر کندہ ہیں جو مواجہہ شریفہ کے اوپر قبلہ کی جانب ہے، اور اس کا سلسلہ مقامِ نزول جبرئیل (جس کو منزل الوحی بھی کہتے ہیں) تک چلا گیا ہے، اور روضۂ جنت کے اوپر تین گنبدوں کے حلقوں میں منقش ہیں۔

یہ اشعار حسب ذیل ہیں،

بنُور رسولِ اللهِ أشرقتِ الدُّنا ... ففي نوره كلٌّ يجيءُ ويذهبُ
براهُ جلال الحق للخلق رحمة ... فكلّ الورى في برّه يتقلبُ
بدا مجدُه من قبل نشأة آدم ... وأسماؤه من قبلُ في اللوح تُكتب
بمبعثه كل النبيين بشّرتْ ... ولا مرسل إلا له كان يخطِب
بتوراة موسى نعته وصفاته ... وإنجيل عيسى بالمدائح يُطنِبُ
بشيرٌ نذيرٌ مُشفقٌ متعطِّفٌ ... رؤوف رحيمٌ محسن لا يُثَرِّبُ
بأقدامه في حضرة القدس قد سعى ... رسولٌ له فوق المناصب منصِبُ
بأعلى السما أمسى يكلّمُ ربَّه ... وجبريلُ ناءٍ والحبيبُ مقرَّبُ
بعزته سُدنا على كلّ أمة ... وملتنا فيها النبيون ترغبُ
به مكة تحمى به البيت قبلة ... به عرفات نحوها النجب تجذب
بريّاه طابت طيبة ونسيمُها ... فما المسكُ؟ ما الكافور؟ ريّاه أطيَبُ
بَهِيٌّ جميلُ الوجهِ بدرٌ متمَّمٌ ... صَباحُ ظلامٍ للضَّلالةِ مُذهِبُ
بمَنْ أنتَ ياحادِي الرِّكاب مُزَمزِمٌ ... أرى القومَ سكرَى والغياهِبُ تذهبُ

[1] اس قصیدہ کو بغدادیہ اس لئے کہتے ہیں کہ حضرت ابن رشید بغدادی کی تصنیف ہے اور وتریہ اس لئے کہتے ہیں کہ اشعار کی تعداد (۲۱) ہے جو وتر (طاق) کا عدد ہے۔

بُدورٌ بدَتْ بل لاحَ وجهُ محمدٍ وصهباءُ دَارتْ بل حديثُكَ مُطرِبُ
بأرواحِنا رَاحَ الحجيجُ وكُلُّنا نشاوَى كأنَّ الرَّاحَ في الرَّكب تُشرَبُ
بأوصافِهِ الحُسنَى تَطِيبُ قلوبُنا وتَهتَزُّ شوقاً والرَّكائِبُ تَطْرَبُ
بِطَيبَةَ حطَّ الصالحونَ رِحالَهم وأصبَحْتُ عن تِلك الأماكِنِ أُحجَبُ
بذَنبي بأوزَاري حُجِبْتُ بزلَّتي مَتَى يُطلَقُ العانِي وطَيبةُ تَقرُبُ
بِذُلِّي بإفلَاسي بِفقْري بفاقتي إليكَ رسولَ الله أصبحتُ أهرُبُ
بجاهِكَ أدرِكْني إذا حُوسِبَ الورَى فإنِّي عليكم ذلكَ اليومِ أُحسَبُ
بِمدحِكَ أرجو اللهَ يغفرُ زَلَّتي ولَو كُنتُ عبداً طولَ عمري أُذنِبُ

(ترجمہ)

(۱) رسول اللہ کے نور سے عالم روشن ہے (جہاں روشن است از جمالِ محمدؐ) اور ہر ایک کی آمد و رفت آپؐ ہی کے نور سے ہے یعنی کائنات کی حرکت و حیات آپؐ کے نور سے وابستہ ہے۔

(۲) عظمتِ حق نے مخلوق کے لئے رحمت بنا کر آپؐ کو پیدا کیا، سارا عالم آپؐ کے احسانات میں کروٹیں لے رہا ہے۔

(پہلے مصرعہ میں بمراد بڑی بیبری تخلیق کرنا اور دوسرے مصرعہ میں بر تہ احسان و فضل کے معنی میں ہے۔)

(۳) وجود حضرت آدمؑ سے پہلے آپکی عظمت آشکارا ہوئی۔ آپؐ کے اسمائے گرامی اس سے بھی پہلے لوحِ محفوظ میں درج ہوئے۔

(۴) تمام انبیاء نے آپؐ کی بعثت کی نوید سنائی، کوئی پیغمبر ایسا نہیں گزرا جس نے آپکی (بعثت) کی امید نہ رکھی ہو،

(۵) توراتِ موسیٰؑ میں آپ کی نعت وصفات مذکور ہیں، انجیلِ عیسیٰؑ آپؐ کے مدائح سے

معمور ہے۔

(۶) بشارت دینے والے۔ انجام سے آگاہ کرنے والے، سراپا شفقت و کرم، مہربان نرم خو، نرم دل، رحمدل، محسن، خطا کار کو قدرت رکھتے ہوئے معاف کرنے والے۔

(۷) حظیرۂ قدس میں سب (سر کے بل نہیں) پاؤں پاؤں چلے، کون؟ وہ رسولؐ جن کا منصب تمام مناصب پر فائق ہے۔

(۸) آسمان کے بلند ترین سرے پر اپنے رب سے گفتگو کی۔ جبکہ جبرئیل (پَر سمیٹے) الگ اور دور کھڑے تھے اور حبیبؐ کو قریب کیا گیا تھا۔

(۹) ان کے اقبال سے ہم تمام قوموں پر فائق ہیں اور ہمیں وہ ملت ملی جسکے طلب گار تمام انبیاء تھے۔

(۱۰) مکہ کا شہر آپؐ ہی کے دم سے مکہ ہے اور آپؐ ہی کے وجود پاک سے بیت اللہ قبلہ بنا آپ ہی کی ذات سے عرفات کا میدان مقدس بنا جہاں قربانی کے جانور لے جاتے ہیں۔

(۱۱) آپؐ کے وجود گرامی کے عطر آگیں جھونکوں سے پورا شہر طیبہ مہک اٹھا، اور اسکے نسیم سے پورا خطہ دمک اٹھا، مشک کی کیا حیثیت ہے؟ کافور کی کیا حقیقت ہے؟ آپؐ کے شہر پاک کا ایک جھونکا سب سے زیادہ عطر بیز ہے۔

(۱۲) باوقار چہرۂ تاباں والے حسین ایسے کہ چودھویں کا چاند ہو، یا جیسے رات کی تاریکی کے بعد صبح کی روشنی نمودار ہو۔ جو گمراہیوں کی تاریکی دور کر دے۔

(۱۳) قافلہ کے حدی خواں! تو کس کو اپنی دھیمی اور گنگناتی آواز میں پکار رہا ہے؟ تیری آواز سے سب پر نشہ کی سی کیفیت طاری ہے اور تاریکیاں چھٹ رہی ہیں۔

(۱۴) چودھویں کا ایک چاند نہیں، کتنے ماہ تمام ہیں جو یکایک روشن ہو گئے۔ نہیں نہیں یہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے چہرۂ انور کی چمک ہے یا شراب کے جام گردش میں ہیں۔ نہیں، یہ سب کچھ نہیں آپؐ کی باتیں (حدیثیں) مست کر رہی ہیں۔

(۱۵) حجاج اپنے جلو میں ہماری روحیں لئے جارہے ہیں اور ہم سب نشہ میں مست ہیں، گویا قافلہ میں جام و بادہ کا دور چل رہا ہے۔

(۱۶) ہمارے قلوب آپ ﷺ کی صفات حسنہ سنکر سکینت پاگئے ہیں۔ دوسری طرف آپ ﷺ کے شوق میں جھوم رہے ہیں اور قافلے مست ہیں۔

(۱۷) طیبہ میں صلحائے اُمت نے اپنے کجاوے ڈال دیئے اور ہم دیار مقدس کی ان وادیوں سے محروم ہیں۔

(۱۸) اپنی معصیتوں، اپنی شامتِ اعمال اور کوتاہیوں کی وجہ سے ہم محروم زیارت کردیئے گئے۔ آہ کب وہ وقت آئے گا جب یہ بندۂ مجبور چھوڑا جائیگا اور مدینہ پاک سے ہم قریب ہونگے۔

(۱۹) اپنی کوتاہیوں، اپنے افلاس اور فقر کے ساتھ یارسول اللہ ہم آپ کی طرف بھاگ کر آنا چاہتے ہیں۔

(۲۰) اپنی حرمت کے صدقے میں میرا ہاتھ پکڑیئے، اس دن جب سب سے حساب لیا جائیگا۔ ہم اس دن کے لئے آپ ہی کی شفاعت سے آس لگائے ہوئے ہیں۔

(۲۱) آپ کی مدح کرکے اللہ سے اپنی مغفرت کا طالب ہوں اگرچہ ایسا بندہ ہوں جس سے عمر بھر لغزشیں ہی ہوتی رہی ہیں۔

تصحیح:۔ "کاروانِ ادب" کے دوسرے شمارہ میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کا مقالہ "مگر یہ حرف شیریں ترجماں سے عربی میں تھا، اس کا اردو ترجمہ سید ضیاء الحسن ندوی کے قلم سے تھا، مترجم کا نام سہواً لکھنے سے رہ گیا، اس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔

(ادارہ)

رضوان اللہ
جامعہ نگر۔ نئی دہلی

ادب اور صحافت

ادب اور صحافت کے درمیان خط امتیاز پر بحث پرانی اور ہنوز ناتمام ہے، جوں جوں وقت گذرتا جاتا ہے اور ادب و صحافت دونوں کی نئی نئی اصناف وجود میں آتی جاتی ہیں اُن کے درمیان تنگنائے تنگ تر اور حدیں خلط ملط ہوتی جاتی ہیں۔ ایک طرف الکٹرانک میڈیا ہے۔ جس کی گرفت میں ادب اور روایتی صحافت دونوں ہیں تو دوسری طرف رپورتاژ، سفرنامے، تفتیشی صحافت وغیرہ جو ادبی خلاقیت کی متقاضی ہیں، چنانچہ صحافت ایک پرانی تعریف کے مطابق نہ "عجلت میں تخلیق کیا ہوا ادب" رہ گئی نہ آئینہ خانوں میں بیٹھ کر عالم سرخوشی میں تخلیق کردہ ادب سے کم تر کوئی شئے۔

زندگی کی گوناگونیوں کا جمالیاتی اظہار ادب ہے۔ یہ اظہار داخلی محسوسات یا خارجی محرکات کا نتیجہ ہو سکتا ہے، انفرادی یا اجتماعی تجربات و مشاہدات کا حاصل بھی ہو سکتا ہے زندگی سے اسی قربت کی بنا پر ادب کا قاری اس میں ایک خاص لطف اور حظ محسوس کرتا ہے اور اس کی طرف کھنچا چلا آتا ہے۔ حدود زمان و مکان میں جو ادب قاری کو جتنی دُور تک اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے اسی اعتبار سے اس کے مدارج کی رفعت کا تعین ہوتا ہے۔

صحافت جمالیات سے عاری سرتاسر جلال ہے، صحافت "مملکت کا چوتھا ستون ہے" اس لئے سرور تمکنت سے سرشار ہے، صحافت ذہن ساز ہے اسلئے اپنے قاری کی شکاری ہے، اس کے تعاقب میں رہتی ہے، اُسے ہم خیال بنانے اور اپنے ساتھ لئے چلنے پر مُصر ہے خود زمان و مکان کی سخت حدود و قیود میں ہے، اسی لئے پہاڑی چشمے کی طرح پُرشور اور تیزگام ہے۔

تخلیق کار کے محسوسات کی پیراہن الفاظ میں جلوہ گری کے ساتھ ہی ادب کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے، لیکن صحافت ترسیلی و ابلاغ کے ابتدائی اور بنیادی مقصد کی تکمیل پر قانع نہیں، یہ اپنے قاری پر فکری گرفت مضبوط کرتی ہے۔ صحافت وہ بے قناعت فتنہ ہے اور وہ تیر بے اماں ہے

جو ترکش سے نکلتا ہی ہے نشانوں کی تلاش و تعاقب میں، صحافت کا مقصد اس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک اس کو قاری اور ناظر نہ مل جائیں گویا ادب کیلئے مقصدیت کی شرط نہیں لیکن صحافت کے لئے مقصد شرط اولین ہے، اگر اس تعریف کو دوسری طرف سے دیکھیں اور یوں کہیں کہ جس ادب میں مقصدیت شامل ہوگئی وہ صحافت کی حدوں میں داخل ہوگیا تو ایک بڑی بحث کے در کشادہ ہوجائیں گے اور گذشتہ نصف صدی کے ادب کا معتد بہ حصہ صحافت کے خانے میں آجائے گا۔

اس وقت ایک بات اور بھی قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ ادب اور صحافت کے باہمی تعلق کو سمجھنے کے لئے ادیب اور صحافی کے حوالے سے گفتگو ناگزیر ہے، ایسی شخصیات ہمارے سامنے ہیں جن کی دونوں حیثیتیں مسلّم ہیں۔ مثال کے طور پر مولانا آزاد جب اپنے خطوط میں اپنی گرفتاری اور نظر بندی کے احوال و کوائف بیان کرتے ہیں تو ان کی عبارت اچھی خاصی صحافت ہوتی ہے لیکن قلعۂ احمد نگر سے لکھے ہوئے دیگر خطوط ادب پاروں کا مرقع ہیں۔ "غبار خاطر" میں سب یکجا ہیں۔ اسی طرح مرزا غالب کے خطوط ادب عالیہ کا نمونہ ہیں، بلکہ ادب میں مراسلہ نگاری کی ایک صنف کا اضافہ ہیں لیکن ان کے ایسے خطوط بھی ہیں جن میں غدر کے زمانے کے حالات و واقعات تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں یا جن خطوط میں بازار میں دستیاب اشیائے صرف کا نرخ نامہ درج ہے ان کو اچھی خاصی صحافت قرار دیا جاسکتا ہے، ان دونوں مثالی شخصیات کے درمیان کوئی نصف صدی کا فاصلہ ہے لیکن ان کے علاوہ بھی درخشندہ ستاروں کی ایک کہکشاں ہے جس سے ادب و صحافت کے آفاق یکساں منور ہیں، انکی تفصیلات میں جانے کا یہ موقع نہیں۔

بہر حال ادب اور صحافت دونوں کی پہنائیاں لامحدود و لامتناہی ہیں، دونوں انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط۔ انسان کے معاشرتی اور غیر معاشرتی رویوں سے بھی دونوں نبرد آزما۔ ایسے میں ان کے باہمی تعلق یا درمیانی حدِ فاصل کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ ادب جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے داخلی تحریکات یا خارجی محرکات کا نتیجہ ہے، جبکہ صحافت ان دونوں حالتوں کے علاوہ ایک جبری کیفیت کی پیداوار بھی ہوسکتی ہے، کبھی کبھی حالات و واقعات اس

طرح صحافی کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں کہ وہ اپنی مرضی کے تابع نہیں رہ جاتا، اس کو فوراً حرکت میں آنا پڑتا ہے، اس کے لئے دن رات، زمان و مکان، صحت و عدم صحت، فرصت عدم فرصت، غرضیکہ کسی حالت یا کیفیت کے کسی عذر کی گنجائش نہیں۔ کسی کالم نگار یا اداریہ نگار سے پوچھئے کہ اُسے کیسے کیسے حالات میں وقت معین پر اپنا کالم لکھنا پڑا ہے، یہ حالات کا جبر نہیں تو اور کیا ہے، ادیب ایسے کسی جبر سے آزاد ہوتا ہے، ادب جبر کی پیداوار نہیں ہوتا، یہ ایک معنیٰ کہ ادب کی تخلیق جبراً نہیں ہوا کرتی۔ ادب اپنی فطرت کے عین مطابق جبر کو جائز نہیں سمجھتا، جبکہ ترغیب سے لے کر تلقین تک جبر کی مختلف شکلیں صحافت کی سرشت میں شامل ہیں۔

موجودہ تحریر کی محرک دراصل یہ خبر ہے کہ سال گذشتہ کے دوران کوئی ستّر صحافی اپنی پیشہ وارانہ مصروفیات کے سلسلے میں جاں بحق ہو گئے، بس ادیب اور صحافی کا فرق یہیں پر واضح ہو جاتا ہے، ادیب ساحل کا تماشائی ہے جس پر سمندر کا سکوت ایک طرح اثر انداز ہوتا ہے تو اس کا تموّج دوسری طرح لیکن وہ سمندر میں ڈوبتے ہوئے کسی جہاز کی آخری منظر کشی کیلئے وہاں دوڑ نہیں پڑتا، نہ کسی آتش بازی کا منظر قید کرنے کے لئے آتش نمرود میں کود پڑتا ہے، یہ کام صرف صحافی کا ہے۔ ایک ساحل کا تماشائی ہے تو دوسرا بحر بیکراں میں تلاطم کا حریف۔

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

تاریخ کی زیادہ ورق گردانی کی ضرورت نہیں۔ ویٹ نام سے فلسطین تک ادب نے نہ جانے کتنے مرثیئے ڈھالے، نہ جانے کتنے نعرے تراشے، قراقرم سے خلیج فارس اور افریقہ کے تاریک براعظم تک بے شمار واقعات پر خون کے آنسو بہائے لیکن ہر تحریک کے لئے خام مال یا محرکات فراہم کرنے والے صحافت کے وہ علمبردار تھے جو جان ہتھیلی پر لئے ان تمام آتشباریوں میں مارے مارے پھرے جو ویٹ نام میں، فلسطین میں، خلیج میں، بوسینا اور افغانستان یا اجودھیا کے سانحۂ عظیم میں برپا تھیں۔

ادب سہل اندیش "محو تماشائے لب بام" ہے۔ صحافت "بے خطر آتش نمرود میں کود پڑنے" والا جذبۂ صادق'۔ ادب مآل اندیش اور حیلہ ساز۔ صحافت بے لوث، بے لاگ، اور بے نیاز۔ ابھی حال کی بات ہے ایک امریکی اخبار کا نامہ نگار کئی سال دہلی میں قیام کے بعد

امریکہ واپس جانے لگا تو کسی نے اس سے پوچھ لیا کہ کیا پھر ہندوستان آنے کی کوشش کریں گے؟ اس نے صاف جواب دیا "نہیں" کبھی نہیں۔

اس انکار سے زیادہ حیرت خیز اس انکار کی وجہ ہے جو اس نے بیان کی۔ اس نے کہا کہ ہندوستان کے لوگ بڑے محبتی ہیں۔ مجھے بھی ان سے محبت ہو گئی ہے، ان کے درمیان رہ کر میں اپنے پیشے کی بے لاگ خدمت نہیں کر سکوں گا، اس لئے مجھے یہاں نہیں رہنا چاہئے۔

ادب اپنے تخلیق کار کا وفادار جسے وہ حیات جاوید عطا کرتا ہے، اپنی مدھم اور دودھیا روشنی میں قاری کو آہستہ خرام لئے چلتا ہے۔ صحافت وہ برق و رعد جو آناً فاناً راہیں روشن کر کے آنکھیں چکاچوند کر کے دلوں کو دہلا کر روپوش ہو جائے۔ اپنے تخلیق کار کے ساتھ بھی صحافت کی وفاداری لمحاتی ہوتی ہے، یہ بے مہر و بے وفا ہے جو دن دو دن بعد اپنے خالق کی طرف پلٹ کر نہیں دیکھتی۔

ادب قدیم ہے، انسان نے جب پڑھنا لکھنا سیکھا اس سے پہلے ادب وجود میں آچکا تھا اور سینہ بہ سینہ منتقل ہو رہا تھا، جب کہ صحافت کی ابتدائی تاریخ کو بہت طول دیا جائے تو بھی پانچ صدی سے زیادہ دُور تک نہیں جاتی، ادب زندگی کے تلخ سے تلخ حقائق کو بھی اشارے، کنائے اور استعارے کے ایسے لباس زیبا عطا کرتا ہے جو کسی گرانی کا احساس دلائے بغیر دل و دماغ کی گہرائیوں میں اتر جاتے ہیں، جبکہ صحافت کھردری حقیقتوں کو بعینہ بیان کرنے کا دوسرا نام ہے، تہذیب انسانی کی مشاطگی روز اوّل سے ادب کا وظیفہ رہا ہے، لیکن صحافت نے انداز جہانبانی سے ابتدا کی اور ایک پیشہ میں مبدل ہو گئی۔

ادب اپنی محمل نشینی کے باوجود آزاد اور بے لگام ...... قلم صحافت اپنے تمام ادعائے آزادی اور دشت پیمائی کے باوجود پنجۂ اغیار کا شکار، اس کی قسمت کا مالک کوئی اجارہ دار۔ حیف! صد حیف!

زہرا منظور الٰہی

شعر و ادب

(افسانہ)

تنکے

ہسپتال میں اپنے کمرے میں داخل ہوکر میں کام شروع کرنے کی تیاری کر رہی تھی کہ دروازے کے پیچھے سے ایک سہمی سی آواز سُنائی دی۔

"میں اندر آجاؤں"۔ اس کے ساتھ ہی ایک پریشان حال لڑکی داخل ہوئی۔ دیکھنے میں بمشکل اٹھارہ اُنیس سال کی لگتی تھی۔ ایک چھوٹا سا رقعہ میری طرف بڑھاتے ہوئے بولی "مجھے میٹرن صاحبہ نے بھجوایا ہے"۔

میٹرن نے دو روز پہلے مجھے فون پر بتایا تھا کہ دل کا ایک مریض ہسپتال داخل ہوتے ہی دم توڑ گیا ہے۔ چار بچے ہیں، بیوی کی حالت بہت خراب ہے۔ مشکلات میں گھری ہے۔ بیرکو آپ کے پاس بھجوادوں گی۔ بیوہ کا نام سکینہ ہے۔

"بی بی آپ کی ماں کہاں ہے۔ اُس کو آنا تھا میرے پاس"۔ میں نے پوچھا۔

جی۔ جی میری ماں تو گھر میں ہے۔ چل نہیں سکتی۔ میٹرن صاحبہ نے مجھے آنے کو کہا تھا۔

"تو تم۔ تم سکینہ ہو۔ وہ دل کا مریض . . . . .

"جی وہ میرا گھر والا تھا"۔ جذبات سے عاری وہ میرے سوالوں کا جواب مشین کی طرح دے رہی تھی۔

"تمھارے چار بچے ہیں؟"۔

"جی دو لڑکیاں۔ دو لڑکے"۔

"بیٹھ جاؤ"۔ میں حیران و پریشان اُس کی صورت دیکھ رہی تھی۔ شاید اُس کے جسم کی ساخت ایسی تھی۔ بہت ہی کم عمر دکھائی دیتی تھی۔

میں نے فارم پُر کرنا شروع کیا۔

"کیا عمر ہے تمھاری۔؟"

"جی معلوم نہیں ۔"

"شادی کب ہوئی تھی۔؟"

"جی یاد نہیں ۔"

دروازہ کھٹ سے کھلا۔ "میں اندر آجاؤں ۔ میں اس کا سسر ہوں ۔" جواب کا انتظار کئے بغیر وہ شخص ساتھ والی کرسی پر آن بیٹھا۔ اور میری طرف یوں دیکھنے لگا کہ اب پوچھو جو پوچھنا ہے۔

کچھ ان دونوں کی مدد سے کچھ اندازے سے فارم پُر کرلیا گیا۔ بچوں کی عمر چھ، چار، تین اور ڈیڑھ سال۔ بیوہ کی اہلیت والا خانہ خالی۔ رہنے کا دو کمروں کا مکان شوہر کا جس میں سسر۔ اس کی دو بیٹیاں۔ دو بیٹے ساتھ رہ رہے تھے۔ آمدنی کا ذریعہ سسر کے رحم و کرم پر۔

میں نے اس کی فائیل بند کرکے رکھ دی۔

اگلی مرتبہ آئی۔ سسر ساتھ تھا۔

وہ روئے جارہی تھی۔ عشرت اور گڈو اُسے دلاسہ دے رہی تھیں۔ اُس کے لئے ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

جاتے ہوئے اُس کا سسر اُٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اُس کی آنکھ بچا کر میرے نزدیک آگئی۔ "مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے ۔"

"کہو ۔" میں نے کہا۔

اُس نے لپک کر دروازہ بند کر دیا۔ کرسی پر گُم سُم بیٹھ گئی۔

"کہو سکینہ کیا بات ہے ۔"

"آپ میری مدد کرسکیں گی ۔"

"ہم اسی کوشش میں ہیں بیٹا۔ تم کہو تو سہی کیا بات ہے ۔"

"میں بہت مشکل میں ہوں۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کیا کروں ۔"

میں نے اُسے دلاسہ دیا۔

"میرے کچھ دن اوپر ہو گئے ہیں"۔ وہ بالآخر سہمی ہوئی بولی۔ "میرا خیال ہے میرے بچہ ہونے والا ہے۔ میں کیا کروں بتائیں۔ میں کیا کروں۔ میرے لئے یہ چار پالنے مشکل ہو رہے ہیں"۔ یہ کہہ کر پھر رونے لگی۔

"میں نے کسی کو نہیں بتایا۔ محلّے کی دائی کی منّت کی تھی۔ اُس نے پینے کی دوائی دے دی تھی۔ اُس سے بھی کچھ نہیں ہوا۔ آپ میرا آپریشن کروا دیں"۔ وہ ہاتھ جوڑنے لگی۔ اُس کی پریشانی دیکھی نہیں جاتی تھی۔

اُس کے جانے کے بعد طویل بحث ہوتی رہی۔ اُس کے لئے کیا کیا جائے۔ متعلقہ ڈاکٹروں سے مشورہ کیا گیا۔ طے پایا کہ سکینہ کی دیکھ بھال کی جائے۔ بچہ کسی بے اولاد کو دے دیا جائے۔ یہ میں پہلے بھی سُن چکی تھی کہ ایسی تنظیمیں موجود ہیں جہاں خواہش مند حضرات اپنا نام درج کروا جاتے ہیں۔ یہ لوگ لے پالک کے خاندان کی کفالت بھی کرتے ہیں۔

سکینہ کو یہ سب باتیں سمجھا دی گئیں۔ اُس کا ماہانہ طے ہو گیا۔ دیکھنے سُننے والوں نے تحفے بھجوائے۔ کچھ رقم بھی اس کے لئے جمع ہو گئی۔ وہ بظاہر مطمئن نظر آنے لگی۔ شب و روز کی چکی میں پسنے والوں کے یہاں لمبی سوچ کی گنجائش کہاں ہوتی ہے۔ صبح کو شام کی فکر۔ رات سے دن تک کا جینا۔ وہ اپنے مسائل میں گم ہو گئی۔

کچھ مہینے گزرے ہوں گے۔ بڑے میاں سکینہ کا کارڈ لے کر آ گیا۔ "سکینہ نہیں آسکتی اُس کا ماہانہ لینے کے لئے آیا ہوں۔ اُس کی طبیعت اچھی نہیں"۔

"یہ تو نہیں ہو سکتا۔ اُس کے لئے تو اُسے خود ہی آنا پڑے گا۔ سکینہ کو کیا ہو گیا؟" سب کو تشویش ہوئی۔

"اُسے جا کر دیکھ آتے ہیں"۔ لڑکیوں نے کہا۔ تو وہ گھبرا گیا۔

"نہیں نہیں ایسی بھی تکلیف نہیں ہے۔ کمزور ہے نا۔ پھر اس حال میں بھی ہے۔ آپ تکلیف نہ کریں۔ اچھی ہو جائے گی تو خود ہی آئے گی آپ کے پاس"۔ اور وہ اُٹھ کر چلا گیا۔

سکینہ کچھ ہی دنوں کے بعد آ گئی۔ اُس نے بتایا کہ اس کے سُسر نے مکان کے کاغذات پہ دستخط کرنے کو کہا تھا۔ "جب تمام بوجھ مجھے ہی اُٹھانا ہے تو یہ کاغذات بھی میرے نام پر ہی ہونے

چاہئیں۔ دیکھ بھال کے لئے ضروری ہے۔" میں نے ٹالنا چاہا تو وہ ناراض ہو گئے۔ ساتھ ہی مجھے یہ بھی سُنا دیا کہ بیبیوں کے پاس بھی تم نہیں جاؤ گی۔ مناسب نہیں۔ کارڈ مجھے دے دو۔ میں نے کارڈ دے دیا تھا آج صبح غصّے میں میرے آگے پھینک گئے۔ کہہ رہے تھے" انھیں مجھ پر اعتبار نہیں تو خود ہی جا۔" اُن کا خیال ہے میں نے آپ لوگوں کے مشورے سے کاغذات پر دستخط کرنے سے انکار کیا ہے۔

"خیر تم کسی قسم کے کاغذات پر دستخط نہ کرنا۔"

مگر اُس کے دستخط کی ضرورت ہی نہیں پڑی چند ہی دنوں میں بڑے میاں نے وہ مکان نہ جانے کیسے بیچ دیا۔ خود دوسری جگہ منتقل ہو گیا۔ چار سو روپیہ سکینہ کے ہاتھ میں دے کر کہا۔ "ماں کے پاس چلی جا۔" سکینہ ماں کے پاس ایک کوٹھری میں اپنے چار بچوں سمیت جا بیٹھی۔

جس دن اُس نے یہ سب سُنایا بہت پریشان تھی۔ "میرا گذارہ کیسے ہوگا۔ اِس حالت میں مَیں کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ چھوٹا بچہ بھی تو ذرا سا ہے۔ پھر اِس بد نصیب کو بھی دنیا میں آنا تھا۔ باپ کی شکل نہیں دیکھی۔ پہلے مشکلات کیا کم تھیں۔" وہ آج پھر جی بھر کر روئی۔

"سکینہ تم اِس بچّے کی فکر نہ کرو۔" میں نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی "تم یہ سمجھو اِس کے آنے سے تمھارے حالات بہتر ہو جائیں گے۔ جن لوگوں سے بات کر رہے ہیں وہ بہت خواہش مند ہیں۔ وہ تمھارے لئے بہت کچھ کرنا چاہتے ہیں بچے کی زندگی سنور جائے گی انشاءاللہ۔"

"مجھے کچھ نہیں چاہیئے جی۔ وہ اِسے لے جائیں۔ مجھ سے نہیں پالا جائے گا۔ میں محنت مزدوری کر لوں گی۔" اُس دن سکینہ بہت ہی دل گرفتہ تھی۔ روتی روتی اُٹھ کر چلی گئی۔

روبی اپنی ایک سہیلی کو ساتھ لئے میرے پاس بچّے کی جستجو میں آئی تھی۔

"میری شادی کو بارہ سال ہو چکے ہیں۔ میرا بچہ نہیں ہے۔ لے کر پالنا چاہتی ہوں۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں۔ اُسے بہت اچھی طرح رکھوں گی۔"

اُس کی سہیلی نے مجھے بتایا کہ کچھ عرصہ قبل پنڈی سے یہاں آئی ہے۔ نیا گھر بنایا ہے۔ اُس میں بچے کا کمرہ بڑے پیار سے نہایت قیمتی سامان کے ساتھ آراستہ کیا ہے۔ ضرورت کی ہر چھوٹی بڑی

چیز موجود ہے۔ دودھ کی بوتلیں، نپل، نیپکین، کھلونے ہر چیز اپنی جگہ پر دھری ہے۔" یوں لگتا ہے جیسے بچہ سیر کے لئے گیا ہو۔ آنے ہی والا ہو۔ آپ چل کر دیکھیں یہ ہر روز اُس کمرے کی صفائی اپنے ہاتھ سے کرتی ہے۔

روبی کی آنکھوں میں سُرخ ڈورے اُبھر آئے۔" میرے میاں بھی آنا چاہتے تھے وہ ہر قسم کی گارنٹی دینے کو تیار ہیں۔ وہ بیوہ ہے۔ اپنا بچہ ہمیں دے گی ہم اُس کے باقی بچّوں کی آپ جیسے کہیں گی مدد کریں گے۔"

" میں اُس سے بات کروں گی۔"

" کب ہوگا اُس کا بچہ کتنی دیر ہے۔" روبی کی بے چینی چھپائے نہیں چُھپتی تھی۔

" بس یہی مہینہ ہے۔"

" وہ دے دے گی نا۔"

" خدا کے لئے روبی تمھیں کیا ہو گیا ہے۔" اُس کی سہیلی نے ڈانٹا۔" کیوں نہیں دے گی اُس کے لئے پہلے چار بچے پالنے مشکل ہوں گے۔ تم بہت وہمی ہو گئی ہو۔"

" پنڈی میں میرے ساتھ ایک مرتبہ جو ہو چکا ہے۔ تمھیں معلوم ہی ہے۔ پھر بھی کہہ دیتی ہو میں وہمی ہو گئی ہوں۔"

" کیا ہوا تھا پنڈی میں۔؟" میں نے اُس کی سہیلی سے پوچھا۔

" یہ دونوں پگلے ہیں جی۔ سڑک پر پھرتی ایک بھکارن کے بچہ ہونے والا تھا۔ اُس نے اِنھیں بچہ دینے کا وعدہ کر لیا۔ اُسے گھر لے آئے۔ دو تین مہینے اُسے کھلاتے پلاتے رہے۔ خوب خاطر خدمت کی۔ اِسی طرح کمرہ وہاں سجا کر بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ جشن منانے کی تیاری بھی مکمل تھی۔ اُس کے بچہ ہوا تو دینے سے انکاری ہو گئی۔ دوسری رات بچے سمیت غائب ہو گئی۔ دونوں میاں بیوی ایسے پریشان ہوئے کہ شہر چھوڑ کر بھاگ آئے۔ بچے کے کمرے کا قیمتی سامان سہیلیوں میں بانٹ دیا۔ شکر ہے یہاں بھی کاروبار تھا۔ تین سال ہو گئے ہیں۔ نیا گھر بنایا ہے۔ اب پھر بچے کی دُھن سوار ہو گئی ہے۔ آپ کمرہ چل کر دیکھیں۔

مجھے اپنے مالی کی بات یاد آ گئی۔ میری کھڑکی کے باہر چڑیوں نے تنکوں کا ڈھیر لگا دیا تھا۔

ایک خاص موسم میں یہ ننھی سی جان ممتا کی تسکین کی خاطر ماری ماری پھرتی، ذرا سا راستہ مل جائے تو اندر گھس کر دیواروں سے ٹکّریں مارتی۔ ذرا سا کونہ کہیں خالی مل جائے تو تنکے جمع کرنے شروع کر دیتی۔ ہر تیسرے چوتھے دن مجھے مالی کو کہہ کر اٹھوانا پڑتا۔ کھڑکی کھولنی مشکل ہو جاتی۔

ایک مرتبہ جب مالی کو یاد دلانے کے باوجود کھڑکی صاف نہ ہوئی تو میں نے اسے بُلایا۔

"ابھی ہٹا دو" میں نے کہا۔ "پھر کام میں بھول جاؤ گے۔"

"میں بھولا نہیں ہوں جی میں نہیں ہٹاؤں گا۔ یہ تنکوں کا ڈھیر نہیں ہے اب۔"

کیا مطلب ہے میں سمجھی نہیں۔"

"اب وہ گھونسلہ بن گیا ہے۔ اُس میں انڈے پڑے ہیں۔ اب یہ ظلم مجھ سے نہیں ہوگا۔"

روبی نے بھی بڑے پیار سے ایک ایک تنکا چُن کر جمع کیا تھا۔ اُسے گھونسلہ بنانے کے لئے تڑپ رہی تھی۔ میں نے اُسے تسلی دی۔

"ایک وعدہ کریں" وہ جاتے جاتے بولی۔ "آپ سب سے پہلے بچّے کی آمد کی اطلاع مجھے دیں گی۔"

وہ مجھ سے وعدہ لے کر چلی گئی۔ مگر ہر دوسرے روز اس کا فون آجاتا۔

سکینہ اپنے مسائل میں ایسے گم تھی کہ شب و روز کا شمار بھول گئی۔ ایک روز میرے پاس آئی تو بات کرتے کرتے رُک گئی۔ کرسی کی پُشت کو اپنی مٹھیوں میں لے کر زور سے دبایا۔ اُس کی رنگت اُڑ رہی تھی۔

"کیا ہوا سکینہ کیا بات ہے۔" میں نے پوچھا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

"میرا وقت نزدیک ہے ماں جی۔ مجھے رات سے تکلیف ہے۔"

"تم ہسپتال کیوں نہیں گئیں۔؟"

"گئی تھی جی وہاں تو کوئی بات ہی نہیں سُنتا۔ یہ کہتے کہتے کرسی کے بازوؤں پر اس کی گرفت پھر سخت ہو گئی۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے دیکھ کر میں نے جلدی سے کاغذات سمیٹ کر لڑکیوں کے حوالے کئے۔ اُسے گاڑی میں بٹھا کر ہسپتال پہنچے، ڈاکٹر سے بات کی اُس نے بہت

تسلی دی۔

"آپ فکر نہ کریں"۔ اُس نے کہا۔ "دوپہر تک میری ڈیوٹی ہے۔ آپ جائیں میں دوسری ڈاکٹر کو کہہ کر جاؤں گی"۔ وہ بے حد ہمدردی سے پیش آئی۔ میں ڈیوٹی پر نرس کو اپنا فون نمبر دے کر گھر آ گئی۔

وہاں سے کوئی فون نہیں آیا۔ شام کو میں نے دریافت کرنا چاہا۔ کسی کو کچھ معلوم نہ تھا۔

"ہمارے یہاں اِس نام کی کوئی مریضہ نہیں ہے۔ اُسے گھر بھجوا دیا ہوگا۔"

"مگر ڈاکٹر نے تو اُسے داخل کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اُس کا گھر دور ہے۔ ناوقت ہوا تو کس طرح پہنچ سکے گی۔"

"میڈم ہمارے پاس فالتو بستر نہیں ہیں"۔ فون بند ہو گیا۔

اُس کے بعد وہاں سے کوئی اطلاع نہیں آئی، ایک ہفتہ گزر گیا۔ میں کام میں مصروف تھی کہ سکینہ کی آواز آئی "السلام علیکم ماں جی!"۔ وہ سامنے کھڑی تھی۔

"کیا ہوا سکینہ تم نے مجھے اطلاع نہیں دی"۔ میری نظریں اُس کے وجود پر پڑیں۔ "ہسپتال والوں نے بھی مجھے نہیں بتایا"۔

"جی اُن کا خیال تھا ابھی دیر ہے۔ آپ کے جانے کے بعد انھوں نے مجھے گھر بھیج دیا تھا۔ وہ تو جی اُسی شام کو دائی کو بلانا پڑا"۔

"تم نے فون ہی کر دیا ہوتا۔ بچہ ٹھیک ہے نا۔ کیا ہے۔ لڑکا یا لڑکی۔؟" میں سوال کیے جا رہی تھی۔

"جی لڑکا اور لڑکی"۔ وہ آہستہ سے بولی۔

"کیا کہا! کیا ہے؟"۔

"جی دو"۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔ "ایک لڑکا۔ ایک لڑکی"۔

"میرے خدا"۔ میرے منھ سے نکلا۔ انجانے طور پر میری آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں۔

روبی کے فون مسلسل آتے رہتے تھے۔ میں نے جس دن اُسے سکینہ کے جڑواں بچوں کا بتایا تو کچھ پریشان سی ہو گئی۔ ایک بچہ دینے سے سکینہ کا مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ میں اِسی سوچ میں تھی کہ شام

کو اُس کا دوبارہ فون آیا۔

"میں نے میاں سے بات کی ہے۔ وہ کہتے ہیں ہم دونوں لے لیں گے۔ دیکھیں نا بچے کو بھی ساتھی مل جائے گا۔ وہ بھی اُس کا سگا بہن بھائی۔ ہمیں بھی بیٹا اور بیٹی دونوں۔ ہماری فیملی مکمل ہو جائے گی۔ میں کل ہی جا کر دوسرا پلنگ بنوانے کو دے آؤں گی۔ آپ ہمیں بتا دیں ہمیں سکینہ کو کیا دینا چاہیئے۔ آپ فکر نہ کریں ہم آئندہ بھی اُس کا خیال رکھیں گے۔ اس کا بہت احسان ہوگا ہم پر۔ بچے کب مل جائیں گے۔ کل شام کو میاں کو ساتھ لے آؤں؟ آپ اُن سے مل لیں۔" وہ میرے جواب کا انتظار کئے بغیر بے تکان بولے جا رہی تھی۔

"روبی میری طبیعت اچھی نہیں ہے۔ مجھے کل شام کو ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔" میں نے بتایا۔

"تو کوئی بات نہیں۔ ہم پرسوں صبح آ جائیں گے۔ وہ ایک دن کام پر نہیں جائیں گے"۔ وہ آنے پر مُصر تھی۔

میری کئی دنوں سے طبیعت اچھی نہیں تھی۔ دوسری شام ڈاکٹر کے پاس گئی تو اُس نے تین ہفتے کے لئے مکمل آرام کی ہدایت کی۔ مجھے یہ تکلیف پہلے بھی رہ چکی تھی۔ بستر سے اُٹھنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ مجھے لٹا دیا گیا۔ ہلنے جلنے کی ممانعت تھی۔

روبی مجھے دیکھنے آئی۔ وہ میری بیماری پر مجھ سے زیادہ پریشان تھی۔ میں نے اُسے تسلی دی سکینہ کو بُلوانے کے لئے دونوں لڑکیوں کو بھیج دیا۔ وہ پریشان واپس آئیں۔ اُس کے حالات ہی کچھ ایسے تھے۔

"بچے بہت کمزور ہیں"۔ انھوں نے مجھے بتایا۔ "خود برسوں کی بیمار دکھائی دیتی ہے۔ روئے جا رہی تھی۔ ہم نے پوچھنے کی بہت کوشش کی اُس نے پریشانی کی کوئی وجہ نہیں بتائی"۔ اِن دونوں لڑکیوں نے دکھ درد بانٹنا سیکھ لیا تھا۔ "آتے ہوئے اتنا کہا کہ آپ سے بات کرے گی۔ آ نہیں سکتی۔ آج کل بالکل اکیلی ہے۔ بچوں کو چھوڑ نہیں سکتی"۔

تین ہفتوں میں روبی کا کئی دفعہ فون آیا۔

پھر میں سکینہ کے گھر گئی۔

اُس دن بہت زور کی آندھی چل رہی تھی۔ گاڑی ہوا کے بگولوں کے ساتھ اُڑتی معلوم ہوتی تھی۔ سکینہ کے گھر کی طرف جاتے ہوئے میں سوچ رہی تھی۔ سکینہ کے دو بچے گدڑی میں سے نکل کر سجے سجائے گھر میں جا بسیں گے۔

گاڑی چھوٹی چھوٹی گلیوں میں سے گذرتی ہوئی سکینہ کے گھر کے باہر جا رکی۔ ٹوٹا ہوا ٹاٹ دروازے کی جگہ لٹک رہا تھا۔ تنگ گلی میں جگہ جگہ کوڑے کے ڈھیر لگے تھے۔ کھلی نالیاں، ننگے بچے، ہنستے چہرے، بہتے ناک، میلی آنکھیں! میں ٹاٹ کو ایک طرف ہٹا کر اندر داخل ہوئی تو سکینہ چھوٹے سے کچے پکے صحن میں نل پر جھکی پانی بھر رہی تھی۔ سامنے کوٹھری کے دروازے میں اُس کی دو سال کی بچی میلی ٹھیکرے جیسی تھالی ہاتھ میں لئے، چہرے اور تھالی پر بھنبھناتی مکھیوں سے بے نیاز نہ جانے کیا کھا رہی تھی۔

"سکینہ!"۔ میں نے آہستہ سے آواز دی۔

وہ چونکی، مڑکر میری طرف دیکھا۔ پانی کی بالٹی وہیں چھوڑ کر کوٹھری کی طرف بھاگی، دروازے میں بیٹھی بچی کے اوپر سے چھلانگ لگا کر اندر چلی گئی۔

میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ میں اُس کے پیچھے گئی۔ اندر چھوٹی سی کوٹھری میں ٹین کی چھوٹی بڑی پیٹیاں۔ دو کھڑی چارپائیوں پر میلے کپڑے۔ ایک بچھی چارپائی پر بوسیدہ بستروں کا ڈھیر۔ نیچے چھوٹے بڑے کنستر۔ بکھرے برتن۔ ان سب کے درمیان بان کی بُنی ہوئی ڈھیلی سی پیڑھ پر دو بچے اس طرح پڑے ہوئے تھے کہ سر۔ دھڑ۔ ٹانگیں سب گڈمڈ ہو رہی تھیں۔

میں بمشکل اُن کی ایک جھلک ہی دیکھ سکی کیونکہ میرے دیکھتے دیکھتے سکینہ بھاگ کر اُن کے اوپر دوہری ہو کر اس طرح گری کہ اپنا سارا وجود اُس کھاٹ پر پھیلا دیا۔ اور مڑکر دیکھے بغیر چلائی۔ "نہیں نہیں یہ میرے ہیں۔ یہ میرے ہیں، انھیں کوئی نہیں لے جا سکتا۔ میں نہیں دوں گی یہ میرے بچے ہیں"۔ وہ خوف زدہ آواز میں پکار رہی تھی۔

"سکینہ!"۔ میں نے جھک کر اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں، میں نہیں دوں گی"۔

"مگر بات تو سنو سکینہ تمھاری مرضی کے بغیر تو"۔ . . . . اُس نے میرا ہاتھ جھٹک دیا۔ "بس آپ

کچھ نہ کہیں۔ میں نے کچھ نہیں سُننا۔ میں نے نہیں دینے یہ میرے ہیں۔"

میں مُجرموں کی طرح دروازے میں کھڑی تھی۔ چند لمحوں بعد مُڑکر باہر نکل آئی۔

گاڑی گلیوں میں سے نکل کر شاہراہ پر فرّاٹے بھرنے لگی۔ آندھی ابھی چل رہی تھی۔ رفتار توڑ پر گاڑی زوردار جھٹکے کے ساتھ گزر گئی۔ سڑک کے کنارے فقیر کے ٹھکانے پر مٹی کے بگولے چکر کاٹ رہے تھے۔ وہ وہاں نہیں تھا۔ مگر اُس کی صدا فضا میں رچی بسی تھی۔

"تو دیکھی جا مولا دے رنگ"

حیرت وحسرت کے اِس پیغام سے میرے ذہن میں گھنٹیاں بجنے لگیں۔ گھنٹیاں بے بسی کی۔ لاچاری کی۔ . . . . اُس کی رضا کے سامنے انسانی تدبیر کے گھروندے کس طرح مسمار ہوتے ہیں۔ جیسے شاہ دریاؤں میں خس وخاشاک بہہ جائیں۔ فضا میں چاروں طرف سوکھے پتے اور تنکے اُڑ رہے تھے۔ تنکے جو گھونسلے نہ بن سکے۔

زینب نے بچے جنے۔ ماں بننا مقسوم نہ تھا۔ ظالموں نے اُس کا آشیانہ نوچ پھینکا، وہ تنکوں کے ڈھیر پر بیٹھی روتی رہی۔

سکینہ کا گھونسلہ بچوں سے بھرا تھا، وہ انھیں اپنے کٹے پَروں تلے لئے بیٹھی تھی۔ دانہ کہاں سے آئے گا؟ وہ کیسے جئیں گے؟۔ وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ آنکھیں موندے بیٹھی تھی، بس ممتا جاگ رہی تھی۔

ادھر ممتا کی تسکین کے لئے روبی بچے کی بھیک مانگ رہی تھی۔

اُسے یہ خبر کون اور کس طرح دے گا کہ اس کے محنت سے جمع کئے ہوئے تنکے ایک بار پھر بکھر گئے ہیں۔ اُسے کون کہے گا کہ صبر کرے۔ اُسے کون سمجھائے گا کہ باغ کا مالی بڑی مرضی والا ہے۔!

فضا ابن فیضی

شعلۂ نم خوردہ

ہر گلی سونی ہے، ہر موڑ پر سنّاٹا ہے
کوئی جنبش، کوئی آہٹ، کوئی جھنکار نہیں
زندگی ہے کہ کوئی مرحلۂ بے خبری
وقت خود اپنے تقاضوں سے خبردار نہیں
جس پہ اس دَور کے اقدار کو پرکھا جائے
کوئی ایسا نظر و فکر کا معیار نہیں
کون ایسے میں کرے رسمِ جنوں کی تہذیب
حسن چالاک نہیں، آرزو ہشیار نہیں
شمع بن کر فقط اک رات کی خاطر ہی جلے
کوئی پروانہ بھی اس بات پہ تیار نہیں

عشق مایوس ہے، آہنگِ تمنا چپ ہے
دل ہے خاموش، نگاہوں کا سویرا چپ ہے
سوگئی انجمنِ شوخی و شادابی و رنگ
سر بزانو ہے جنوں، ساز کا نغما چپ ہے
زخم ہی زخم ہے احساس کا سرمایہ تمام
نیشتر ہنستے ہیں، مرہم کا تقاضا چپ ہے
لوگ ہیں اپنی ہی صاحب نظری کے قاتل
روح زخمی ہے، بصیرت کا کرشما چپ ہے
یہ مرے عہد کی صبحوں کا الم ناک سکوت
جلوۂ و نور کا بہتا ہوا دریا چپ ہے
اپنے ماحول سے کوئی بھی خبردار نہیں
دھوپ آنگن میں ہے، دیوار کا سایا چپ ہے

کسی صورت یہ خموشی کا فسوں تو ٹوٹے
دوستو! ربط و مضراب کی باتیں چھیڑو
تلخیٔ زہر میں ڈوبے ہوئے ہیں ذہن و شعور
بزمِ نوشینۂ و نوشاب کی باتیں چھیڑو
داستانِ خزف و سنگ سے نے کھلی ہے زباں
اک ذرا اطلس و کمخواب کی باتیں چھیڑو
تا بہ کے بیٹھے، اندھیروں کو دکھاؤ گے چراغ
وقت کی صبحِ افق تاب کی باتیں چھیڑو

قندِ مکرر

جگر مرادآبادیؒ

غزل

یہ مصرع کاش نقشِ ہر در و دیوار ہو جائے
جسے جینا ہو مرنے کے لئے تیار ہو جائے

سنا ہے حشر میں ہر آنکھ اُسے بے پردہ دیکھے گی
مجھے ڈر ہے، نہ توہینِ جمالِ یار ہو جائے

حریم ناز میں اس کی رسائی ہو تو کیوں کر ہو
کہ جو آسودہ زیرِ سایۂ دیوار ہو جائے

یہی ہے زندگی تو زندگی سے خودکشی اچھی
کہ انساں عالمِ انسانیت پر بار ہو جائے

اک ایسی شان پیدا کر کہ باطل تھرتھرا اٹھے
نظر تلوار بن جائے نفس جھنکار ہو جائے

یہ روز و شب، یہ صبح و شام، یہ بستی یہ ویرانہ
سبھی بیدار ہیں، انساں اگر بیدار ہو جائے

ذوق وآرزو کا پیام

"اقبالؒ کو اپنے کلام و پیام کی اہمیت کا اندازہ ہے، اس لئے وہ کہتے ہیں کہ بادِ صبا خس و خاشاک کی پرورش کرتی ہے، لیکن میری مسیحا نفسی دلوں کے لئے ذوق و آرزو کا پیام ہے، اور یہ اثر و نفوذ اس لئے ہے کہ میری نواؤں میں خونِ دل و جگر شامل ہے، اور میری رگِ نے میں میرا لہو رواں دواں ہے۔"

(مولانا ابوالحسن علی ندویؒ)

رفتارِ ادب

ادب اسلامی کی خبریں

گذشتہ دو مہینے اگست اور ستمبر اس اعتبار سے رابطۂ ادب اسلامی کی تاریخ میں یادگار ہے کہ ۲۹ اگست سے ۱۴ ستمبر تک تین بین الاقوامی سیمینار منعقد ہوئے۔ پہلا آکسفورڈ لندن میں، دوسرا مراکش کے شہر وجدہ میں اس کے بعد تیسرا ادبی جلسہ مدینہ منورہ میں، جو مسک الختام تھا۔ ان تینوں ادبی نشستوں کی روداد درج ذیل ہے۔

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۹ اگست ۱۹۹۴ء کو عالمی رابطۂ ادب اسلامی نے مرکز آکسفورڈ برائے مطالعات اسلامی کے تعاون سے آکسفورڈ برڈس یونیورسٹی کے ایک پرشکوہ ہال میں رابطۂ ادب اسلامی اور مرکز آکسفورڈ برائے مطالعات اسلامی کے صدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی سرپرستی میں "ادب اسلامی، مفہوم، خصوصیات اور ضروریات" کے موضوع پر ایک عظیم الشان سیمینار کا انعقاد کیا، اس سیمینار میں ادب اسلامی سے دلچسپی رکھنے والے مصنفین، علماء اور صحافیوں نے شرکت کی۔ شرکاء کی ایک بڑی تعداد انگلینڈ کی مختلف یونیورسٹیوں کے طلبہ اور اسلامی و تعلیمی تنظیموں کے نمائندوں پر مشتمل تھی۔

مرکز آکسفورڈ برائے مطالعات اسلامی کے ڈائرکٹر ڈاکٹر فرحان احمد نظامی نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور اس کا اظہار کیا کہ آکسفورڈ میں ادب اسلامی کے موضوع پر کسی سیمینار کا انعقاد ایک عظیم پیش رفت ہے، ڈاکٹر نظامی نے اس بات پر خاص طور سے زور دیا کہ رابطۂ ادب اسلامی اور مرکز آکسفورڈ برائے مطالعات اسلامی دونوں کے درمیان مابہ الاشتراک یہ ہے کہ دونوں کے چیرمین حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ ہیں۔

افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے مولانا مدظلہ نے فرمایا کہ آج سے بچاس سال

پہلے کوئی یہ پیشگوئی نہیں کرسکتا تھا کہ مغربی تہذیب کے بنیادی مرکز آکسفورڈ میں اسلامی ادب کے موضوع پر کوئی سیمینار منعقد ہوسکتا ہے، اس لئے کہ یہ وہ سرزمین ہے جس نے گمراہیوں کو فلسفہ بناکر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے، یہاں سے وہ مصنفین اور اہل قلم دانشور اٹھے ہیں جن کے اثرات سے کوئی خطہ محفوظ نہیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے مغربی تہذیب کے اس قلعہ میں اسلامی ادب کے موضوع پر سیمینار منعقد کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس تمہیدی گفتگو کے بعد حضرت مولانا نے عصر حاضر میں ادب کی اہمیت و ضرورت پر روشنی ڈالی اور انسانی معاشروں پر ادب کے مثبت و منفی اثرات کا مبصرانہ جائزہ لیا، اس کے بعد اس حقیقت کا اظہار فرمایا کہ اسلامی ادب کی ہمت افزائی کی کسی قدر ضرورت ہے جس سے بلند انسانی قدروں کو تقویت ملتی ہے، مولانا مدظلہ نے تحریک ادب اسلامی کے کردار، سرگرمیوں اور مساعی پر روشنی ڈالی۔

اس کے بعد بلاد عربیہ کے صدر دفتر کے صدر ڈاکٹر عبدالقدوس ابو صالح نے رابطہ کا تعارف کرایا، جس میں اس کے نشوونما، ارتقاء اور اغراض و مقاصد کا جائزہ لیا، انھوں نے بتایا کہ مختصر عرصہ میں اس نوخیز ادارہ نے غیر معمولی ترقی کی ہے، اس ادارہ سے شائع ہونے والی کتابوں اور سہ ماہی رسالہ الادب الاسلامی کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ اگرچہ اس مجلہ کے صرف دو ہی شمارے ابتک شائع ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود علمی و ادبی حلقوں سے اس نے زبردست خراج تحسین وصول کیا ہے

رابطہ کے نائب صدر اور برصغیر دفتر کے صدر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے برصغیر کے دفتر اور اس کی شاخوں کی سرگرمیوں کا جائزہ پیش کیا، مولانا نے ادب کی ہمہ گیری کے ساتھ اس کے اخلاقی و مذہبی اور انسانی حدود کا جائزہ لیا۔

جلسہ کی دوسری نشست ڈاکٹر عبدالقدوس ابو صالح کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں ڈاکٹر عبدالباسط بدر، ڈاکٹر امین توفیق، ڈاکٹر بسام ساعی، استاذ محمد غنیم اور ڈاکٹر انس شیخ علی نے ادبی موضوعات پر مقالات پیش کئے، سیمینار میں پیش ہونے والے مقالات کے موضوعات حسب ذیل تھے۔ "ادب اسلامی مفہوم اور خصوصیات"۔ "باکثیر اور اسلامی اصول و آداب کی پابندی"۔ "اسلام اور ادبی تخلیق کے اصول"۔ "عدنان کی شاعری میں اسلامی تصویر"۔ "انگریزی ادب میں اسلامی

فکر کی ضرورت"، "عصرِ حاضر میں اسلامی ادب کی ضرورت۔

مراکش کے مشہور ادیب وشاعر ڈاکٹر حسن الامرانی رابطۂ ادب اسلامی کے ان فعال وسرگرم ارکان میں ہیں جو تاسیس کے بعد ہی سے رابطہ کے تمام سیمیناروں میں نہ صرف عملی طور پر شریک رہے بلکہ اس نوخیز ادارہ کو مغربی افریقہ میں متعارف کرانے اور اس کے مقاصد کو ادبی حلقوں تک پہونچانے میں بڑا بنیادی کردار ادا کیا ہے، ایک ممتاز ادبی مجلۃ المشکاۃ پانچ سال سے شائع کررہے ہیں جس نے اپنے سنجیدہ اور طاقت ور ادبی مضامین کی وجہ سے ادبی حلقوں میں ایک خاص مقام حاصل کرلیا ہے۔

ڈاکٹر حسن الامرانی کی عرصہ سے خواہش تھی کہ عالم عربی کے اس خطہ (مغربی افریقہ) میں رابطۂ ادب اسلامی کا کوئی سیمینار منعقد کیا جائے کہ اس سے رابطہ کے حلقہ کو وسیع کرنے میں مدد ملے گی۔

چنانچہ ۲۹ ربیع الاول تا یکم و دو ربیع الثانی مطابق ۷-۹ ستمبر یہ سیمینار مراکش کے شہر وجدہ میں منعقد ہوا۔ جو الدار البیضاء (کاسابلانکا) کے قریب ہے۔

اس سہ روزہ سیمینار کے افتتاحی واختتامی جلسوں کی صدارت رابطۂ ادب اسلامی کے مؤسس حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے فرمائی، سیمینار کا موضوع "الأدب والشھود الحضاری" تھا۔ عالم عربی کے تقریباً چالیس ممتاز ومنتخب اُدباء وشعراء نے شرکت کی۔ جو سعودی عرب، عراق، قطر، مصر وشام، فلسطین، مراکش اور ہندوستان سے آئے تھے۔ جن موضوعات پر مقالات پیش کئے گئے ان کی تعداد انتالیس تھی، سیمینار کے اختتام پر حسب معمول ایک مشاعرہ بھی ہوا۔ سیمینار میں پیش کئے جانے والے مقالات میں سے چند کے موضوع اس طرح تھے۔

ادب کا مفہوم اور اس کی خصوصیات، دورِ جدید کی شاعری، اسلامی ادب اور اس کا فنّی معیار، جدید اسلامی تنقید اور ادبی اصطلاحات، ادب کا پیغام، مقصد اور فنّی خصوصیات ادب اور تہذیب جدید، اسلامی ناولوں میں صنف نازک کی تصویر کشی، اسلامی تنقید اور مغربی تنقید کے اصولوں کا ایک موازنہ، اسلامی شاعری کی بعض فنّی خصوصیات پر ایک نظر، اسلامی ناول اور تاریخ کے درمیان تعلقات کی نوعیت۔ اسلامی ڈراموں کی فنّی خصوصیات، موجودہ ادبی ڈراموں کے بعض فنّی مسائل، مراکش میں اسلامی افسانے (تنقید وتبصرہ)، اسلامی ادب

کے مسائل و مشکلات، ہندوستان میں اسلامی ادب، اردن کے موجودہ ادب کا ایک جائزہ بہاء الامیری کی شاعری میں انسانی جذبات کی عکّاسی۔

سیمینار کی پانچ نشستوں کی جن حضرات نے صدارت کی ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:-

ڈاکٹر عباس جراری (مراکش) ڈاکٹر محمد بن شریفہ (مراکش) ڈاکٹر عمر عبید حسنہ (قطر) ڈاکٹر مصطفیٰ ہدارہ (اسکندریہ یونیورسٹی) مصر، ڈاکٹر مصطفیٰ بن حمزہ پرنسپل کلیۃ الآداب وجدہ۔

افتتاحی جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے فرمایا کہ نئی نسل کی رہنمائی اور ان کے ادبی ذوق اور جمالیاتی حاسّے کو پروان چڑھانے کے لئے صالح اسلامی قدروں اور بلند و شریفانہ مقاصد کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، قرآن مجید، حدیث شریف نیز اسلامی تاریخ اور مجددین و مصلحین کی زندگیوں سے ہمیں ایسے شاہکار ادبی نمونے مل سکتے ہیں جو جدید نسلوں کی ذہن سازی اور اخلاقی تربیت میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ صدر جلسہ نے اسلامی ادیبوں پر زور دیا کہ وہ ایسے ادبی شہ پاروں کو منظر عام پر لائیں جو زندگی و توانائی سے بھرپور ہیں اور جن کے پڑھنے سے جذبات و احساسات کو صالح غذا ملتی ہے، مولانا نے ہندوستانی اسلامی اُدبا و شعراء کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ان ادیبوں اور شاعروں نے اپنے کلام سے مسلمانوں کے اندر اسلام سے انتساب اور اس سے جذباتی تعلق کو مستحکم بنا دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیومالائی ماحول میں رہنے کے باوجود مسلمان اسلامی عقائد اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کو سینوں سے لگائے رہے اور اپنے ملّی و اسلامی تشخص کو انھوں نے برقرار رکھا۔

افتتاحی جلسہ کو محمد الخامس یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے بھی خطاب کیا۔ جلسہ میں متعدد تجویزیں منظور کی گئیں، جن میں سے ایک تجویز یہ بھی تھی کہ رابطۂ ادب اسلامی کے بانی کے اعزاز میں ایک خصوصی جلسہ منعقد کیا جائے۔

وجدہ کا سیمینار اس اعتبار سے بڑا ممتاز رہا کہ اس کے تمام جلسوں میں حاضرین کی غیر معمولی تعداد رہا کرتی تھی، نہ صرف وجدہ شہر بلکہ اس کے قرب و جوار کے علاقوں اور مراکش کی جامعات کی ممتاز شخصیتوں نے بھی شرکت کی، ہر جلسہ ایسا معلوم ہوتا جیسے کوئی ادبی جشن ہے، حضرت مولانا مدظلہٗ کی موجودگی سب سے زیادہ باعث کشش تھی، ہندوستان سے حضرت مولانا کے علاوہ برصغیر کے

صدر دفتر کے ناظم مولانا محمد رابع حسنی ندوی شریک اجلاس رہے اور انھوں نے برصغیر کی ادب اسلامی کی کوششوں کا جائزہ پیش کیا۔ ان ادبی مجالس کے علاوہ ایک جلسہ وجدہ کی ایک مسجد میں بھی ہوا جس میں سامعین سے وسیع مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ مسجد میں مولانا مدظلہ کی ایک طاقت ور اور برجستہ مؤثر تقریر ہوئی جو یادگار اور بڑی فکر انگیز و الہامی تھی، یونیورسٹی کے طلبہ وطالبات کا بڑا ہجوم خاص طور سے رہا۔

وجدہ کانفرنس کے بعد مدینہ منورہ میں ۱۴ ستمبر کو۔ جہاں رابطۂ ادب اسلامی کی مجلس امناء کا جلسہ ہو رہا تھا۔ النادی الأدبی کے صدر عالی جناب شیخ ہاشم رسید کی دعوت پر ایک خصوصی نشست کا اہتمام کیا گیا، اس ادبی نشست کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی مدینہ منورہ میں موجودگی سے فائدہ اٹھایا جائے، چنانچہ اس مبارک شہر کے علماء و ادباء و داعیان اور سربرآوردہ حضرات کے ساتھ شعراء و ادباء نے جلسہ میں شرکت کی، مولانا مدظلہ نے فی البدیہہ صدارتی تقریر میں ادب کی تاثیر اور ذہن سازی میں اس کے رول پر زور دیا اور تفصیل سے بتایا کہ اسلامی ادب نے ماضی قریب میں ہندوستانی مسلمانوں کے اسلامی شعور کو پروان چڑھانے میں کتنا اہم کردار ادا کیا ہے۔

رابطۂ ادب اسلامی کے نائب صدر ڈاکٹر عبدالقدوس ابو صالح نے رابطہ کی تاسیس اور اس کے قیام کے پس منظر اور اسباب و محرکات پر روشنی ڈالی، ڈاکٹر حسن الامرانی (مراکش) اور ڈاکٹر احمد محمد علی (مصر) نے اسلامی ادب کے مفاہیم و مقاصد پر تفصیل سے روشنی ڈالی، اور اختتام اجلاس پر حاضرین کے سوالات کے جوابات دیئے۔

رابطۂ ادب اسلامی کی مجلس امناء کے سکریٹری اور مشہور ادیب و شاعر ڈاکٹر عبدالباسط بدر نے نشست کی نظامت کے فرائض انجام دیئے۔

اجتماع میں رابطۂ ادب اسلامی برصغیر کے ارکان میں سے مولانا محمد رابع حسنی ندوی مولانا سعید الرحمٰن ندوی، مولانا واضح رشید ندوی بھی رہے۔

تحریر (مولانا) نذر الحفیظ ندوی

(ادارہ)

رابطۂ ادب اسلامی کا سہ روزہ مذاکرۂ علمی

نعتیہ شاعری: تاریخ اور خصوصیات

اسلام کی ابدی اور آفاقی قدروں پر ایمان رکھنے والے ادیبوں کا قافلہ جو صرف اپنے ایمان اور احساس ذمہ داری کی بنیاد پر اور خدا کی نصرت و مدد کے سہارے آج سے تین سال قبل سرگرم سفر ہوا تھا، خاموشی لیکن وقار و متانت کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہے، کئی سال پہلے کی بات ہے کہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے پٹے پٹائے راستہ سے ہٹ کر، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ادب کے مطالعہ کی دعوت دی تھی، اس دعوت نے عالم اسلام اور خاص طور پر عالم عربی کے پرسکون ادبی فضا میں ارتعاش پیدا کیا اور متعدد عرب ادباء و شعراء نے اسلام کی روشنی میں ادب کی تحقیق و تخلیق کا کام شروع کیا، بعد میں ان کوششوں کو منظم اور مربوط کرنے کے لئے مولانا ہی کی صدارت میں اسلامی ادیبوں کی عالمی تنظیم "رابطۂ ادب اسلامی" وجود میں آئی، اس کے کئی اجتماعات لکھنؤ میں ہوئے، ایک جے پور میں اور ایک استنبول ترکی، مدینہ منورہ" میں ہوا۔

اسی سلسلہ کا ایک تازہ اجتماع نعتیہ شاعری کے موضوع پر اورنگ آباد کا سہ روزہ سیمینار تھا۔

نعتیہ شاعری عربی کی ہو یا فارسی، اردو اور دوسری زبانوں کی، اس میں تقدس و پاکیزگی بھی ہے اور فنی خوبیاں اور رعنائیاں بھی، بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا، شعر کے تمام اصناف کی خوبیاں اس میں جمع ہو گئی ہیں، فارسی اور اردو میں نعت نگار شعراء نے ایسی معنی آفرینیاں کی ہیں، عشق و محبت اور جذب و شوق کو ادب و احترام کے ساتھ ایسے مؤثر اور قوی انداز میں پیش کیا ہے جس کی مثال دنیا کی شاعری میں مشکل سے ملے گی۔ لیکن ہمارے ادبی و تنقیدی ذخیرہ کا حیرت انگیز نقص ہے کہ ادبی تاریخ و تنقید نگاروں نے اس کی طرف بہت کم توجہ دی ہے۔ "رابطۂ ادب اسلامی" کی ذمہ داری تھی کہ اس ادبی و تنقیدی خلا کو پُر کرنے کے لئے آگے بڑھے۔

رابطۂ ادب اسلامی کے اس سیمینار کے لئے مولانا ریاض الدین فاروقی ندوی کی پیشکش پر محبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، عاملِ سنّت، پابند شریعت، مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی آخری آرام گاہ کے جوار میں جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم اورنگ آباد کا انتخاب عمل میں آیا، اور ۲۵، ۲۶، ۲۷، صفر ۱۴۰۹ھ مطابق ۷، ۸، ۹ اکتوبر ۱۹۸۸ء کی تاریخیں مقرر ہوئیں۔ سیمینار سے متعلق بمبئی میں ایک مشاورتی اجتماع میں الحاج محمد بھائی پٹنی کو مجلسِ استقبالیہ کا صدر منتخب کیا گیا۔ اسی وقت سے صدر استقبالیہ اور ان کے ساتھ مولانا ریاض الدین فاروقی ندوی ناظم جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم، جامعہ کے اساتذہ اور اہل شہر انتظامات میں لگ گئے۔ مولانا نور عظیم ندوی آفس سکریٹری رابطۂ ادب اسلامی ہند اور مولانا محمود الازہار ندوی استاد ندوۃ العلماء نے انتظامات میں مشورہ کیلئے اورنگ آباد کا سفر کیا۔ پھر سیمینار کے انعقاد سے چار روز قبل مولانا نور عظیم ندوی اورنگ آباد پہونچ گئے، بزرگوں کی دعاؤں کی برکت اور کارکنوں کی محنت ولگن اور اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت سے یہ سہ روزہ عالمی سیمینار منعقد ہوا۔

بھرپور نمائندگی اس میں ہندوستان کے علاوہ سعودی عرب، شام، فلسطین کے نمائندے شریک ہوئے۔ پاکستان کا ایک وفد بھی پہونچ گیا۔ بنگلہ دیش کا وفد بھی شرکت کرنے والا تھا، لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے شریک نہیں ہوسکا اور سیمینار کے لئے مقالہ بھیجنے پر اکتفا کیا، اسی طرح عرب ممالک میں یونیورسٹیوں میں تعلیم شروع ہوجانے کی وجہ سے بہت سے لوگ شریک نہیں ہوسکے اور سیمینار کے مقاصد سے اتفاق کا اظہار کیا، کئی حضرات نے اس کے لئے اپنے مقالے اور قصائد بھیجے جنھیں سیمینار کی کارروائی میں شامل کرلیا گیا۔

ہندوستان سے مندرجہ ذیل یونیورسٹیوں نیز تعلیمی وتحقیقی اداروں کے وفود نے شرکت کی:

جواہر لال یونیورسٹی دہلی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، الٰہ آباد یونیورسٹی، کیرالا یونیورسٹی کالی کٹ، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد، کشمیر یونیورسٹی سرینگر، بھوپال یونیورسٹی، ہندو یونیورسٹی بنارس، مرٹھواڑہ یونیورسٹی اورنگ آباد، فاروق کالج کالی کٹ، ورکرس کالج جمشید پور، کالج پونہ، مولانا آزاد کالج اورنگ آباد، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، دار العلوم تاج المساجد بھوپال، جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں، معہد ملت

مالیگاؤں، دارالعلوم حیدرآباد، دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد، جامعہ اسلامیہ بھٹکل، جامعہ کاشف العلوم اورنگ آباد، دارالمصنفین اعظم گڈھ، ڈاکٹر ذاکر حسین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ دہلی، مجلس تحقیقات و نشریاتِ اسلام لکھنؤ، مرکز اسلامی حیدرآباد۔

ان وفود کے علاوہ جو بحیثیت مندوب سیمینار میں شریک تھے، قرب و جوار کے مثقف اور باذوق حضرات نے بڑی تعداد میں ذوق و شوق کے ساتھ تمام پروگراموں میں حصہ لیا، بمبئی حیدرآباد، بھوپال، اندور، پونہ، اور دوسرے کئی شہروں کے شعری و ادبی ذوق رکھنے والے حضرات موجود رہے، قریب کے عربی مدارس کے اساتذہ اور طلبہ بھی جمع تھے، شہر اورنگ آباد اور اس کے اطراف کے مسلمانوں کی دلچسپی اور لگن قابل دید تھی، ایک مقامی اخبار نے لکھا ۳ دن تک پورے شہر اور قرب و جوار پر روحانی فضا چھائی رہی، اورنگ آباد میں زیر تعلیم فلسطینی اور عرب طلبہ بڑی تعداد میں عربی پروگراموں میں موجود رہے، اور بڑے ذوق و شوق کا مظاہرہ کیا۔

اردو شاعری کے اساطین شعراء میں وَلی اورنگ آبادی اور سراج اورنگ آبادی کا نام بھی ہے، عنقریب جن کی سرزمین پر یہ قافلہ پہونچنے والا تھا، تاریخ ادب اردو میں شہر اورنگ آباد کی علمی، لسانی، تہذیبی اور دینی اہمیت کو نہ صرف تسلیم کیا گیا ہے، بلکہ ان خدمات کو محفوظ رکھا گیا ہے، یہ شہر اس لسانی خطے کا مرکز ہے جہاں محمد تغلق کی قیادت میں پہلے پہل شمالی ہند کا وہ لسانی دھارا آیا جس نے فارسی آمیز کھڑی بولی کی لسانی حدیں بندھیاچل کے جنوب میں دولت آباد تک بڑھائیں، جہاں سے یہ زبان دہلوی صوفیائے کرام کے ساتھ جنوبی ہند کی طرف غیر ہند آریائی زبانوں کے لسانی حدود میں پہونچ کر "دکنی" کہلائی۔ ناصر جنگ تو اورنگ آباد کے عاشق صادق تھے کہتے ہیں کہ انھوں نے اورنگ آباد کو علمی و ادبی مرکز کی حیثیت دے کر اُسے "دکن کی دِلّی" بنادیا۔ دکنی ادب کے بیشتر چاند ستارے اسی سرزمین سے ابھرے جن میں وَلی اور سراج کے نام سرِفہرست ہیں، ان کے علاوہ داؤد اورنگ آبادی، عشقی اورنگ آبادی، حمید اورنگ آبادی، محمد علی عاجز قاشقال اور لچھمی نرائن شفیق کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ نواب آصف جاہ اوّل کے زمانے میں یہاں کا علمی و ادبی ماحول اور بھی ارتقاء پذیر ہوا، چنانچہ مشہور مؤرخ اور تذکرہ نویس غلام علی آزاد بلگرامی انھیں کے زمانہ میں اورنگ آباد آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ بیسویں صدی کی ابتدا میں

جب بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مہتمم تعلیمات کی حیثیت سے اورنگ آباد آئے تو اس شہر میں ان کا قیام فالِ نیک ثابت ہوا۔ انجمن ترقی اردو کے دفتر اور پریس نے اس شہر کی عظمتِ رفتہ کو نہ صرف بحال کیا، بلکہ نئے زمانے میں نئی جہت عطا کی۔

نماز جمعہ اور افتتاحی اجلاس مندوبین کے قافلے ۶/اکتوبر ہی سے پہنچنے لگے، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کا وفد بھی ۶/ کو پہونچ گیا، ۷/ کی صبح کو لکھنؤ، بنارس، دہلی، الٰہ آباد کے وفود پہنچ گئے، نماز جمعہ کے وقت تک مندوبین اور دیگر حضرات کی خاصی تعداد جمع ہوچکی تھی۔ اورنگ آباد میں ملک عنبر کی تعمیر اور اورنگ زیب عالمگیرؒ کی توسیع و تجدید کردہ وسیع جامع مسجد نمازیوں سے بھر چکی تھی، ایک بڑی تعداد نے صحن اور اس کے بعد کچے میدان میں نماز ادا کی، خطبہ سے پہلے مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے مجمع کو خطاب کیا، اور مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی استاد ندوۃ العلماء نے جمعہ کا خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔

نماز مغرب کے بعد جامع مسجد سے متصل نہرو بھون میں قاری غلام رسول استاد جامعہ کاشف العلوم کی تلاوت کلام پاک سے سیمینار کا آغاز ہوا۔ کاشف العلوم کے ایک طالب علم اور ڈاکٹر طفیل احمد مدنی (الٰہ آباد) نے بارگاہ رسالت میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ پھر محمد بھائی پٹنی کی جانب سے مولانا ریاض الدین فاروقی نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا انھوں نے مہمانوں کا تہِ دل سے استقبال کرتے ہوئے اورنگ آباد کی تاریخی اہمیت پر روشنی ڈالی اور یہاں مختلف زمانوں میں تشریف لانے اور روحانیت سے یہاں کی فضا کو معمور کرنے والے اولیائے کرام کے ساتھ ملک عنبر کے کارناموں اور عالمگیرؒ کی سرگرمیوں کا تذکرہ کیا۔ اورنگ زیبؒ نے اپنی عمر کے آخری ۲۵ سال یہیں گذارے، یہیں ایک مسجد میں فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب و تدوین شروع ہوئی، اور اورنگ زیبؒ کو ان کی وصیت کے مطابق قریب ہی خلد آباد میں متعدد اہل اللہ اور اولیائے کرام کے قبروں کے بیچ دفن کیا گیا۔

رابطۂ ادبِ اسلامی اور اس سیمینار کا تذکرہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا "رابطہ ادب کے بلند مقاصد کو اسلام جیسا آفاقی مذہب ہی بنیاد فراہم کرسکتا ہے" اور "رابطہ کا نعتیہ ادب پر عالمی مذاکرۂ علمی

منعقد کرنا ایک انتہائی دانشمندانہ اور قابل تحسین اقدام ہے"۔

رابطہ ادب اسلامی ہند کے جنرل سکریٹری مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے اپنی رپورٹ میں اب تک کی کارگذاریوں پر مختصراً روشنی ڈالی اور مادی بے سروسامانی کے باوجود گذشتہ تین سالوں میں رابطہ نے اب تک جو پیش قدمی کی ہے اس کا تذکرہ کیا۔

اس سیمینار اور رابطہ ادب اسلامی کے صدر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنے افتتاحی خطاب میں فرمایا کہ: "آج کا یہ جلسہ ایک اہم خصوصیت کا حامل ہے کہ اس جلسہ کی نسبت اس ذات والاصفات سے ہے، جس ذات اقدس نے نوع انسانی، نسل انسانی اور وجود انسانی کے علاوہ، ادب، شاعری، تمدن، فلسفہ اور عقائد کی دنیا میں ایک انقلاب برپا کیا" مولانا نے فرمایا کہ "عقائد کی دنیا میں نسبت کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ کعبۃ اللہ کو اللہ سے نسبت ہے اس کا ادنیٰ کرشمہ یہ ہے کہ کعبۃ اللہ کی جانب ابرہہ نے ہاتھیوں کا لشکر لے کر بڑھنے کی جرأت کی تھی تو وہ اور اس کے ہاتھیوں کا لشکر اللہ کے جلال کا شکار ہوگیا"۔ مولانا نے اور مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ ـــــ

"دنیا میں نہ جانے کتنے مکتوب چاک کئے گئے ہوں گے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مکتوب شاہ ایران کو بھیجا تھا اس نے اُسے چاک کردیا تو آپؐ نے فرمایا کہ: اس کی سلطنت بھی اسی طرح پارہ پارہ ہوجائے گی"۔ صدر اجلاس نے اپنی تقریر میں نعتیہ شاعری کی ادبی اہمیت پر بھی روشنی ڈالی، اور کہا کہ نعتیہ شاعری اور خاص طور سے فارسی اُردو نعت میں جو والہانہ محبت وعقیدت ہے جو سوز اور تڑپ ہے اور شعراء نے حرمین شریفین کے شوق کی جو کیفیات بیان کی ہیں اس میں جو معنی آفرینیاں کی ہیں اور جذبات کی جو تعبیر کی ہے اس کی مثال عالمی شعری ذخیرہ میں ملنی مشکل ہے۔

افتتاحی اجلاس میں فلسطینی ادیب وشاعر ڈاکٹر عدنان نحوی اور استاد محمد حسن بریغش اور پشاور یونیورسٹی کے پروفیسر اور صدر شعبۂ عربی مولانا محمد اشرف سلیمانی نے بھی خطاب کیا۔

مقالات اور دوسرے جلسے ۸ راکتوبر کی صبح سے مقالات کی نشستیں ہوئیں، تمام مقالوں کو ۶ رنشستوں میں تقسیم کردیا گیا تھا، ایک نشست عربی مقالوں کے لئے مخصوص تھی، ان کے علاوہ

۸؍اکتوبر کی رات کو بعد نماز عشاء جامع مسجد میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ایک عوامی جلسہ سے خطاب کیا، ۹؍اکتوبر کو ۹؍بجے دن میں پیام انسانیت کا جلسہ ہوا، اس میں غیر مسلم بھی بڑی تعداد میں شریک ہوئے، اسی روز شام کو عرب اور فلسطینی طلبہ سے عرب مہمانوں نے خطاب کیا، ۹؍اکتوبر کو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اختتامی کلمات فرمائے، جن میں سیرت کے مطالعہ پر خاص طور سے زور دیا، اور دعا پر سیمینار کا اختتام ہوا۔

اس کے بعد رات میں دو شعری نشستیں بھی ہوئیں ایک عربی اور دوسری اُردو میں ڈاکٹر عدنان نحوی نے عربی شعری نشست کی صدارت اور ڈاکٹر عصمت جاوید شیخ نے صدارت اور فرید سلیم نے اُردو مشاعرے کی نظامت کے فرائض انجام دیئے۔ اردو مشاعرے میں مقامی شعراء نے بھی نعتیں پیش کیں۔

ذرائع ابلاغ اس سیمینار کو کامیاب بنانے میں مقامی ذرائع ابلاغ نے بھی بھرپور تعاون کیا، یہاں اخبارات سیمینار کے پہلے ہی سے اس کی خبریں شائع کر رہے تھے، سیمینار سے ایک روز پہلے رابطۂ ادب اسلامی اور تحریک پیام انسانیت کے تعارف کے لئے مضامین شائع کئے، مولانا نور عظیم ندوی جو چند روز قبل ہی آگئے تھے انھوں نے ۹؍اکتوبر کو ایک پریس کانفرنس کی جس میں ۲۰؍اخباری نمائندے شریک ہوئے، ان میں مقامی اُردو روزناموں کے علاوہ مراٹھی اور انگریزی اخبارات کے نمائندے بھی موجود تھے۔ پی۔ٹی۔آئی　یو۔این۔آئی اور مقامی آکاش وانی کے نمائندے بھی موجود تھے، اور ان لوگوں نے پریس کانفرنس کی کارروائی بھی شائع کی۔

سیمینار اور دوسرے جلسوں کی بھی تفصیلی خبریں دیتے رہے، روزنامہ عالمگیر ٹائمز، اورنگ آباد ٹائمز اور رُوزنامہ مفسر نے بڑی اچھی رپورٹنگ کی، عالمگیر ٹائمز نے پہلے صفحے پر خصوصی اداریہ میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی شہر میں آمد کا خیر مقدم کیا، ایک "نعت نمبر" بھی شائع کیا، اورنگ آباد ٹائمز نے مولانا کے متعلق خاص نمبر شائع کیا، مراٹھی رُوزنامہ "لوک دت" میں بھی خبریں آتی رہیں ریڈیو اسٹیشن سے بھی خبر نشر ہوئی۔　۱۰؍اکتوبر کو قریب کے تاریخی آثار کی زیارت پر سیمینار کے پروگرام ختم ہوئے۔

تجاویز:۔ تجاویز کو تیار کرنے کے لئے عرب اور ہندوستانی مندوبین پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی تھی، اس نے تجاویز کا مسودہ تیار کیا، آخری اجلاس میں یہ تجاویز پیش کی گئیں اور حاضرین نے بالاتفاق انھیں منظور کیا، ان تجاویز کا خلاصہ یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

۱۔ رابطۂ ادب اسلامی کا یہ اجلاس عام لندن میں مقیم ہندی نژاد سلمان رشدی کی شان رسالت مآبؐ میں اہانت کی مرتکب کتاب "شیطانی آیات" پر اپنی دلی تکلیف اور نفرت کا اظہار کرتا ہے اور حکومت ہند کے اس اقدام کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتا ہے کہ اس کتاب پر پابندی لگادی ہے۔ یہ اجتماع اس پر بھی زور دیتا ہے کہ ملت اسلامیہ اور ممالک اسلامیہ کی طرف سے ایسے اقدامات کیے جائیں کہ کسی کو ایسی گستاخی کی جرأت نہ ہو۔

۲۔ فارس وروم اپنے ادب وشاعری کو اپنی تہذیب اور شخصیتوں کے تذکروں اور کارناموں سے معمور رکھے ہوئے ہیں حالانکہ ان میں نئی دنیا کے لئے نہ کوئی پیغام ہے نہ انسانوں کی ہدایت کا کوئی سامان، نہ اخروی نجات کی ضمانت، جبکہ اسلامی تہذیب وتعلیمات اور تاریخ میں یہ ساری خوبیاں موجود ہیں، ایسی صورت میں مسلمانوں کے ادبی سرمایہ میں اسلامی تاریخ وتمدن اور اسلامی شخصیتوں کے تذکروں اور ان کے کارناموں پر فخر واعتزاز سے گریز کی کوئی وجہ نہیں، رابطۂ ادب اسلامی کا یہ اجلاس اس پر زور دینا ضروری سمجھتا ہے کہ ہمارے شعراء وادباء اپنی شعری وادبی تخلیقات کے لئے اسلامی تعلیمات، تمدن، تاریخ اور شخصیات کو اہم ترین ماخذ قرار دیں۔

۳۔ ادب اور شاعری میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وتوصیف درحقیقت اس مثالی شخصیت کی مدح وتوصیف ہے، جس نے نوع انسانی کو فکر وخیال سے بھی بالاوبرتر عظمتیں عطا فرمائی ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت "رحمۃ للعالمین" ہے اور آپ کی تعریف اسی ذات والاصفات کی تعریف ہے، جس نے انسانوں کو کالے گورے اور امیر وغریب کی ظالمانہ تقسیمات سے نجات دلائی، ادب اسلامی کا یہ اجتماع اس بات پر یقین اور پورے اعتماد اور قوت کے ساتھ اعلان کرتا ہے کہ خاتم المرسلؐ کی مدح انسانیت کے اعلیٰ ترین وافضل ترین مثالی شخصیت کی مدح وتوصیف ہے اور نعت نگار شعراء کو یہ حقیقت پیش نظر رکھنا چاہئے۔

۴۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ان تعلیمات کی مدح ہے اور ان پر یقین وایمان کا نتیجہ اور

اعلان ہے جن کے ساتھ ممدوح عالم مبعوث فرمائے گئے، اس لئے اس صنف شاعری سے اسلام کی صحیح تصویر اور اخلاق وسیرت کا صحیح پیکر سامنے آنا چاہئے۔ رسول آخرالزماں اور تمام انبیائے کرام کی تعلیمات کا اساسی نقطہ توحید ہے اس وجہ سے یہ اجتماع ضروری سمجھتا ہے کہ نعتیہ شاعری میں خاص طور سے اور دوسرے اصناف ادب میں عام طور سے توحید کو ہمہ وقت پیش نظر رکھا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف ایسی نہ کی جائے کہ عقیدۂ توحید مجروح ہو۔

۵۔ مسلمان شعرار کا نعت نگاری سے شغف اس کا بھی تقاضا کرتا ہے کہ یہ شعراء وادبا ادب کے تمام شعبوں اور اصناف میں اسلامی ادب کے نظریہ کو اپنائیں، فاسد اور مخرب اخلاق وافکار ادب کا مقابلہ کریں، اپنی تخلیقات کو بھی ان عناصر سے پاک رکھیں اور اسلامی ادیبوں کے قافلہ میں شامل ہوں۔

۶۔ نعت رسولؐ کی ایک اہم خصوصیت اس کی آفاقیت ہے، مسلمانوں کی تمام زبانوں میں اس کے مؤثر اور معیاری نمونے موجود ہیں، رابطۂ ادب اسلامی کا یہ اجتماع تمام مسلمانوں کو اپنے دینی بھائیوں کی نعتیہ شاعری سے روشناس کرانے کے لئے مختلف زبانوں میں ان کا ترجمہ ضروری سمجھتا ہے۔

ایک اور تجویز میں مجلس استقبالیہ، جامعہ کاشف العلوم، اس کے ناظم اور اساتذۂ کرام ودیگر منتظمین اور اہل شہر کا شکریہ ادا کیا۔

عشقِ مؤمن

کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لئے مے حیات
کہنہ ہے بزمِ کائنات، تازہ ہیں میرے واردات

کیا نہیں اور غزنوی کارگہ حیات میں!
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات

ذکرِ عرب کے سوز میں فکرِ عجم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات نے عجمی تخیلات

قافلۂ حجاز میں ایک حسینؓ بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ وفرات

عقل ودل ونگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق!
عشق نہ ہو تو شرع ودیں بتکدۂ تصورات

صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق، صبرِ حسینؓ بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر وحنین بھی ہے عشق!!

(اقبال)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

حرفے چند

کاروانِ ادب!

● عالمی رابطۂ ادبِ اسلامی کے نام سے تعمیری، سنجیدہ اور دلکش ترجمان ایک طرف عربی میں "مجلۃ الأدب الإسلامی" کے نام سے نکلنا شروع ہوا اور عرب دنیا کے ادبی اور علمی حلقہ میں اس کو بڑی قدر و وقعت کی نظر سے دیکھا گیا، ادبِ اسلامی کا یہ آوازہ ایسا بلند ہوا کہ اس کے اثر سے دنیائے ادب کے بہکے اور تخریبی ادب کے علمبردار پسپت اور کمزور ہوتے لگے۔

● دوسری طرف اردو میں رابطۂ ادبِ اسلامی کی برصغیر کی شاخ کا سہ ماہی "کاروانِ ادب" جولائی ۱۹۹۴ء میں منصۂ شہود پر آیا اور علم و ادب کے حلقوں میں اس کو داد حاصل ہوئی پہلے شمارے کے مقالات کا موضوع "ادبیاتِ اسلامی میں حمد و مناجات" تھا، حمد و مناجات کی صنف پر یکجا اتنے مضامین اور کسی کتاب یا رسالہ میں نہیں ملیں گے، یہ اولین شمارہ زبانِ حال اور زبانِ قال سے بارگاہِ ایزدی میں پلکوں پر اشک کے کوکب سجائے "از بارِ گنہ کمر خمیدہ" دست بدعا تھا، آخرت کی کامیابی کے لئے، تمکین فی الأرض کے لئے، اسلام کے فروغ اور ادب اسلامی کے عروج کے لئے۔ یہ شمارہ سرتاپا نالۂ دل تھا، جیسے سفیر بنا کر سوئے حق روانہ کیا گیا تھا۔

● اس کے بعد ہی "کاروانِ ادب" کا دوسرا شمارہ اگست ۹۴ء میں منظرِ عام پر آ گیا۔ یہ شمارہ حدیث نبوی کے ادبی اور فنی محاسن کے موضوع پر تھا، اردو میں اس موضوع پر کام کرنے والا کوئی ادیب اس شمارہ سے مستغنی نہیں رہ سکتا، یہ شمارہ زبانِ حال سے کہہ رہا تھا ؎

یک حدیثے از لبِ شیرینِ تو بہتر از قند و نبات وانگبیں

● "کاروانِ ادب" کا تیسرا شمارہ اب آپ کے ہاتھ میں ہے، موضوعات کی ترتیب کے لحاظ سے اسے نعتیہ شاعری کا خصوصی نمبر ہونا چاہیئے تھا، اور ایسا ہی ہوا۔ اردو ادب میں حمد و مناجات کے موضوع پر اور حدیثِ نبویؐ کی ادبی خصوصیات پر اب تک کوئی قابلِ ذکر کتاب موجود نہ تھی "کاروانِ ادب" نے پہلی مرتبہ ان موضوعات پر پڑھنے والوں کے لئے علمی اور ادبی غذا فراہم کی۔ نعتیہ شاعری پر بلاشبہ کتابیں موجود تھیں، لیکن "کاروانِ ادب" کا یہ شمارہ اس موضوع پر ایک اہم اضافہ کی حیثیت رکھتا ہے، ہمیں یقین ہے کہ اس موضوع پہ ہمیشہ اضافہ ہوتا رہے گا، کیونکہ "ورفعنا لک ذکرک" کی پیشین گوئی قیامت تک کے لئے ہے، اس موضوع کی نسبت جس ذاتِ گرامی سے ہے، اس کے بارے میں اقبالؔ نے کہا ہے ؎

خیمہ افلاک کا ایستادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

آیۂ کائنات کا معنیٔ دیریاب تو
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو

● سیمنار کے بہت سے مقالہ نگاروں کو یہ یقین نہیں تھا کہ ان کے مقالات زیورِ طبع سے آراستہ ہو سکیں گے، اس لئے وہ مقالات اپنے ساتھ لے کر چلے گئے، ان میں بعض مقالات یقیناً ایسے رہے ہوں گے کہ مقالات کے انتخاب کے وقت ان کو بھی ترجیح دی جاتی، لیکن ان کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ شریکِ اشاعت نہیں، اسی طرح بعض موجودہ مقالات کو جگہ کی تنگی کی وجہ سے جگہ دینے سے معذوری رہی جس کے لئے ادارۂ انتخاب معذرت خواہ ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ رابطہ کو اس کی استطاعت عطا فرمائے کہ سیمناروں کے سب یا اکثر مقالوں کو شائع کر سکے۔

محسن عثمانی
رکن ادارۂ تحریر

منتخب مقالات

مذاکرۂ علمی بعنوان "نعتیہ شاعری؛ تاریخی و علمی جائزہ و خصوصیات"

منعقدہ۔ اورنگ آباد

ابتدائیہ

سہ ماہی "کاروانِ ادب" کے ۲ شمارے اس سے پہلے منظرِ عام پر آچکے ہیں، ان میں۔ جیسا کہ قارئین نے دیکھا ـــــ ہماری یہ کوشش رہی کہ رابطۂ ادب اسلامی کا ترجمان یہ مجلّہ "کاروان ادب" بیک وقت رسالہ بھی ہو اور اس کے منعقد کردہ مذاکرات علمی میں سے کسی مذاکرۂ علمی کے منتخب مقالات کا مجموعہ بھی۔ اس طرح گویا مجلّہ کے ۲ حصّے ہوئے، ایک حصہ متنوع مضامین مثلاً علمی و تحقیقی مقالات، شعر و ادب، فکر و فن اور افسانے وغیرہ کا ـــــ تو دوسرا رابطۂ ادبِ اسلامی کے منعقد کردہ کسی مذاکرۂ علمی کے منتخب مقالات کا۔ چنانچہ اس سے پہلے کے دونوں شماروں میں دو مذاکراتِ علمی کے مقالات شائع ہو چکے ہیں، ان میں سے ایک "حمد و مناجات و دعاء" کے موضوع پر تھا، اور دوسرا "حدیث نبوی کی ادبی و فنّی خصوصیات" کے موضوع پر۔

زیرِ نظر شمارہ میں جس مذاکرۂ علمی کے مقالات کا انتخاب دیا جا رہا ہے، اس کا موضوع ہے "نعتیہ شاعری: تاریخی و علمی جائزہ و خصوصیات"۔ یہ مذاکرۂ علمی مورخہ ۲۵ ـ ۲۷ صفر ۱۴۰۹ھ مطابق ۷ ـ ۹ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو جامعہ کاشف العلوم اورنگ آباد کے تعاون سے اورنگ آباد شہر میں منعقد ہوا تھا، جس کی تفصیلی رپورٹ آپ اس شمارہ میں بھی ملاحظہ فرمائیں گے۔

اس سیمنار میں مجموعی طور پر کل ۴۸ مقالات پیش کئے گئے تھے، ان میں سے ۱۱ مقالات عربی زبان میں تھے، اور ۳۶ اُردو میں، اور ایک مقالہ انگریزی میں تھا۔ عربی مقالات میں سے اکثر مقالے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے نکلنے والے عربی رسالے یعنی "الرائد" و "البعث الاسلامی"

اور رابطۂ ادب اسلامی کے سابق ماہانہ عربی بلیٹین "ملحق الأدب الإسلامی" میں شائع ہو چکے ہیں، اور اب "کاروانِ ادب" کے اس شمارہ میں ہم اردو مقالات کا انتخاب شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں، اردو مقالات کی تعداد۔ جیسا کہ عرض کیا گیا۔ ٣٦ تھی، ظاہر ہے کہ مجلّہ کا ایک متعین حجم ہے، اور ہمیں اسی حجم کے اندر رہ کر رسالہ نکالنا ہے، اس لئے اگرچہ بعض مقالات ہمارے رابطۂ ادب کے دفتر کو حاصل نہیں تھے، نیز بعض مقالات کافی تاخیر سے موصول ہوئے، لیکن جو موجود تھے ان کی تعداد بھی کم نہیں تھی، اور ان میں بعض مقالات خاصے طویل بھی تھے، لہٰذا ان تمام مقالات کا ایک ساتھ شائع کرنا ممکن نہ تھا، چنانچہ ان میں سے صرف ١٥ مقالات کا انتخاب کیا گیا ہے، جن حضرات کے مقالے اس مجموعہ میں شامل نہیں ہیں، ان سے ہم معذرت خواہ ہیں، اور امید رکھتے ہیں کہ ہماری مجبوری کو دیکھتے ہوئے انھیں ہم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی، نیز جن حضرات کے مقالے ہمارے دفتر میں موجود ہیں اور اس شمارہ میں آنے سے رہ گئے ہیں انھیں فائل میں محفوظ کر لیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری اس کوشش کو مفید بنائے اور قبول فرمائے۔

(ا۔ ا۔ ن)

ادب کیا ہے؟

"ادب اس لئے ادب نہیں ہو جاتا کہ وہ کسی انگریزی داں نے ادا کیا ہے، کسی ترقی پسند نے ادا کیا ہے، شعبۂ ادب کے کسی چیرمین نے اور پروفیسر نے ادا کیا، صدر نے ادا کیا۔ وہ ادب ادب ہے خواہ اس کو آپ کسی سائل کی صدا میں سُن لیں، کسی غریب کی فریاد میں سُن لیں، کسی ماں کو اپنے بچے کو سلاتے ہوئے لوری سنانے میں سُن لیں، کسی خدا شناس کے نالۂ نیم شبی میں سُن لیں، جو صرف خدا ہی کو سنانا چاہتا تھا، اتفاق سے آپ نے سن لیا، اس لئے ادب جس شکل میں، جس زبان میں ہو اور جس شخص کی زبان سے ادا ہو وہ ادب ہے۔"

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی
صدر رابطۂ ادب اسلامی عالمی

ترجمہ از عربی:
مولانا عبدالنور ندوی مرحوم

فارسی اور اردو نعتیہ شاعری میں سیرت نبویؐ کے کچھ تابناک جلوے

دنیا کی مختلف زبانوں سے واقفیت رکھنے والے اہلِ علم جن کی ان زبانوں کے ادبی سرمایہ اور شعری ذخیرہ پر نظر ہے، خاص طور پر جو مختلف زبانوں کے ادب کے تقابلی مطالعہ سے دلچسپی رکھتے ہیں ان پر حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ انسانی زبانوں کے محفوظ ادبی سرمایہ اور شعری نگارشات کے اندر معنی آفرینی، خیال کی بلندی اور جذبہ کی صداقت میں نعتیہ شاعری کی مثال نہیں مل سکتی، یہ فیض ہے پوری دنیا پر اور نوع انسانی کے ذہن ودماغ اور قلب ونظر پر رحمت للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے اثرات کا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سیدالانبیاء علیہ وعلیہم السلام کی سیرت، آپؐ کے اخلاق اور آپؐ کی تعلیمات آج تک صحیح صورت میں اور تمام جزئیات وتفصیلات کے ساتھ محفوظ ہیں، دنیا کی بیشتر زبانوں میں جن کے ترجمے ہو چکے ہیں، اور تاریخ کے ہر دور میں اور دنیا کے تمام حصوں میں ان کا مطالعہ کیا جاتا ہے اور فیض حاصل کیا جاتا ہے، اور قوت وتاثیر اور جذبہ وحرارت سے بھرپور نعتیہ شاعری کا سب سے اہم سرچشمہ امتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنے نبی کے ساتھ عقلی، دینی، جذباتی اور قلبی تعلق ہے، مذاہب کی تاریخ اور قوموں اور امتوں کے حالات میں جس کی مثال نہیں ملتی، باوجود اس کے کہ اکثر قومیں اپنے انبیا ومصلحین کے ساتھ محبت وتعلق میں توحید اور شرک کے درمیان فاصل حدود کا

لحاظ نہیں رکھ سکیں اور بعض اوقات ان کو الوہیت کے درجہ تک پہنچا دیا ہے یا انھیں خالق کونین کا بیٹا قرار دیا۔

عام مدحیہ شاعری، ملوک و امراء اور احباب و اصدقاء کی مدح و توصیف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و توصیف کے درمیان بڑا فرق ہے، نعت کا ذخیرہ عام مدح و توصیف یا مرثیہ کے مقابلہ میں کمیت، معیار اور قدر و قیمت ہر اعتبار سے بہتر و برتر ہے، اس کے نفسیاتی اور عقلی اسباب ہیں، پہلی قسم یعنی نعت نگاری کا تعلق دلوں کی گہرائیوں تک اترے ہوئے عقیدہ، فکر و شعور کی تمام طاقتوں پر اثر انداز ہونے والے ایمان، سعادت و خوش بختی اور توفیق الٰہی اور بسا اوقات نجات و مغفرت، قرب الٰہی اور شفاعت کی امید بھی اس کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے، یہ تمام عقلی، ایمانی اور جذباتی اسباب شاعر کی پوشیدہ طاقتوں کو ابھار دیتے ہیں، خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کر دیتے ہیں، افکار و معانی کی ایک دنیا سامنے آجاتی ہے، محبت و تعلق کے جذبات میں ابال آجاتا ہے، اور جہاں شاعر کا داخلی جذبہ موجزن ہو، دین و ایمان کا تقاضہ کارفرما ہو، دُنیاوی اغراض اور بے قیمت مادی منافع سے دل و دماغ پاک و صاف ہو، صرف اور صرف قلب و روح کی تسکین مقصود ہو تو افکار و الفاظ اور جذبات و خیالات کا بحر زخار شاعر کے سامنے ہوتا ہے، اور وہ ستاروں پر کمندیں ڈالتا ہے۔

لیکن اس کے برعکس جو قصائد کسی بادشاہ یا حاکم، کسی فاتح یا صاحب عزت و ثروت کی شان میں کہے جاتے ہیں وہاں کبھی مادی امیدیں اور آرزوئیں کارفرما ہوتی ہیں اور کبھی خوف و دہشت، وہاں مال و منصب کی طلب ہوتی ہے، یا حالات کا تقاضا اور وقتی مصلحت اور بڑا فرق ہوتا ہے کھوکھلی آواز اور ضمیر کی پکار میں۔ مادی یا سیاسی توقعات کی تکمیل یا سماجی رتبہ و منصب کا حصول مومن کے قلب و ضمیر کے تقاضوں کی تکمیل اور روحانی سکون کے مرتبہ و مقام تک کہاں پہنچ سکتا ہے، ایک طرف ممدوح کے انعام و اکرام کا اعتراف ہے یا مستقبل میں اس کی طلب و توقع تو دوسری طرف جسم کا ہر عضو اور گوشت پوست کا ایک ایک ریشہ سراپا شکر و سپاس ہے، اللہ کے ان احسانات و انعامات پر جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ انسانوں تک پہنچے ہیں، ایمان جیسی نعمت بھی نبی کے ذریعہ حاصل ہوئی اور انسانیت کا مقام عظمت بھی

جمال وکمال اور نغمہ سرائی کے درمیان داخلی احساس اور خارجی اظہار کے درمیان ہمیشہ ہی بڑا مستحکم اور بڑا عمیق تعلق رہا ہے' ان دونوں میں بغیر کسی تکلف وتصنع کے فطری ہم آہنگی رہی ہے' جہاں ساحرانہ قوت کا حامل جمال وجلال ہوگا، جہاں اخلاص وہمدردی سے بھرپور فضل و احسان کا فیض جاری ہوگا وہاں فصیح وبلیغ اشعار بھی سامنے آئیں گے' احسان شناسی وسپاسگزاری کے لطیف جذبات سے بھرپور قصائد بھی' ساحرانہ حسن بیان بھی اور زندہ اور پائیدار ادبی سرمایہ بھی' یہی توافق وہم آہنگی ایسے اشعار کی تخلیق کا بنیادی اور اہم ترین سبب ہے ایسے ہی اشعار نے ہمیشہ کانوں میں رس گھولا ہے دلوں میں کیف وسرور پیدا کیا ہے' انسانوں کو افکار اور اندیشوں کی دنیا سے نکال کر ایسی وسیع دنیا میں پہنچا دیا ہے' جہاں رحمت الٰہی کا سایہ ہو اور ایمان ویقین کی عطر بیز ہوائیں چلتی ہوں جو مشام جان کو معطر کردیں۔

عام مدحیہ شاعری اور نعت نگاری میں ایک اہم فرق یہ بھی ہے کہ ایک شاعر جب اپنے ممدوح کی تعریف وتوصیف میں لب کشا ہوتا ہے' اس کی عظمت کے گن گاتا ہے اس کی خوبیاں گنواتا ہے یا کسی صاحبِ جاہ وسطوت حکمراں' صاحب جود وسخا امیر' حوصلہ مند فاتح یا صاحبِ نظر عالم وصالح بزرگ کا مرثیہ کہتا ہے تو اس کے احساسات وتأثرات ممدوح کی ذات اور اس کی حیات کے حدود سے آگے نہیں بڑھتے، اس کے مرنے کے بعد یا مرثیہ نگاری سے شاعر کی فراغت کے بعد ان اشعار کی نہ کوئی اہمیت رہتی ہے نہ اس میں جذب وکشش، نہ اس شہر اور آبادی کے لئے اس کی کوئی خاص اہمیت ہوتی ہے جہاں وہ پیدا ہوا، زندگی کے ماہ وسال گذارے یا زندگی کی مدت پوری کی اور دفن کیا گیا، اس لئے کہ یہ ممدوح یا جس کا مرثیہ کہا گیا ہے' نوع انسانی کا ایک عام فرد رہا ہوگا، اس کے سارے اوصاف وفضائل اس کی ذات وحیات سے وابستہ تھے جو اس کے مرتے ہی ختم ہو گئے، اس کے مولد ومقام کا انسانیت کی رفتار کی اصلاح اور نوع انسانی کی نجات میں کوئی کردار نہیں ہوتا، اس کے ساتھ دعوت واصلاح جدوجہد' ایثار وقربانی، مروت واخلاص، انسانیت کی عظمت، شجاعت وشہامت، خدا کی راہ میں فداکاری وجانسپاری، جنت کے شوق، شہادت کی طلب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

عظمت و ناموس کو اپنی جان و مال و اولاد پر ترجیح دینے کی یاد یں وابستہ نہیں ہوئیں، اس کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شہروں (مکہ و مدینہ) کو خالق کائنات نے ایمان کی عطر بیز ہواؤں اور عشق و محبت کے لطیف جھونکوں سے نوازا ہے، ایک شہر میں آپؐ پیدا ہوئے اور نبی بنائے گئے، دوسرے شہر کی طرف ہجرت کی اور وہیں مدفون ہوئے، یہی وجہ ہے کہ ان دونوں شہروں کی محبت، سر کے بل وہاں پہنچنے کی خواہش، پلکوں سے اس سرزمین کی صفائی اور آنسوؤں سے اس کو دھونا محبانِ رسولؐ اور نعت نگار شعرا کی سب سے قیمتی اور عزیز ترین تمنا اور آرزو رہی ہے۔

اس صنف سخن کا سب سے زیادہ اور طاقتور ذخیرہ فارسی اور اردو کی نعتیہ شاعری میں پایا جاتا ہے، اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اردو، فارسی شعراء کا وطن جہاں ان کی شاعرانہ صلاحیتیں چمکیں اور پروان چڑھیں اسلام کے مرکز و منبع اور رسول کریمؐ کے دونوں شہروں سے بہت دور تھا اسی کی وجہ سے ایران اور ہندوستان کے شعراء کے نعتیہ کلام میں محبت و شوق، دوری و مہجوری کے احساسات اور محبت کے بازوؤں پر سوار، اڑ کر ان مبارک شہروں تک پہنچنے کی شدید خواہش کا اظہار نمایاں ہے، جیسا کہ ایک عرب شاعر نے اپنے سے دور کسی ممدوح کے بارے میں کہا ہے ؎

فیا غائبا لو وجید نالہ | سبیلا مشینا علی الأرؤس
علی ذلک الوجہ منّی السلام | ولا اوحش اللہ من مؤنس

(وہ محبوب جو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے کاش اس تک پہنچنے کا راستہ ہمیں مل سکتا تو ہم سر کے بل چل کر کے پہنچ جاتے، اس محبوب چہرہ پر میرا سلام ہو، اللہ ایسے مؤنس و جلیس سے محروم نہ رکھے۔)

یہ بات پورے اعتماد سے کہی جا سکتی ہے کہ اردو، فارسی کے وہ اشعار جو مدینہ منورہ کے شوق، ذہن و دماغ میں اس کی تصویریں سجانے اور اللہ تعالیٰ شاعر کو اس مقدس سرزمین کی زیارت کی سعادت سے سرفراز کرے تو اس سفر کی سرگذشت، اثنائے سفر شاعر کا ذوق و شوق، اس سعادت پر مسرت و اعتزاز، اس نادر قیمتی موقع سے استفادہ (جو بہت سے بڑے بڑے

اولیا وصلحا کو بھی نہیں مل سکا) کے بارہ میں کہے گئے، دنیا کے بہترین غزلیہ اشعار میں شمار کئے جا سکتے ہیں، یہ اشعار آج بھی جذبۂ شوق کو مہمیز لگاتے ہیں اور نگاہوں کو نم آلود کرتے، دلوں کی گہرائیوں میں اتر جانے اور عشق و محبت کے جذبات کو مشتعل کرنے کی طاقت وصلاحیت رکھتے ہیں۔

دنیا کے ادبی ذخیرہ میں نعت نبوی کے مقام و منزلت کی تعیین اور اس کا جائزہ خواہ کتنا ہی مختصر کیوں نہ ہو اس مختصر مقالہ میں ممکن نہیں، یہ ایک مستقل کتاب بلکہ کتابوں کے ایک سلسلہ کا موضوع ہے، اور راقم الحروف نے اپنی کتاب "کاروان مدینہ" کے ایک باب "سید العرب والعجم کے حضور میں شعرائے عجم کا خراج عقیدت" میں اسی موضوع پر مختصر اظہار خیال کیا ہے، اور آج کی مجلس اورنگ آباد میں منعقد رابطۂ ادب اسلامی کے اجلاس میں اپنی گفتگو فارسی، اردو کی نعتیہ شاعری میں سیرت نبوی کے کچھ تابناک جلوؤں تک محدود رکھنا چاہتا ہوں، اس موضوع کو اس شہر سے بھی نسبت ہے کیونکہ اس شہر میں مغل شہنشاہ مجاہد فی سبیل اللہ، عاشق رسول اورنگ زیب عالمگیرؒ نے عمر کا طویل حصہ گذارا ہے انھوں نے اپنی وسیع وعریض سلطنت میں اسلامی قوانین نافذ کئے، جن کی وفات سے ہی مغل سلطنت کی بنیادیں کمزور ہوتی چلی گئیں، اور یہیں ان کا مدفن بھی ہے، اس شہر کو ہندوستان کا غرناطہ کہنا درست ہوگا۔

سیرت نبوی کو موضوع بنانے کی وجہ سے نعتیہ شاعری کی قیمت وافادیت میں بیش بہا اضافہ ہوا ہے، اس صنفِ شاعری نے تاریخی حقائق اور سیرت کے مختلف گوشوں کو اس بلاغت اور ایجاز کے ساتھ پیش کیا ہے وہ مطول ومفصل تاریخ نویسی کے ذریعہ (اس کی قیمت واہمیت کے باوجود) ممکن نہیں، سیرت کے واقعات کی طرف یہ بلیغ ولطیف اشارے پڑھنے والوں کے دل میں ایسے طاقتور اور گہرے اثرات چھوڑ جاتے ہیں جو تاریخ نگاروں کے حدود امکان سے باہر ہیں، اس مختصر مقالہ میں ہم فارسی و اردو کے چند نمونوں پر اکتفا کریں گے، ان دونوں زبانوں کی شاعری اس قیمتی ادبی سرمایہ سے مالا مال ہے ان دونوں زبانوں کے بولنے والے شاید اسی طرح کے جلوؤں اور قلیل الفاظ، عمیق معانی اور چند اشعار میں طویل تاریخی واقعات کی تلخیص کے زیادہ ضرورت مند بھی تھے۔

یہاں ہم زمانی ترتیب کا لحاظ رکھتے ہوئے چند نمونے پیش کرتے ہیں اور شیخ سعدی (م ۶۹۱ھ)

شیرازی کے ایک شعر سے ابتدا کرتے ہیں ؎

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست
کتب خانۂ چند ملت بشست

وہ کہتے ہیں کہ ایک یتیم اُمّی بچہ، جو زندگی بھر اُمّی ہی رہا جس نے کسی مکتب میں کوئی کتاب بھی نہیں پڑھی تھی، اس نے کئی قوموں اور ملتوں کے پورے کے پورے کتب خانوں پر ایسا پانی پھیر دیا کہ ان کی قدر و قیمت اور زندگی کی صلاحیت ختم ہوگئی، ان کی جگہ ایسا کتب خانہ قائم کردیا جو قیامت تک کے لئے علم و عرفان کا مصدر اور تشنہ کاموں کی سیرابی کا مرکز و منبع ہے۔

یہ تاریخ کا ایک معمہ ہے کہ تاریخ انسانی میں سب سے بڑی علمی تحریک اور تصنیف و تالیف کا سب سے عظیم الشان سلسلہ ایک اُمّی نبی کے فیض سے شروع ہوا، اس زبردست علمی سرگرمی اور علم و ثقافت کی ایسی عظیم خدمت جس کا اُمّت محمدیہ نے علم بلند کئے رکھا، اس کا اس امیت سے تعلق ایک اہم تاریخی سوال ہے، جو عقلائے عالم اور فلسفہ تاریخ کے ماہرین سے اطمینان بخش جواب کا طالب ہے کہ ایک ایسے یتیم نے جو ایک دن بھی کسی مکتب میں نہیں بیٹھا اور علم کے مبادی بھی اس نے حاصل نہیں کئے اس نے تمام ادیان کے کتابی ذخیروں پر خط نسخ کھینچ دیا پھر نہ ان کی معنویت باقی رہی نہ قدر و قیمت۔

ممکن ہے کسی کو اس شعر سے یہ غلط فہمی ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اس باب میں ایجابی نہیں سلبی تھا جس نے قدیم علمی ذخائر اور کتب خانوں کو منسوخ کردیا جو اپنے پیغام اور ایجابی کردار سے محروم ہو چکے تھے بلکہ وہ گمراہی اور باطل کو فروغ دے رہے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی آخر الزماں کا معجزہ سلبی سے زیادہ ایجابی اور تعمیری تھا جس نے کتابوں کے ایک محدود مجموعہ کو تو منسوخ کیا اور ان کی جگہ پر انسانیت کو ایسا وسیع اور بھرپور کتب خانہ عطا کیا جس کی قوموں کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی، نبوت محمدیہ کی پھیلائی ہوئی روشنی اور اس کی تعلیمات سے ایسا علمی جوش اور علم کی راہ میں مرمٹنے کا جذبہ پیدا ہوا اور ایسی علمی سرگرمی وجود میں آئی جس کے زمانی حدود بھی بڑے وسیع ہیں اور مکانی رقبہ بھی اور معنوی حدود ان دونوں سے بھی کہیں زیادہ وسیع ہے ہم اس سلسلہ میں فرانس کے مشہور مؤرخ گستاؤلیبان کی شہادت کافی سمجھتے ہیں، یہ

مغربی عالم ومحقق اپنی مشہور کتاب "تمدّن عرب" میں لکھتا ہے :۔

عربوں کے علمی وتحقیقی کارناموں پر انسان حیران رہ جاتا ہے، کچھ قومیں ایسی مل سکتی ہیں جنھوں نے اسی میدان میں عربوں کی ہمسری کی ہو لیکن ایسی کوئی قوم نظر نہیں آتی جو ان پر فوقیت حاصل کرسکے، عرب جب بھی کسی شہر پر قبضہ کرتے تھے تو اپنی توجہ وہاں مسجد تعمیر کرنے اور مدرسہ قائم کرنے پر مرکوز کردیتے تھے، شہر بڑا ہوتا تو کئی مدرسے قائم کرتے، انھیں میں سے وہ بیس۲۰ مدرسے بھی ہیں جو بنیامین تطیلی (م ۱۱۷۳ء) نے اسکندریہ میں دیکھے تھے، یہ ان جامعات کے علاوہ ہیں جو بغداد، قاہرہ، طلیطلہ اور قرطبہ جیسے شہروں میں قائم کی گئیں، جن میں تجربہ گاہیں بھی تھیں، رصد گاہیں بھی اور کتب خانے بھی، یہ ساری چیزیں علمی تلاش وتحقیق میں معاون ہوا کرتی تھیں، صرف اندلس میں عربوں کے ستر کتب خانے تھے، قرطبہ میں خلیفہ حکم ثانی کے کتب خانہ میں چھ لاکھ کتابیں تھیں اور چوالیس۴۴ جلدوں میں اس کی فہرستیں تھیں، جیساکہ عرب مؤرخین نے بیان کیا ہے، اس کے مقابلہ میں کہا جاتا ہے کہ چار سو۴۰۰ سال بعد چارلس حکیم" فرانس کے شاہی کتب خانہ میں نو سو۹۰۰ مجلدات سے زیادہ اکٹھا نہیں کرسکا جن میں تقریباً ایک تہائی کتابیں علم لاہوت سے متعلق تھیں (حضارۃ العرب ص۴۳۴ عربی ترجمہ ازعادل زعیتر)

سعدی شیرازی کے بعد ہندوستان کے فارسی شاعر امیر خسرو (م ۷۲۵ھ) کا نام آتا ہے، جن کی استادی اور صحت زبان ایران میں بھی مسلّم ہے، اور ایرانی شعراء نے بھی فارسی شاعری میں ان کی فنی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں :

دم غلغلش کہ جاں دادہ عرب را — فرو کشتہ چراغ بولہب را
دو گامے زیں جہاں تا آں جہانش — دو جولاں از مکاں تا لامکانش

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انفاس قدسیہ اور اخلاق حسنہ نے جاں بہ لب عربوں میں زندگی کی روح پھونک دی اور ابولہب کے شعلہ کو ایک پھونک میں بجھا دیا جو سارے خشک وتر کو جلا دینے کے لئے بے چین تھا، دو گام میں آپ نے اس جہاں سے

اُس جہان اور ایک ہی جست میں عالم مادی سے روحانی دنیا کا سارا فاصلہ طے کرلیا۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی (م ۸۹۸ھ) کہتے ہیں :۔

اے عربی نسبت و اُمّی لقب　　بندہ تو ہم عجم و ہم عرب
تیغ عرب زن کہ فصاحت تراست　　صید عجم کن کہ ملاحت تراست
چوں ز تو خوانند و نویسند ہم　　گر تو نخوانی و نہ نویسی چہ غم
از سیاہ راست سفیدی امید　　بہ کہ سیاہی نہ نہی بر سپید

مولانا جامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرتے ہیں :۔

اُمّی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کی نسبت عربی ہے اور جن کا لقب اُمّی ہے، عرب وعجم سب ہی آپ کی عظمت و سیادت کے سامنے سرنگوں ہیں، آپ کی فصاحت نے عربوں کے دلوں کو مسخر کرلیا، آپ کے جمال نے عجمیوں کو اسیر بنا لیا، آپ لکھنے تھے نہ پڑھنے تھے لیکن اس میں نقص کیا ہے، کیونکہ آپ ہی کی بعثت اور آپ ہی کے فیض سے ان پڑھوں نے پڑھنا لکھنا سیکھا اور جاہلوں میں علمی صلاحیت و مہارت پیدا ہوئی، آپ ہی کی برکت سے سیاہ اعمالنامے دھل گئے، اور روشن ہوگئے، آپ کے چہرۂ انور کی روشنی سے تاریکیاں چھٹ گئیں تو اس میں کوئی حرج یا نقص نہیں کہ آپ نے سفید کاغذ پر کوئی سیاہ لکیر نہیں کھینچی اور سیاہی میں مزید کسی سیاہ نقطہ کا اضافہ نہیں کیا۔

اردو کے سب سے مشہور و مقبول غزل گو شاعر اسداللہ خاں غالب (م ۱۲۸۵ھ) جنھیں اپنے فارسی کلام پر بڑا ناز تھا، کہتے ہیں :۔

بہ دستش کشاد قلم نارسا　　بہ کلکش سواد قلم نارسا
برفتار صحرا گلستاں کنی　　بہ گفتار کافر مسلماں کنی
بد نیا ز دیں روشنائی دہی　　نہ عقبیٰ ز آتش رہائی دہی
بمحراب مسجد رخ آرائے دیر　　بہ اندیش خویش و دعا گوئے غیر

تو گوئی زلیس دل زدشمن ریاست که رنگ درش سنگ آہن ریاست

آپ کی انگلیوں نے قلم کبھی چھوا تک نہیں لیکن ایسی تحریریں چھوڑیں جن کی مثال پیش کرنے سے تاریخ عاجز ہے، جس صحرا میں بھی قدم رکھا اسے گلستاں بنا دیا، جس کافر سے بھی گفتگو کی اسے حلقہ بگوش اسلام کر لیا، دنیا کو دین کی روشنی سے منور کر دیا، مومنین کو عذابِ الہٰی سے نجات دلائی آپ کے اخلاق نے دشمن کا دل موم کر دیا اور سنگ درنے لوہے کو پگھلا دیا، مسجد میں معتکف ہیں پر دل خلق خدا کی فکر میں غلطاں و پیچاں ہے۔

غالب کے بعد جدید اسلامی شاعری کے سرخیل خواجہ الطاف حسین حالی (م ۱۳۳۳ھ) اپنی مشہور طویل نظم "مد و جزر اسلام" میں "مسدس حالی" کے نام سے بچہ بچہ کی زبان پر ہے کہتے ہیں۔ ان اشعار میں انھوں نے سیرت و اخلاق طیبہ کا عطر جمع کر دیا ہے۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماوی
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولا

خطا کار سے درگزر کرنے والا بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کو زیر و زبر کرنے والا قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

مس خام کو جس نے کندن بنایا کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا سے
ادھر سے ادھر پھر گیا رخ ہوا کا

پڑی کان میں دھات تھی اک نکمی نہ کچھ قدر تھی اور نہ قیمت تھی جس کی
طبیعت میں جو اس کے جوہر تھے اصلی ہوئے سب تھے مٹی میں مل کر وہ مٹی

یہ تھی ثبت علم قضا و قدر میں
کہ بن جائیگی وہ طلا اک نظر میں

گھٹا اک پہاڑوں سے بطحا کے اٹھی	پڑی چار سو یک بیک دھوم جس کی
کڑک اور دمک دور دور اس کی پہنچی	جو ٹیگس پہ گرجی تو گنگا پہ برسی
رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

کیا جا کے آباد ہر ملک ویراں	مہیا کئے سب کی راحت کے ساماں
خطرناک تھے جو پہاڑ اور بیاباں	انھیں کر دیا رشک صحن گلستاں
بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انھیں کی لگائی ہوئی ہے

حفیظ جالندھری "شاہنامہ اسلام" میں سرور کائنات کی بارگاہ میں صلوٰۃ وسلام پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

سلام اے سروحدت اے سراج بزم ایمانی	زہے یہ عزت افزائی زہے تشریف ارزانی
اگرچہ فقر فخری رتبہ ہے تیری قناعت کا	مگر قدموں تلے ہے فر کسرائی و خاقانی
سلام اے آتشیں زنجیر باطل توڑنے والے	سلام اے خاک کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ مختصر مقالہ شاعر اسلام محب رسول علامہ اقبال کے نعتیہ اشعار پر ختم کیا جائے، وہ مثنوی اسرار خودی میں کہتے ہیں:۔

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است	آبروے ما ز نام مصطفیٰ است
بوریا ممنون خواب راحتش	تاج کسریٰ زیر پائے امتش
در شبستان حرا خلوت گزید	قوم و آئین و حکومت آفرید
ماند شبہا چشم او محروم نوم	تا بہ تخت خسروی خوابید قوم
وقت ہیجا تیغ او آہن گداز	دیدۂ او اشکبار اندر نماز
در دعائے نصرت آمین تیغ او	قاطع نسل سلاطیں تیغ او

در جہاں آئین نو آغاز کرد | مسند اقوام پیشیں در نورد
از کلید دیں در دنیا کشاد | ہمچو او بطن اُمِ گیتی نزاد
در نگاہ او یکے بالا و پست | با غلام خویش بر یک خوان نشست
در مصافے پیش آں گردوں سریر | دختر سردار طے آمد اسیر
دختر ک را چوں نبی بے پردہ دید | چادر خود پیش روئے او کشید
آں کہ بر اعداء در رحمت کشاد | مکہ را پیغام لاتثریب داد
ما کہ از قید وطن بیگانہ ایم | چوں نگہ نور دو چشیم و یکیم
از حجاز و چین و ایرانیم ما | شبنم یک صبح خندانیم ما
ہستی مسلم تجلی گاہ او | طورہا بالد ز گرد راہ او

تصحیح

کاروانِ ادب کے پہلے شمارہ میں "رابطۂ ادب اسلامی کے آٹھ مذاکراتِ علمی" کے زیرِ عنوان رابطہ کی طرف سے منعقد کردہ اس وقت تک کے مذاکراتِ علمی کے مقالات اور مقالہ نگاروں کی ایک فہرست دی گئی تھی، اس میں سہواً پانچویں مذاکرۂ علمی میں جس کا عنوان "تحریک آزادی و اصلاحِ عوام میں ادبِ اسلامی کا حصہ" تھا، اور جو ۷-۹ر اکتوبر ۱۹۸۹ء کو حیدرآباد میں ہوا تھا، لاہور پاکستان کے ڈاکٹر تحسین فراقی صاحب کا نام چھوٹ گیا تھا، جو اپنے مقالہ کے ساتھ شریک ہوئے تھے جس کا عنوان تھا "برِّعظیم کی فکری آزادی کی تحریک میں اکبر کا کردار"۔ اور یہ مقالہ بڑا فکر انگیز اور معلومات افزا تھا، ادارہ اس سہو پر معذرت خواہ ہے۔ (ادارہ)

مولانا عبدالکریم پاریکھ

مقام محمود

اک نامِ مصطفےٰ ہے جو بڑھ کر گھٹا نہیں
ورنہ ہر اک عروج میں پنہاں زوال ہے

اللہ کی صفتِ رحمٰن مجموعی اور وسیع رحمت کا مظہر ہے، اس کی ذات میں رحمت و صفات بیکراں ہیں، جہاں تک رسائی انسانی عقل و ادراک کے احاطے سے باہر ہے۔ چونکہ وہ خالق و مالک ہے، غفور و رحیم ہے، لہذا شرک و بدعت اور عقیدہ میں بگاڑ لاتے والی مخدوش راہ کو چھوڑ کر اس ذات پاک کی حمد و ثنا میں مشقِ سخن کرنے والوں کو اپنی جولانی طبع، مضامین و تخیل کی بلندی اور تعلق باللہ کی وجہ سے بندش الفاظ میں ایک وسیع میدان ہاتھ آیا چنانچہ دورِ اوّل سے آج تک اور انشاءاللہ قیامت تک خدام ادب خصوصاً شعراء، ادباء اور انشا پردازوں نے خوب سے خوب تر حمد و ثناء کا پیرایہ اختیار کیا ہے اور یہ سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔

اس کے برعکس فارسی کے مشہور مصرع کے مصداق ؎

با خدا دیوانہ باش با محمد ہوشیار

محسنِ انسانیت، صاحبِ قرآن، ساقی کوثر، شافع محشر، سیدالانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح، شان، منقبت اور آپؐ کی توصیف میں کمال احتیاط، سنجیدگی، شائستگی، کمالِ ادب پاکیزگی اور جذبۂ عشق رسولؐ میں حد درجہ سرشاری نیز درد و اثر سوز و تپش، ہوش، دانش، فہم کے ساتھ عرفانِ محمدؐ فیضانِ محمدؐ اور مقام محمدؐ کا پورا ادب احترام ملحوظ رکھنا ضروری ہے، وارفتگی یا ترنگ میں آکر کوئی حدِ اعتدال اور دامنِ ادب چھوڑ دے تو اجر و ثواب کی جگہ عتاب کا کھٹکا

لگا ہوا ہے، یہ وہ صنفِ سخن ہے جہاں مبالغہ آرائی پر "محتاط قلبی جذبات" کی قید ضروری ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خدامِ ادب، علماء و فقہاء کے نزدیک شعر و سخن کی اصناف میں سب سے زیادہ نازک صنف نعت گوئی ہے، اللہ ربّ العزّت، اس کے ملائکہ جس ہستی پر درود و سلام بھیجیں، مخلوق جس کی توصیف کرے، جس ذات کے لئے تخلیق کائنات کی گئی، جس مبارک ہستی کی وجہ سے خالق و مخلوق میں بلاواسطہ رابطہ ہو گیا، جس کے سینۂ مبارک پر ۲۳ برس تک تنزیلِ وحی کا مقدس سلسلہ جاری رہا ہو، روح القدس جیسے عظیم المرتبت فرشتے جن سے بالمشافہ ہم کلام ہوئے ہوں، جن کو معراج اور کوثر نصیب ہوئی ہو، جن کے ذکر سے قلب میں محبّت مؤدّت، روح کو بالیدگی اور یقین کو نہالی نصیب ہوا اور جن کی آمد کی اطلاع تقریباً ہر رسول نے دی ہو، لہٰذا ایسی شان والے رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اپنے دل، اپنی محبت، اپنے اخلاص اور اپنی وفا کی نذر پیش کرنا اور اپنے جذبات و احساسات کی نمائندگی کے لئے ایسے الفاظ کا انتخاب جو محسنِ انسانیت کے شایانِ شان، مقامِ نبوت کی عظمت کا عرفان اور دل و ذہن اور روح کو عشقِ نبوت سے سرشار کرا دینے والے اشعار اتباعِ شریعت میں کہنا نعت گوئی ہے۔ بقول اقبال ؎

عشق کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقۂ آفاق میں گرمیٔ محفل ہے وہ

ایک اور شاعر ان الفاظ میں عقیدتِ رسولؐ کا اظہار کرتا ہے ؎

خالقِ کائنات کا منشاء و مدعا نبی
خلق کی ابتدا نبی خلق کی انتہا نبی
فلک کے جبرئیل بھی رستے سے پلٹ آتے ہیں
کتنا اونچا ہے خدا جانے محمد کا مقام

جب مالکِ حقیقی نے اپنے محبوب کی تعریف میں کہیں "یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ" کہیں "یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ" کہیں "طٰہٰ مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰی وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ فَقَدْ جَاءَکُمْ بَشِیْرٌ وَّنَذِیْرٌ" کہیں "خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ" کہیں "اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ" اور "وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ" فرما کر مدارج و مقاماتِ محمدؐ کی انتہا کر دی، اس کے بعد کسی بندۂ بشر کے لئے

مشقِ سخن کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے کہ وہ آپؐ کی صفات محمودہ کی ادائیگی کا حق کما حقہ ادا کرسکے چنانچہ بڑے بڑے فصیح اور بلیغ شاعر بھی اپنی تمام صلاحیتوں کو صرف کرنے کے بعد بھی کہنے پر مجبور نظر آتے ہیں ؂

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اللہ کا شکر ہے کہ اس وقت ہم ایسے عنوان پر گفتگو کر رہے ہیں کہ جس کا ذکر دیگر آسمانی کتابوں کے علاوہ قرآن مجید میں بار بار دیکھنے کو ملتا ہے، قرآن مجید میں خدا نے اپنے پیغمبروں پر درود وسلام کا تحفہ اکثر مقامات پر فرمایا ہے اور اس کی تلقین، تاکید اور تعلیم اہلِ ایمان کو بھی دی گئی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے فراغت کے ساتھ ارشاد باری ہے :۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۔ ۳۳/۵۶

الحمد للہ اہلِ ایمان تو آج بھی اپنے نبی پاک اور دیگر تمام پیغمبروں پر ہدیۂ درود وسلام پڑھتے ہیں، اور قیامت تک پڑھتے رہیں گے، لیکن زمین پر بسنے والی انسانی آبادی میں یہود و نصاریٰ اور مسلمان یہ تینوں اہلِ کتاب گروہوں نے انبیاء و مرسلین کی مدح، ان کی تعریف و توصیف منقبت عزت واحترام کو دین کا ایک اہم جزو سمجھا اور امرِ واقعہ بھی یہی ہے۔

اہلِ کتاب جب اپنی کتاب سے دور اور انبیاء کی تعلیم سے غافل ہوئے تو تینوں میں بگاڑ کے سبب ان کے پیٹ بھرو، ابن الوقت اور جعلی مذہبی رہنماؤں نے دین و شریعت پر ڈاکہ ڈالا گھر کا چور بدنیت ہو کر گھر کے اسباب پر ہاتھ ڈالنے لگے تو پھر اس گھر کی خیر نہیں یہی معاملہ اہل کتاب امتوں کے ساتھ پیش آیا قرآن مجید کا گہرا مطالعہ کرنے سے ہر عاقل بالغ پر یہ بات کھل جائے گی کہ انبیاء کی تعریف و توصیف میں ان کی امتیں جب تک حدِ اعتدال کی پابند رہیں تب تک ان کے اندر اپنے پیغمبروں کے لئے ہدیۂ سلام و درود جاری وساری رہا جیسے کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے :۔

"سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ۔ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۔ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا"، لیکن جب کتاب اللہ اور

تعلیم انبیاء سے غفلت کے نتیجے میں انبیاء اور مرسلین کو مقامِ نبوت سے اٹھا کر مقامِ الوہیت میں پہنچا دیا گیا تو ایسی امتوں کے جہاز بے لنگر ہوئے یہاں تک کہ انبیاء کے نام، کام اور مشن بھی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

جبکہ ہبوطِ آدم سے بعثت محمدیؐ صلی اللہ علیہ وسلم تک کے ہر دور میں دنیا کے انسانوں کو دینِ حنیف کی دعوت دی جاتی رہی، انبیاء بھیجے گئے، مقدس کتابیں نازل کی گئیں جن لوگوں نے انبیاء کی دعوت اور خدائی کتابوں کے ضوابط کو تسلیم کیا وہ مسلم کہلائے اور فی الواقع یہی لوگ مسلم تھے، اور اب بھی صرف انھیں لوگوں کو وحی کی اصطلاح میں مسلم کہا جائے گا جو خدا کے تمام نبیوں کو مانتے ہوں اور اس کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہوں۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ۔

مومن وہ ہیں جو ایمان لاتے ہیں، اس کتاب پر جو آپؐ پر اتاری گئی اور ان کتابوں پر جو آپؐ سے پہلے اتاری گئیں، مگر جب یہی ماننے والے بگڑتے ہیں تو سب کچھ رہ جاتے ہیں مگر مسلم نہیں رہ پاتے۔

دورِ مسیحؑ میں جب دعوتِ مسیح کو تسلیم کیا گیا تو وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (اور گواہ رہو کہ ہم مسلم ہیں) کی آواز سنائی دی لیکن جب اس دعوت میں بگاڑ آیا تو قَالُوْا اِنَّا نَصٰرٰی (کہا کہ ہم نصرانی ہیں) کا نعرہ لگ گیا اور خدا کے مسلم بندے پھر بہت سے گروہوں میں بٹ گئے اور اس کے پہلے دعوت یعقوبیؑ جسے لاڈ پیار کے نام سے خدائی آواز کے مطابق "اسرائیل" کہا جاتا ہے، یہ بنی اسرائیل اپنے وقت کے مسلم تھے ان کے باپ نے مرتے وقت نصیحت کی تھی کہ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (صرف اس صورت میں مرنا کہ تم مسلم رہو) اور یہ رہے بھی مسلم ہی مگر ان کی نسل جیسے جیسے آگے بڑھتی گئی زمانے کے اثرات ان پر پڑتے رہے اور یہ بنی اسرائیل مسلمانی چھوڑ کر یہودی بن گئے اسی لئے قرآن میں جہاں ان کو ناراضی سے آواز دی گئی وہاں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْا (اے لوگ جو یہود ہو گئے) فرمایا یعنی تم یہودی تھے نہیں بلکہ بن گئے ہو تم تو مسلم تھے ہمارے تھے تمہیں بتہ بھی ہے کہ اب کس کے ہو چلے ہو؟

بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ کوئی شخص جماعت یا گروہ غلطی پر ہو کر بھی یہ ضد کرے کہ میں سیدھی راہ پر ہوں غالباً اس زعم میں آکر یہود و نصاریٰ نے یہ اعلان کیا کہ لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ

هُوْدًا اَوْ نَصَارٰى (اور کہتے ہیں کہ جنت میں کوئی داخل نہیں ہوگا سوائے یہودی اور نصرانی کے) یہ دونوں اہلِ کتاب انھیں آخری رسولؐ کے ان حالات کے انکاری ہوئے جبکہ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَهُمْ (وہ پہچانتے ہیں اس نبیؐ کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو) نیز يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ (اس نبیؐ کو یہ لوگ لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے یہاں توراۃ اور انجیل میں)

یہود و نصاریٰ کے اس مردود طرزِ عمل کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے آخری رسولؐ کی زبانی گزشتہ آسمانی کتب توریت، انجیل زبور، صحف ابراہیمؑ اور صحیفۂ موسیٰؑ کا تذکرہ فرما کر ساری دنیا میں ان کتاب کی صداقت کا اعلان کر دیا، اور ان کے نام و نشان کو قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا حالانکہ یہ آسمانی کتابیں اب اصلی شکل میں باقی نہیں رہیں اور زبردست تحریف سے بھرپور ہیں پھر بھی مسلمانوں کو ان کتاب پر ایمان لانے کو پابند کر دیا۔ اتنی تحریف کے باوجود ان کتب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشخبری اور پیشین گوئی موجود ہے جیسا کہ قرآن میں حضرت عیسیٰؑ کا قولِ مبارک ہے وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِى اسْمُهٗ اَحْمَدُ۔

آج بھی اناجیل اربعہ (جن پر بھی دنیا متفق ہے) میں رسول عربیؐ کی ذاتِ گرامی کی مدح و ستائش کے ساتھ بعثت محمدیؐ کی پیش خبری موجود ہے، کہیں آپؐ کو دنیا کا سردار" مددگار" سچائی کی روح" "ابد تک رہے گا" سچائی کی راہ دکھائے گا" اور "خود عیسیٰؑ کی گواہی دے گا" جیسے الفاظ موجود ہیں۔

یونانی زبان میں آپؐ کے نام مبارک کے لئے فارقلیط اور سریانی زبان میں منحمنا کا استعمال ہوا ہے جس کے معنی سوائے محمدؐ اور دوسرے ہو ہی نہیں سکتے، عیسائی دنیا میں جو چاروں اناجیل قانونی اور معتبر قرار دی گئی ہیں ان میں سے کسی کا لکھنے والا نہ تو حضرت عیسیٰؑ کا صحابی تھا اور نہ ہی کسی نے ایسا دعویٰ کیا ہے برخلاف اس کے انجیل برنباس جسے عیسائی دنیا غیر معتبر متروک و ممنوع قرار دیتی ہے، اس کا مصنف کہتا ہے کہ میں مسیح کے اولین بارہ حواریوں میں سے ہوں اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت عیسیٰؑ نے مجھ سے کہا تھا کہ میرے متعلق جو غلط فہمیاں لوگوں میں پھیل گئی ہیں،

ان کو صاف کرنا اور صحیح حالات دنیا کے سامنے لانا تیری ذمہ داری ہے، یہی وجہ ہے کہ انجیل برنباس میں مسیح علیہ السلام اناجیل اربعہ کی بہ نسبت اپنی اصل شان میں بہت زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں اور انجیل برنباس میں ان تضادات کا عنصر بھی نہیں جو چاروں انجیل میں اور ان کے مختلف اقوال و احوال میں موجود ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف و منقبت اور بشارت سے بھرپور برنباس کے چند اقتباس مختصراً پیش ہیں۔

۱ ۔ تمام انبیاء جن کو خدا نے دنیا میں بھیجا جن کی تعداد ایک لاکھ ۴۴ ہزار تھی انھوں نے بات کی مگر میرے بعد تمام انبیاء کی کہی باتوں پر روشنی ڈالے گا کیونکہ وہ خدا کا رسول ہے۔

۲ ۔ مگر خدا کا رسول جب آئے گا گویا خدا اس کو اپنے ہاتھ کی مہر لگا دے گا...... وہ دنیا کی تمام قوموں کو جو اس کی تعلیم پائیں گی نجات اور رحمت پہنچا دے گا........ وہ بت پرستی کا ایسا قلع قمع کرے گا کہ شیطان پریشان ہو جائے گا...... کہ وہ بنی اسرائیل میں سے ہوگا۔

۳ ۔ وہ ایسی صداقت کے ساتھ آئے گا جو انبیاء کی لائی ہوئی صداقت سے زیادہ واضح ہوگی۔

۴ ۔ سوائے اس کا نام مبارک محمدؐ ہے۔

۵ ۔ مگر جب محمدؐ یعنی خدا کا رسول آئے گا تو میری بدنامی دور کر دی جائے گی کہ لوگ یہ جان لیں گے کہ میں زندہ ہوں اور اس ذلت کی موت سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔

۶ ۔ لہٰذا جب اللہ کا رسول آئے گا تو اس لئے آئے گا کہ ان ساری چیزوں کو صاف کر دے جن سے بیہودہ لوگوں نے میری کتاب کو آلودہ کر دیا ہے۔

باوجود اس حقیقت کے کہ قرآن مجید سے پہلے کی تمام آسمانی کتابیں اب اپنی شکل میں باقی نہ رہیں لیکن سلام ہو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر آپؐ کو اپنی کتاب عطا ہوئی جو سابقہ کتب پر "مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ" (نگہبان) نیز لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ (جس میں کوئی غلطی نہیں آسکتی) وانا لہ لحفظون (اور ہم ہی اس کتاب کی حفاظت کریں گے) کے ساتھ ساتھ اس کتابِ مبین کا ایک خصوصی وصف یہ ہے کہ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى (یعنی آپ سے پہلے کی تمام کتب اور

انبیاء کے مشن کا نچوڑ اس کتاب میں آگیا ہے، اور قرآن مجید میں انبیاء و مرسلین کی مدح توصیف تعریف اور درود و سلام کو عین عبادت بتلایا گیا ہے، ہر مسلمان اپنی نماز میں التحیات کے موقع پر حضرت سیدنا ابراہیمؑ سے لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء پر ہدیۂ درود و سلام پیش کرتا ہے۔

یہ تو ہوا آسمانی کتب میں ذکرِ رسولؐ کا بیان لیکن یہ بھی ایک ناقابلِ فراموش حقیقت ہے کہ انبیاء کی تعریف و توصیف میں خوب سے خوب تر خیال اور مضمون کی بندش کے چکر میں پڑ کر اکثر شعراء رنگین خیالی اور تصوّر کی دنیا میں بے سر پیر کے خیالی محل بناتے ہیں پیٹ کی خاطر عوام کو خوش کرنے کے لئے بے سر پیر کی باتیں جوڑ جاڑ کر اپنا سکہ جماتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے شاعری کو حضورؐ کے لئے شایانِ شان نہیں بتلایا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ذلیل و خوار ہو وہ شخص جس کے پاس میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ (ترمذی)

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آئے اور آپ پر ہدیۂ درود و سلام نہ بھیجا جائے اس کا حال آج کل کی بازاری شاعری اور قوالی میں بہت زیادہ بنا ہوا ہے، نکمّے اور دین سے فرار حاصل کرنے والے لوگ محض جاہل ہیں اور نادانی میں مندرجہ بالا حدیث شریف کی روشنی میں اپنی دنیا و آخرت خراب کرتے ہیں۔

البتہ بازاری شاعری کے مقابلے میں حقیقت پسندی سے رضائے الٰہی کے تحت اپنے کلام سے دین کی خدمت انجام دینے والے شعراء کا دوسرا گروہ ہے دربارِ نبوت کے شاعر حسّان بن ثابتؓ سے لے کر مولانا روم پھر حالی، اقبال، اکبر و جوہر کی شاعری اس طبقہ میں آتی ہے۔

مسلم کی حدیث جس میں حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود و سلام بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ صلوٰۃ (یعنی رحمت و عنایت) نازل فرماتا ہے۔

اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے آپؐ پر ہدیۂ درود و سلام کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے اپنی بات ختم کریں گے۔ اللّٰھم صلِّ علیٰ محمدٍ عبدك ورسولك النبی الاُمّی۔

عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا (۱۷ بنی اسرائیل آیت ۷۹) بہت قریب ہے کہ آپؐ کا رب آپؐ کو ایسے مقام پر کھڑا کرے گا، جو بہت ہی تعریف والا محمود مقام ہوگا۔

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

ہندوستان کی نعتیہ شاعری

عصری آگہی اور ملّی شعور کا مُرقع

شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی کی نعت جس میں انھوں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ملّتِ اسلامیہ کا حال زار بیان کیا ہے اردو ادب و شعر کی دنیا کی معروف نظم ہے۔ ترسٹھ اشعار پر مشتمل اس نظم کی ابتدا پُر درد اور رقّت انگیز ہے:

اے خاصہ خاصانِ رسل وقتِ دُعا ہے — امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے — پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے
جس دین کے مدعو تھے کبھی سیزر و کسریٰ — خود آج وہ مہمان سرائے فقرا ہے
وہ دین ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں — اب اس کی مجالس میں نہ بتی نہ دیا ہے
جو دین کہ تھا شرک سے عالم کا نگہباں — اب اس کا نگہبان اگر ہے تو خدا ہے

نعت کا یہ رنگ اور یہ آہنگ ہندوستان کی نعتیہ شاعری کا امتیاز ہے۔ اجتماعی، سیاسی، تاریخی اور ملّی شعور کی جھلکیاں جتنی کثرت اور جذبہ کی شدّت کے ساتھ اردو زبان کی نعتیہ شاعری میں ملتی ہیں عربی اور فارسی میں نہیں ملتیں۔ حالانکہ ان دونوں زبانوں میں اعلیٰ درجہ کی نعتیہ نظمیں اور قصیدے موجود ہیں۔ ایک حالی ہی نہیں درجنوں نعت گو شعراء ذات رسالت مآب کے ساتھ اپنے عشق و شیفتگی کے ذکر کے ساتھ ملت کا اجتماعی حال بھی درد کی زبان میں بیان کرتے رہے ہیں اور غم جاناں کے ساتھ غم دوراں کی روداد سُناتے رہے ہیں، اور اس اعتبار سے سب کے سب حالی کے شریک حال اور ان کے ہم زبان و ہم خیال ہیں۔

حالی نے مدو جزر اسلام کے نام سے ایک طویل نظم لکھی ہے جو حجم کے اعتبار سے ایک چھوٹی

کتاب ہے اور مسدّس حالی کے نام سے مشہور ہے۔ اس نظم میں انھوں نے مسلمانوں کے دورِ اقبال کی تاریخ بیان کی ہے اور دورِ اقبال کے بعد عہدِ زوال کی تصویر بھی کھینچی ہے۔ اس طویل نظم کا مقصود مسلمانوں کو جگانا اور جھنجھوڑنا ہے۔ نظم کے آغاز ہی میں مقصد کی طرف صاف صاف اشارہ موجود ہے:

کسی نے یہ بقراط سے جا کے پوچھا مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا
کہا دُکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا
مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں
کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھیں
سبب یا علامت گر ان کو سمجھائیں تو تشخیص میں سو نکالیں خطائیں
دوا اور پرہیز سے جی چرائیں یونہی رفتہ رفتہ مرض کو بڑھائیں
طبیبوں سے ہرگز نہ مانوس ہوں وہ
یہاں تک کہ جینے سے مایوس ہوں وہ
یہی حال دنیا میں اس قوم کا ہے بھنور میں جہاز آ کے جس کا گھرا ہے
کنارا ہے دور اور طوفاں بپا ہے گماں ہے یہ ہر دم کہ اب ڈوبتا ہے
نہیں لیتے کروٹ مگر اہلِ کشتی
پڑے سوتے ہیں بے خبر اہلِ کشتی

حالی نے اس کے بعد قبل از اسلام کی حالت اور جاہلیت کا نقشہ کھینچا ہے اور پھر اس پس منظر میں آفتاب ہدایت کو طلوع ہوتے دکھایا ہے۔ یکایک غیرتِ حق کو حرکت ہوئی اور جانب بوقبیس ابر رحمت بڑھا اور دعائے خلیل و نوید مسیحا کے ظہور کا وقت آگیا۔ ۲۴ اشعار میں نعتِ رسول کہنے کے بعد ان کا قلم اسلامی تاریخ کی طرف مُڑ جاتا ہے۔ آخر میں انھوں نے عصرِ حاضر کے مسلمانوں کے بگڑے ہوئے کردار و اخلاق کی تصویر پیش کر دی ہے۔ عروج کے پس منظر میں زوال کا منظر زہرہ گداز اور دل تڑپا دینے والا ہے اور یہی شاعر کا مقصود بھی ہے۔ حالی کی شاعری گہرے ملی شعور کی آئینہ دار ہے۔ اقبال کے یہاں ملی شعور اور بھی گہرا ہو جاتا ہے اور عصرِ حاضر کی فلسفیانہ تحلیل تک پہنچ جاتا ہے اور یہ چیز عالمی نعتیہ شاعری میں ہندوستان کی نعتیہ شاعری کو امتیازی مقام عطا کرتی ہے۔

شاید یہاں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ عربی و فارسی کی نعتیں اردو کے مقابلہ میں زیادہ موحدانہ شان رکھتی ہیں۔ عربی و فارسی شعراء کے نزدیک قومی و ملی مصائب کا بیان نعت کے دائرہ کے باہر کی چیز ہے اور آلام روزگار کی فریاد پیش کرنے کی جگہ رب ذوالجلال کی بارگاہ ہے نہ کہ مدینہ کی سرکار۔ چنانچہ علامہ بوصیری نے جن کا نعتیہ قصیدہ بردہ معروف و مشہور ہے۔ اپنے عہد کے مسلمانوں کی اجتماعی اور اخلاقی حالت بیان کرنے کے لئے ایک الگ دوسرا قصیدہ لکھا جو نعت نہیں بلکہ شکوہ بہ بارگاہ رب العالمین ہیں۔ اسی طرح اندلس کے زوال کا مرثیہ رثار الاندلس کے نام سے عربی زبان میں مشہور ہے۔ قومی اور ملّی درد و غم کے اظہار کے لئے نعت کی صنف سخن عربی اور فارسی میں کبھی نہیں رہی لیکن اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ عربی اور فارسی نعتوں میں شخصی اور ذاتی غموں کا بیان موجود ہے اور نعت گو شعراء "پئے درماں طلبی" مدینہ تک پہنچتے اور رحم کے لئے پکارتے رہے ہیں۔ اب اگر نعت میں شخصی اور ذاتی غموں کے بیان کی گنجائش موجود ہے تو قومی اور ملّی احوال کے ذکر کی گنجائش بدرجہ اولیٰ نکل سکتی ہے اس کے علاوہ جدید عربی شاعری میں شوقی سے لے کر عدنان نحوی تک بعض شعراء کے نعتیہ کلام میں قومی اور ملّی احوال و مصائب کا ذکر بھی ملتا ہے اس لئے موحدانہ اور غیر موحدانہ کی اصطلاح میں توجیہ کی تلاش غلط معلوم ہوتی ہے۔ نعتیہ کلام میں حیات طیبہ اخلاق نبویؐ مدینہ سے دوری و مہجوری احساس گناہ، شفاعت طلبی، اشک ندامت حضورؐ کے احسانات کا تذکرہ اور درود و سلام کے موضوعات ہمیشہ سے موجود رہے ہیں۔ ان موضوعات میں اردو کی نعتیہ شاعری نے عصری آگہی، تہذیب جدید کی مادیت اور سوز و گداز کے ساتھ دور ابتلاء و آزمائش کے بیان کا اضافہ کر دیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حالی کی طرح ہر شاعر مقام توحید کی نزاکت سے آشنا نہیں۔ حالی نے اپنے مسدس میں توحید کے بارے میں حضورؐ کی تعلیم بیان کی ہے:

تم اوروں کی مانند دھوکہ نہ کھانا کسی کو خدا کا نہ بیٹا بنانا
مری حد سے رتبہ نہ میرا بڑھانا بڑھا کر بہت تم نہ مجھ کو گھٹانا
سب انساں ہیں واں جس طرح سرفگندہ
اسی طرح ہوں میں بھی ایک اس کا بندہ

بنا نا نہ تربت کو میری صنم تم نہ کرنا مری قبر پر سر کو خم تم
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم کہ بے چارگی میں برابر ہیں ہم تم
مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ ہوں اس کا اور ایلچی بھی

حالی کے یہاں جس قدر مقامِ توحید کی نزاکت کا احساس ہے، اسی قدر بارگاہِ نبوی کا بھی ادب اور پاس ہے۔ چنانچہ بارگاہِ رسالت مآب میں امت کا حال زار سنانے کے بعد کہتے ہیں:

ہاں حالیؔ گستاخ نہ بڑھ حدِ ادب سے
باتوں سے ٹپکتا تری اب صاف گلا ہے
ہے بھی یہ خبر تجھ کو، ہے کون مخاطب
یاں جنبشِ لب خارج از آہنگ خطا ہے

نعت ایک نازک صنفِ سخن ہے۔ یہ فن شاعری کی پُل صراط ہے۔ خدا اور بندے کا فرق اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ یہاں یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ اردو کے بعض شعرا اس پل صراط سے سلامتی کے ساتھ نہیں گزر سکے۔ لیکن شرک جب تک ظاہر نہ ہو حرف گیری اس لیے نہیں کی جاتی کہ شعر میں تاویل کی گنجائش اور ایک سے زیادہ معنی کی وسعت موجود رہتی ہے اور ابہام شعر کی صنعت میں داخل ہے۔ شاعر کا ذہن ارجمند مستقبل کی فضا میں بھی پرواز کر سکتا ہے اور عہدِ گزشتہ کے آسمانوں میں بھی۔ زمان و مکان کا فاصلہ اس کے لئے فاصل نہیں ہوتا۔ اسے شعری ضرورتوں اور تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھنا پڑتا ہے اور اس کے کلام میں نثر کی سی قطعیت اور منطقیت نہیں ہوتی۔

اردو کے نعتیہ کلام میں غم دوراں اور احوال زمانہ کے بیان کی وجہ دوسری ہے۔ اس ملک میں مسلمانوں کو تاریخ کے جس المیہ کا سامنا کرنا پڑا وہ دل دوز اور جاں گداز ہے۔ انیسویں صدی کی شام سے نہیں بلکہ صبح سے ہندوستان کے ملتِ اسلامیہ کا دل مفلس کے چراغ کی طرح ٹمٹما رہا تھا۔ آفتاب اقبال کو گہن لگ چکا تھا۔ اٹھارہویں صدی کے اختتام پر مسلمان انگریزوں سے لڑائی ہار چکے تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے مسلمانوں، امراء اور جاگیرداروں کو برطرف کر دیا تھا اور مسلمانوں کو سرکاری ملازمت سے ہٹا کر بنگالی ہندوؤں کو ان کی جگہ دے دی تھی۔ جنوب میں سلطان ٹیپو کی شہادت کے بعد

انگریزوں کا کوئی حریف نہ تھا۔ شمال میں ایک خزاں رسیدہ بہار تھی جو ۱۸۵۷ء میں ختم ہوگئی۔ شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی کے عربی قصیدے کا یہ شعر انیسوی صدی کے ہندوستان کی تصویر پیش کرتا ہے۔

انی اری الافرنج اصحاب ثروة
لقد افسدوا ما بین دهلی و کابل

مغربی تہذیب کے چیلنج سے روحانی و اخلاقی اور معاشرتی مسائل پیدا ہورہے تھے ــــ زوال سلطنت کے ساتھ اندیشہ یہ پیدا ہوگیا تھا کہ تہذیب و ثقافت کا سرمایہ جس پر ناز تھا وہ بھی ختم ہوجائے گا۔ سیاسی قوت کے زوال کے ساتھ ساتھ تہذیبی عزت اور معاشی خوش حالی بھی خاک آلودہ ہورہی تھی۔ وہ سلطنت تو ختم ہوچکی تھی جس کے وہ کئی نسل سے مالک تھے۔ زبان و ادب کا سرمایہ بھی معرض خطر میں تھا۔ ۱۸۲۹ء میں انگریزوں نے انگریزی زبان کو سرکاری زبان بنادیا تھا مگر شمالی ہند کے صوبوں میں انتظامی اور دفتری سارا کام اردو میں ہوتا تھا اور انگریزی جاننا ضروری نہ تھا لیکن چونکہ انگریز مسلمانوں پر بھروسہ نہیں کرتے تھے اور ہندوؤں کو ان کی جگہ لانا چاہتے تھے اس لئے انھوں نے انگریزی زبان کا جاننا شمالی ہند کے صوبوں میں بھی بنگال کی طرح لازمی کردیا اور اس طرح مسلمان ملازمتوں سے محروم کردئے گئے۔ عدالتوں سے فارسی ختم کردی گئی اور پھر شرعی عدالتوں کو بھی ختم کردیا گیا دوسری طرف ارتداد کی آگ کو ہوا دی جارہی تھی، عیسائیت کی تبلیغ پھیل رہی تھی۔ شدھی سنگٹھن کی تحریک چل رہی تھی۔ انسداد گوکشی کی انجمنیں بن رہی تھیں۔ قدرتی طور پر اس ہیجان انگیز رست و خیز اور نفسیاتی شکست و ریخت کے عالم میں ممالک اسلامیہ، خاص طور پر خلافت عثمانیہ سے ان کا لگاؤ شدت کے ساتھ بڑھ رہا تھا، وہ محسوس کررہے تھے کہ اندرون ملک تو سلطنت ختم ہی ہوچکی تھی اور اگر خلافت عثمانیہ کا چراغ بھی گل ہوگیا تو مسلمانوں کا کوئی وقار یہاں باقی نہ رہے گا۔ علامہ شبلیؒ اور اقبالؒ کی نظمیں اس بارے میں مسلمانوں کے جذبات کی آئینہ دار ہیں۔ ۱۹۲۰ء میں حکومت برطانیہ نے ترکی کے ٹکڑے کردینے کا فیصلہ کیا۔ ہندوستانی مسلمانوں کو ایک کے بعد ایک ذلت و نامرادی سے سابقہ پیش آرہا تھا۔ کہیں سے کوئی امید کی روشنی نظر نہ آتی تھی۔ اندھیرا ہی اندھیرا تھا اور یہ شب دیجور آزادی کے بعد تک دراز ہوتی گئی۔ شبہات، تعصبات اور فسادات کا ایک غیر مختتم سلسلہ۔ آلام و مصائب کے ایسے گھنے بادل شاید ہی کہیں اور نظر آئے ہوں۔ دوسرے

اسلامی ملکوں میں بھی سامراجی حکومتوں کی وجہ سے آزمائش کا سامنا تھا لیکن وہاں ایسی سخت اور ہمہ جہت قسم کی مصیبت شاید نہ تھی۔ اگر لیبیا پر اٹلی کا اقتدار ہوگیا، اگر مصر میں انگریزوں کی حکومت ہوگئی، اگر الجزائر اور مراکش فرانس کے زیرنگیں ہوگئے اور ایران کے کچھ حصے پر روس کا قبضہ ہوگیا تو مصیبت اپنی تمام ترسنگینی کے باوجود اتنی ہمہ جہت نہ تھی جتنی کہ ہندوستان میں تھی۔ وہ جو کبھی خسرو اقلیم تھے گدائے بے نوا بن گئے، وہ اسلامی ہندوستان جس نے ساتویں صدی ہجری کے بعد اسلامی علوم وفنون اور دعوت و اصلاح کے میدان میں سب سے زیادہ اہم شخصیتیں پیدا کی تھیں چراغ سحری ہو رہا تھا اور مسلمان دود چراغ محفل کی طرح پریشان اور آشفتہ حال اور اقلیت میں ہونے کی وجہ سے اپنے مستقبل سے ہراساں تھے۔ چہ کنم اور پس چہ باید کرد کی حالت تھی۔ ایک طرف سیاسی قوت کا خاتمہ دوسری طرف معاشی خوش حالی کا خاتمہ۔ تیسری طرف تعلیمی پسماندگی چوتھی طرف ان کا غیر محفوظ اقلیت میں ہونا۔ پانچویں طرف انگریزی حکومت کا جور وستم، چھٹی طرف برادران وطن کی حاسدانہ اور معاندانہ نظر، ساتویں طرف عیسائیت کی تبلیغ۔ آٹھویں طرف مغربی تہذیب کی مادیت جو ناقابل مزاحمت بنتی جارہی تھی۔ اور طرح طرح کے معاشرتی مسائل پیدا کر رہی تھی۔ اس ہشت پہل یلغار سے ایسا لگتا تھا کہ مسلمانوں کی زندگی ایک ملبے سے تبدیل ہوتی جارہی ہے۔ اس تاریخی پس منظر کو سامنے رکھنے کے بعد اس میں زیادہ حیرت کی بات باقی نہیں رہ جاتی کہ ہندوستانی شعراء نے زیادہ نعتیں کیوں کہی ہیں اور ان نعتوں میں زیادہ سوز وگداز کیوں ہے؟ اور یہاں کی نعتیہ شاعری میں قومی اور ملی حالات کی عکاسی کیوں کی گئی ہے۔ حالات کی ناسازگاری کے علاوہ اس سوز وگداز کے پائے جانے کا سبب وہ شعلۂ عشق بھی ہے جسے بہت سے اہلِ دل نے اپنے نفس گرم سے بھڑکایا تھا۔ غور کیجئے تو یہ کوئی اتفاقی بات نہیں معلوم ہوتی۔ اس میں کارسازِ ازل کی حکمت کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ جب ناموس دین کی حفاظت کے لئے تیغ باقی نہیں رہ جاتی اور سیاسی انحطاط عام ہوجاتا ہے تو "انا لہ لحافظون" کا منزّل سرچشمہ اسلام سے دلوں میں زبردست شیفتگی پیدا کر دیتا ہے اور یہ عشق وشیفتگی ایک حصار کا کام کرتی ہے اور سیاست کی تیغ سے بڑھ کر پاسبان ثابت ہوتی ہے" وللہ جنود السمٰوات والارض"، ہندوستان کی نعتیہ شاعری میں یہ عشق دلِ بے تاب کی بجلی اور چشم پر آب کا بادل بن کر چھا گیا ہے۔

تاریخی شعور بھی ملی شعور ہی کا حصہ ہے۔عصری آگہی کے ساتھ تاریخی اور ملی شعور ہندوستان کی نعتیہ شاعری کا امتیاز ہے۔یہاں کے نعت گو شعراء نے صنف نعت کے آفاق میں وسعت پیدا کی ہے اور اس کو نئے مضامین عطا کئے ہیں۔نعتیہ نظم میں جب تاریخ پیش کی جاتی ہے تو محض سادہ تاریخ نہیں ہوتی جو مورخ کے چوب قلم سے نکلتی ہے بلکہ یہ وہ تاریخ ہوتی ہے جو شاعر کے شعری تجربے کی کارگاہ میں اور جذبے کے سانچے میں ڈھل کر نکلتی ہے۔ایک انتخاب پیش کیا جاتا ہے:

یہ دیکھتا ہوں کہ تیرے احرار شوکت آرائے بحر و بر ہیں
یہ دیکھتا ہوں کہ تیرے انوار طلعت افزائے دشت و در ہیں
یہ دیکھتا ہوں کہ تیری نظروں میں ہیچ ہے فر شہر یاری
یہ دیکھتا ہوں کہ تیرے قدموں میں صدقے ہوتی ہے تاجداری
یہ دیکھتا ہوں غلام و آقا کا فرق تو نے مٹا دیا ہے
یہ دیکھتا ہوں کہ تو نے شاہ و گدا کو ہمسر بنا دیا ہے
یہ دیکھتا ہوں جہاں کے ویرانے ترے قدموں سے گلستاں ہیں
یہ دیکھتا ہوں کہ تیرے دیوانے علم و حکمت کے پاسباں ہیں
ترے غلامان کشور آرا کی خرقہ پوشی کو دیکھتا ہوں
ترے سلاطین کار فرما کی حق نیوشی کو دیکھتا ہوں
ترے جلو میں خراج گیروں خراج بخشوں کو دیکھتا ہوں
تری حضوری میں تاج گیروں کو تاج بخشوں کو دیکھتا ہوں
ترے فقیروں کو بانٹتے دیکھتا ہوں دارا کی کبریائی
ترے غلاموں کو روندتے دیکھتا ہوں فرعون کی خدائی
میں ان مناظر کو دیکھتا ہوں دمک رہی ہیں مری نگاہیں
دمک رہی ہیں چمک رہی ہیں مہک رہی ہیں مری نگاہیں

(علامہ تاجور نجیب آبادی)

ایک دوسری نعتیہ نظم کے چند اشعار دیکھئے جن میں شاعر نے دورِ جدید کے فتنہ کے مقابلہ کے

لئے ایک نئے مجدّد اسلام کے ظہور کی تمنّا کی ہے۔ نظم میں جوشِ عقیدت اور سوز و ساز موجود ہے طویل نعتیہ نظم سے چند شعروں کا انتخاب پیش کیا جا رہا ہے :

حضور! دشتِ بلا میں ہے شامِ غم کا ظہور
حضور! آپ کی چشم کرم ہے آیۂ نور

جلائے شعلہ جاں ڈھونڈتا ہے راہوں کو
گھرا ہے ظلمتِ ہجراں میں آپ کا مہجور

نظام کہنہ کے جس نے پلٹ دیئے اوراق
مزاج دہر کے جس نے بدل دیئے دستور

حضور! آپ کی مدح و ثنا نہیں ممکن
لسان روم و عرب ہو کہ نطق پیشاپور

حضور! قرب کے لائق کہاں یہ دیوانہ
مگر اجازت حسرت کشی عطا ہو ضرور

حضور! آپ کا دیدار گر میسّر ہو
تو ذبح نفس بھی تسلیم جاں بھی ہے منظور

گھرا ہے یورشِ تشکیک و وہم میں مومن
ہوتی ہیں عام جہاں میں رسوم فسق و فجور

حضور! کوئی مجدّد عطا ہو ملّت کو
ہو جس کے فیض سے احیائے دین حق کا ظہور

چلے زمانے میں بس امر آمر مطلق
جہاں میں رائیت دیں ہو مظفر و منصور

حضور! ایک نظر التفات سے مملو
بنام آیۂ رحمت بنام رب غفور

بہت طویل ہیں آلامِ دہر کے سائے
بہت دراز ہے اب دامنِ شبِ دیجور

(عبداللہ خادر)

ایک دوسری نعت ملاحظہ فرمائیے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے بیشتر اشعار روضۂ اقدس کے نزدیک لکھے گئے ہیں اس نعت میں بھی تاریخی اور ملّی شعور، عصری آگہی، غم امروز اور اندیشۂ فردا کے عناصر و جواہر پوری طرح جلوہ گر ہیں۔ حالات کی سنگینی نے شاعر کو رنجور اور آبدیدہ کر دیا ہے اس نے اس اندیشہ کا اظہار کیا ہے کہ کہیں ہندوستان میں اندلس کی تاریخ نہ دُہرائی جائے۔ آخر میں شاعر نہضت ملی کی تمنا کرتا ہے اور رب سے دُعا کرتا ہے کہ پرچم ہجرت پر جو ہلال آسا ہوا تھا چودھویں صدی ہجری اس چاند کی چودھویں بن جائے۔ تقریباً ۸۰ شعروں کی نظم ہے۔ ابتدائی بیس شعروں میں صرف صلوٰۃ وسلام ہے۔ مطلع یہ ہے:

السّلام اے صاحبِ لولاک ختم المرسلیں
مرحبا صد مرحبا اے رحمۃ للعالمیں

بیس شعروں کے بعد شاعر روضۂ اقدس پر جو کچھ حالت زار بیان کرتا ہے اس کا انتخاب پیش خدمت ہے:

شکر صد شکر خدا یہ زائرِ ہندی نژاد
آج ہے لبیک بر لب بابِ روضہ کے قریں
اس بعید اقلیم سے حاضر ہوا ہے یہ غریب
ہے جو عرف عام میں گنگ و جمن کی سرزمیں
زمزم اور نہر زبیدہ اور زرقہ پرنثار
ہند کے یہ رود ہائے عذب و رنگیں و حسیں
کیا کہوں اپنے وطن سے تحفہ کیا لایا ہوں میں
آنسوؤں سے بھیگتی جاتی ہے میری آستیں
پیش کش میری ہے میری طرح بے برگ و نوا
انفعال ہدیہ سے نمناک ہے میری جبیں

آج اس ہندوستان سے ہے غلامی کو دوام
آہ جو ہندوستان تھا رشکِ فردوسِ بریں
ہو نہ پیوستِ غمِ "الحمرا" کے افسانہ کے ساتھ
نقشِ "تاج" مرمریں ہند کا درِ ثمین
آہ یہ رونا میرا رونا نہیں اک ہند کا
ہر سوادِ شرق میں یورپ ہے ناسور آفریں
کب سے استیلائے افرنگی سے مشرق ہے خراب
کب سے ہے تلخاب آمیز آہ جامِ انگبیں
سلسلہ در سلسلہ ہے داستانِ کید و قید
آہ کب ٹوٹیں گی یہ زنجیر ہائے آہنیں
اک بہانہ دے گئی جنگ اروپا اس کو آہ
دشمنِ اسلام قوت تھی جو روپوش مکیں
اس طرح لارنس نے پھونکا کچھ افسونِ فرنگ
ہاشمی نے بیچ دی سب عزت ناموس دیں
تھا کبھی گہوارہ تاسیس و تمدیں جس جگہ
انقلاب آسماں سے خاک اُڑتی ہے وہیں
مل رہی ہے اپنی غداری کی عربوں کو سزا
پہلے جو اشرف تھے اب دنیا میں ہیں وہ سافلیں
تھے عقابی شان کے جن کے غبانہ اور عقال
آج ہیں وہ گوسفندوں سے بھی بے ہنگم تریں
جن شتربانوں کی شمشیریں رہیں کشور کشا
وہ خس و خاشاک و خاکستر کی ہیں اب خوشہ چیں

یاد آتے ہیں وہ دن یثرب کی گلیاں دیکھ کر
مرد و زن اس کے تھے جب دارالخلافہ کے مکیں
وہ قرونِ عصر اولی کے قشون قاہرہ
تھے زرہ پوشاں دہران کے مقابل نازنیں
وہ بھی اس بستی میں تھا اللہ اکبر ایک وقت
جب سفیر آتے تھے رومی اور ایرانی یہیں
ماورا سے شوق انھیں لاتا تھا یوں بہر خراج
جس طرح نقد عقیدت لے کے آئیں عازمیں

شاعر عظمت رفتہ پر طائرانہ اور شاعرانہ نظر ڈالنے کے بعد پھر یوں نغمہ سرا ہوتا ہے:

ہیں نشیب صحن کی ڈھلوان پر ساکت نخیل
پا بہ گل سرگشتہ گم صم بے نیاز آن و ایں
آہ اک مدت سے وہ سب ہو چکے پیوند خاک
خستہ جانوں کی سپر ہوتے جو صائب صالحیں
آپ کی فرمودہ آیات آج تک ہیں حرز جاں
مژدۂ لا تقنطوا پر ہم کو اب تک ہے یقیں
سرورِ کون و مکاں ہم پر کرم کی ایک نظر
نہضت ملی کے سائل ہیں جہاں کے مسلمیں
زائل ادبار و زبوں حالی کے ہو جائیں غمام
کامگار و کامران ہوں خائبیں و خاسریں
ملتِ اسلامیہ کی نشاۃ ثانی کا نقش
دل پہ لے کے جائیں یثرب سے وطن کو زائریں
تشنہ جو اقصائے شرقی سے ہیں تا اقصائے غرب
شادکام اب ان کو کر دے آپ کا فیضِ معیں

ملّتِ بیضا کے حق میں حق سے کیجئے یہ دُعا
رحم کر اس قوم پر رب رحیم الراحمیں
یارب اس ایفائے وعدہ کا اب آپہنچا ہے وقت
جس کی شرح عام ہے مخصوص عہد آفریں
پرچم ہجرت پہ چمکا تھا ہلال آسا جو چاند
چودھویں ہجری صدی اس چاند کی ہو چودھویں
غلبۂ توحید سے کون و مکاں سب گونج اٹھیں
شش جہات آفاق ہو اسلام کے زیر نگیں
انقلاب عالم نو گوش بر آواز ہے
منتظر بس ایک اشارے ہی کی ہے فتح مبیں

(م۔ حسن لطیفی)

اب ملی شعور اور عصری آگہی کا نمونہ ایک دوسرے شاعر کی طویل نعتیہ قصیدے میں ملاحظہ کیجئے۔ محبّت و عقیدت کے جذبات سے لبریز پچاس سے بھی زیادہ شعر اس قصیدے میں ہیں اور اس کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے:

گلشنِ فطرت ہے اے ہمراز مے خانہ مرا
شاخ گل میری صراحی پھول پیمانہ مرا

اس نعتیہ قصیدے کا وہ حصّہ جس میں مسلمانوں کے ادبار اور غمِ روزگار کا شکوہ ہے۔ انتخاب کے بعد ہدیۂ ناظرین ہے:

اب عماد قصر دیں خم صورتِ محراب ہے
کشتی امت ہے اور طوفان باد و آب ہے
تھی سیہ خانوں میں کل تک جس کے باعث روشنی
ظلمتوں میں اب وہی خورشید عالم تاب ہے
تھا کبھی عالم میں جس کی گرم بازاری کا شور
آج اس بازار میں حسن عمل نایاب ہے

جس کی ہمت سے کئی بیڑے کنارے لگ گئے
اب وہی بیڑا اسیرِ حلقۂ گرداب ہے
آج دنیا میں نہیں کوئی کسی کا غم شریک
غیر کا شکوہ نہیں یہ شکوۂ احباب ہے
کل جو فتنے سو رہے تھے آج وہ بیدار ہیں
وائے برغفلت کہ مسلم اب بھی محوِ خواب ہے
اب کہاں وہ نغمۂ وحدت کی دل آویزیاں
یعنی جو تارِ نفس ہے تشنۂ مضراب ہے
یا رسول اللہ بنگر امتانت عاجزاند
جاں نزار و سینہ چاک و دل فگار دردمند

اے رسولِ پاک اے پیکرِ قدسی صفات
اے حبیب ذات لے غارت گرِ لات و منات
ہے زمیں کا ذرّہ ذرّہ دشمنِ اسلام آج
حشر در آغوش ہے گویا بساطِ کائنات
تُل رہی ہیں دوسری قومیں مٹانے کے لئے
منقلب ہے امت مرحوم کا دورِ حیات
دھوم تھی کل تک جہاں میں جن کے استقلال کی
ضعف سے ہے آج لغزش میں وہی پائے ثبات
یا رسول اللہ اٹھئے رہبری فرمائیے
قافلہ امت کا ہے گم کردۂ راہِ نجات
اب نہ وہ حق کی طلب ہے اور نہ درسِ معرفت
اب نہ وہ جوشِ عمل ہے اور نہ علمِ دینیات

مجمع اوہام ہے دل میں بجائے یادِ حق
ان بتوں سے بن رہا ہے اب یہ کعبہ سومنات
باز بنگر بندگان ملت اسلام را
از عنایت سہل فرما سختی ایام را

پھر عطا فرما وہی اسلاف کے جوہر ہمیں
اپنا سکّہ پھر جما دینا ہے عالم پر ہمیں
پھر عطا سجدوں میں وہ کیفیت معراج ہو
مرحبا کہنے لگے ہر مسجد و منبر ہمیں
پھر ہمارا نام سن کر آسماں بھی کانپ اٹھے
پھر بنا دے سطوتِ فاروقؓ کا مظہر ہمیں
نصرت و تائید حق ہو پھر ہمارے ساتھ ساتھ
پھر کہے سارا جہاں اللہ کا لشکر ہمیں
پھر اسی صورت سے طے ہوں ارتقا کی منزلیں
دیکھتی رہ جائے پھر حیرت سے دنیا بھر ہمیں
گوش کن ایں التجائے معنیٔ بے چارہ را
پائے بند بندگی کن بندۂ آوارہ را

(عبدالباری معنی اجمیری)

اب ایک دوسرے نذرانۂ عقیدت کو دیکھئے جس میں ساٹھ شعر ہیں۔ ایک پورے بند میں بارگاہِ نبویؐ میں درود و سلام پیش کیا گیا ہے۔ آخری بند میں زمانہ حاضر کی ستم رانیوں کا شکوہ اور اللہ رب العالمین سے دعا اور مناجات ہے:

اے خدا دے زور دست خالد و حیدر ہمیں
پھر الٹنا ہے صف کفر و درِ خیبر ہمیں

مست تھی جس کے نشہ سے روحِ سلمانؓ و بلالؓ

ہاں پلادے پھر وہی صہبائے کیف آور ہمیں

دل صنم خانہ بنا ہے یادِ غیر اللہ سے

بُت بھی اب کہنے لگے مسلم نما کافر ہمیں

المدد اے نعرۂ اللہ اکبر المدد

بُت کدے کو پھر بنانا ہے خدا کا گھر ہمیں

تری رحمت دیتی جاتی ہو تسلّی ساتھ ساتھ

لے چلے جب شرمساری جانبِ محشر ہمیں

ڈگمگاتے ہی گرے جاتے ہیں ترے ناتواں

اے تری رحمت کے صدقے تھام لے اُٹھ کر ہمیں

تیرے در کو چھوڑ کر ہم بے نوا جائیں کہاں

یا بتادے اور کوئی اپنے جیسا گھر ہمیں

دوسروں کو زور و زر دے عیش دے آرام دے

اور ہمیں اس دولت دنیا سے صرف اسلام دے

(آغا حشر کاشمیری)

نعت کی ایک دوسری نظم ہے جو ۳۶ شعروں پر مشتمل ہے۔ دس بارہ شعر فارسی زبان کے ہیں۔ نظم کا انتخاب پیشِ خدمت ہے جس میں داستانِ حال اور ملتِ اسلامیہ کے زوال کا مرثیہ ہے۔ مطلع یہ ہے:

صبا اے پیک مشتاقاں خدارا

سلام از مارساں خیر الوریٰ را

نکل کر چاند نے غارِ حرا سے

کیا اطرافِ عالم میں اُجالا

تری امت کو اے دریائے رحمت
پڑا موجِ حوادث سے ہے پالا

جہاں جلوے نئے دکھلا رہا ہے — وہ فرشِ پاستاں اٹھوا رہا ہے
جہاں ابر کرم تھا گہر ریز — وہاں اولے فلک برسا رہا ہے
نشانِ کارواں ملتا نہیں ہے — حدی خواں دشت میں چلا رہا ہے
تھی جس کی چاندی دشت وجبل پر — وہ چاند اسلام کا گہنا رہا ہے
تری امت میں اے مہرِ رسالت — غبار یاس ہر سو چھا رہا ہے

بروں آور سر از بُردِ یمانی
کہ روئے تست صبح زندگانی

ہوئی برہم وہ سب محفل پرانی — رہی اقبال رفتہ کی کہانی
بنی عباس پر ہے دجلہ نالاں — سرشک خوں بنا دریا کا پانی
مٹا نام ونشانِ قصرِ حمرا — جو مغرب میں تھی مشرق کی نشانی
ہوئی وہ حشمتِ مغلئی فسانہ — کہانی ہے وہ فرِ ترکمانی
گئی وہ آب وتاب بزم اکبر — مٹے نقش و نگارشہ جہانی

حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند
تہی خم خانہ ہا کردند و رفتند

چمن میں اب نہ پتہ ہے نہ ڈالی — مٹے یکساں ادانی واعالی
نہ علم وفضل ہے باقی نہ حشمت — ہوئے ہیں مسجد و مے خانہ خالی
سلف کل جن کے صدر انجمن تھے — خلف کی جا ہے اب صف نعالی
خدا جانے ابھی لائے گی کیا رنگ — یہ دار وگیر ایام ولیالی

سہارا بس تری اک ذات کا ہے
ایا خیر البشر نعم الموالی

تو ابرِ رحمت آں بر کہ گاہے
کنی بر حال لب خشکاں نگاہے

(خوشی محمد ناظر)

ایک دوسری نظم میں شاعر مدینہ طیبہ کے جانے والوں کو حسرت سے دیکھتا ہے اور ان کی خاکِ قدم کو اپنا سرمہ بنانا چاہتا ہے اور ان سے یہ التجا کرتا ہے کہ اس دربار میں پہنچ کر امت کا حالِ زار ضرور سُنانا :

اے خوش نصیب لوگو! یثرب کے جانے والو
عیش ابد کما لو رنج سفر اٹھا کر
آؤ ذرا کہ دے لوں، تسکین اپنے دل کو
خاک قدم تمہاری آنکھوں سے میں لگا کر
اس بد نصیب کی ہے اک عرض سُنتے جاؤ
کہتا ہے چشم تر سے سیروں لہو بہا کر
دیکھو یہ یاد رکھنا طیبہ میں جب پہونچنا
مجھ کو نہ بھول جانا مقصود اپنا پا کر
ہو روضۂ نبی پر جب حاضری تمہاری
کہنا بہت ادب سے جالی کے پاس جا کر
سرکار نیند کب تک للہ جلد اُٹھئے
امت کا دم رُکا ہے گویا لبوں پہ آکر
محشر بپا ہے اُٹھئے اے شمع بزم محشر
امت کے سر پہ رکھئے دست کرم اب آکر
بگڑی ہے بات ایسی بنتی نہیں بنائے
بیٹھے ہیں آپ ہی سے سب آسرا لگا کر
اور اک غریب جس کو کہتے ہیں سب تمنا
آنے کے وقت ہم نے دیکھا جو اس کو جا کر

طیبہ کی سمت رُخ تھا اشک آنکھ سے رواں تھا
بے چارہ کہہ رہا تھا یوں ہاتھ اٹھا اٹھا کر
تا در جہان خوبی امروز کامگاری
باشد کہ بے دلاں را کامے زلب برآری

(تمنا عمادی پھلواروی)

اب یہ نعت دیکھئے جس میں الفاظ کی شوکت اور آہنگ کا جوش و خروش بہت نمایاں ہے۔ آخر میں شاعر کی نظر امت مسلمہ کی زار و زبوں حالت کی طرف مُڑ جاتی ہے۔ نظم کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔ یہ جوش ملیح آبادی کی نعت ہے۔ یہ بھی ہندوستانی نعتیہ شاعری کا امتیاز ہے کہ یہاں غالب، جوش ملیح آبادی اور اختر شیرانی جیسے شعرا بھی خلوص و عقیدت کے ساتھ نعت کہتے ہیں۔ عرب ممالک میں ان کے ہم آہنگ اور رند مشرب شعراء نزار قبانی وغیرہ اس سعادت سے محروم ہیں۔

اے کہ ترے جلال سے ہل گئی بزمِ کافری
رعشۂ خوف بن گیا رقصِ بتانِ آذری
اے کہ ترا غبار راہ تابشِ روئے ماہتاب
اے کہ ترا نشانِ پا نازشِ مہرِ خاوری
اے کہ ترے بیان میں نغمۂ علم و آشتی
اے کہ ترے سکوت میں خندہ بندہ پروری
چھین لی تو نے مجلسِ شرک و خودی سے گرمیاں
ڈال دی تو نے پیکر لات و ہبل میں تھرتھری
تیرے قدم پہ جبہ سا روم و عجم کی نخوتیں
تیرے حضور سجدہ ریز چین و عرب کی خودسری

تجھ پہ نثار جان و دل مُڑ کے ذرا دیکھ لے
دیکھ رہی ہے کس طرح ہم کو نگاہِ کافری

تیرے گدائے بے نوا تیرے حضور آئے ہیں
چہروں پہ رنگ خستگی سینوں میں درد بے پری
آج ہوائے دہر سے ان کے سروں پہ خاک ہے
رکھی تھی جن کے فرق پر تو نے کلاہِ سروری
تیرے فقیر اور دیں کوچۂ کفر میں صدا
تیرے غلام اور کریں اہلِ جفا کی چاکری
طرف کلہ میں جن کے تھے لعل و گہر ٹکے ہوئے
حیف اب ان سروں میں ہے درد شکستہ خاطری
جتنی بلندیاں تھیں سب ہم سے فلک نے چھین لیں
اب وہ نہ تیغ غزنوی اب وہ نہ تاج اکبری
اُٹھ کہ ترے دیار میں پرچم کفر کھل گیا
دیر نہ کر کہ پڑ گئی صحنِ حرم میں ابتری

(جوش ملیح آبادی)

ایک دوسری نعت میں شاعر بہار حرم کی پامالی پر شکوہ سنج ہے۔ عالمی صیہونی تحریک کی سازشوں اور مسلمانوں کی مخالفت میں دیر و کلیسا کے اتحاد اور ملّتِ اسلامیہ کی غفلت کا تذکرہ اس نے اپنی نعتیہ نظم میں کیا ہے۔ مطلع یہ ہے:

سید و سرور و وقارِ حرم
عظمتِ کعبہ و دیارِ حرم

خالص نعت کے تیس شعروں کے بعد شاعر کہتا ہے:

متحد ہیں یہود بہر قتال منتشر جملہ شہ سوارِ حرم
ہیں کلیسا و دہر شیر و شکر زہر آلود خلفشارِ حرم
ہائے انجام کار کیا ہوگا لے نہ ڈوبے نہ انتشارِ حرم

چارہ سازِ شکستگان فریاد
دیکھ پامالی بہار حرم

(حافظ مظہرالدین)

جگرؔ مرادآبادی کی فارسی نعت عشق نبویؐ کی بھی آئینہ دار ہے اور ملتِ اسلامیہ کے ساتھ شدید تعلق اور وابستگی کی بھی۔

اے ازلبِ صادقت شنیدہ نادیدۂ خدا خدائے دیدہ
اے مثل تو جہاں نگارے یزداں دگرے نہ آفریدہ
امروز بہ بیں کہ مرداں را کارے بہ بلا کتے رسیدہ
مشرق ہمہ پُر از فتنہ و شر
مغرب ہمہ مست و سرکشیدہ
اے اسم تو حرز جان عشاق اے ذکر تو نور قلب و دیدہ
یک گوشہ چشم التفاتے بر امتیان غم رسیدہ
استادہ بہ پیش بارگاہ ست پیرے بہ رخ آستیں کشیدہ
شاید جگرِ حزیں ہمیں است
از بار گنہ کمر خمیدہ

نعیم الدین مرادآبادی کی نعت میں بھی آلام روزگار اور حوادث زمانہ کا شکوہ موجود ہے:

اے زائر کوئے نبی اتنا تو کر اے مہرباں
اہلِ مدینہ کو سُنا حال نعیم خستہ جاں
یہ شورش طوفان غم یہ سوزشِ رنج و الم
ہجراں کی یہ جور و ستم اور یہ ضعیف و ناتواں
دن حسرتوں میں کاٹنا راتوں کو رونا جاگنا
ہر وقت غم کا سامنا ہر لحظہ آنکھیں خوں فشاں

اعداد کے نرغے ہیں جدا اپنے ہوئے ہیں بے وفا
ہر سمت سے آئی بلا آفت کا ٹوٹا آسماں
جور و ستم کی بارشیں اور دشمنوں کی سازشیں
بے کار ہیں سب نالشیں مسلم کا خوں ہے رائیگاں
ہم کیا کہیں حال تباہ ہم سے ہوئے بیحد گناہ
بے شک ہیں ہم نامہ سیاہ نادم ہیں ہم اب بے گماں

عازمین راہ مدینہ سے سلام اور پیغام پہونچانے کی التجا تو بہت سے شعراء نے کی ہے۔ یہ نعت دیکھئے جس میں مدینہ سے آنے والے سے تخاطب ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عصر حاضر کا شکوہ اور گلہ بھی:

ہر طرف غل ہے کہ وہ جانِ وطن آپہنچا
دیکھ کر بارگہِ شاہِ زمن آپہنچا
جام نو میں لئے صہبائے کہن آپہنچا
رونقِ انجمن دار و رسن آپہنچا
عشق کے ہاتھ میں تلوار نظر آتی ہے
زندگی برسرِ پیکار نظر آتی ہے
زائر گنبدِ خضرا تری قسمت کو سلام
مل گیا تجھ کو وہ نکتہ جو ہے روحِ اسلام
منتظر ہیں اسی پیغام کے اس وقت عوام
جس سے لرزاں تھا کبھی ظلم و تشدّد کا نظام
خونِ معصوم میں شمشیر جفا پہنچی ہے
زندگی فیصلہ کن موڑ پر آپہنچی ہے
آہ وہ قوم کہ گرتوں کو اٹھایا جس نے
جنگ میں امن کا پیغام سنایا جس نے
وقت کے جھوٹے خداؤں کو مٹایا جس نے

ساری دنیا کو تباہی سے بچایا جس نے
اس پہ اس طرح مسلط ہے پریشاں حالی
جیسے سوکھے ہوئے پودے کو کچل دے مالی
مردِ مومن تجھے ایماں کی حرارت کی قسم
سوز میں ڈوبے ہوئے سازِ بغاوت کی قسم
نئے انساں کے تصور کی لطافت کی قسم
تو قیامت ہی قیامت ہے قیامت کی قسم
کود کر وقت کے اٹھتے ہوئے طوفانوں میں
زلزلے ڈال دے تخریب کے ایوانوں میں

(اطہر عباسی)

احمد شجاع ساحر کی نعت میں عصرِ آگہی کی بے آگہی اور بے توفیقی کا تذکرہ ہے اور شکوہ ومناجات۔ چند شعروں کا اقتباس یہ ہے:

قلب کو تاب پر پروانہ بے تاب دے
آنکھ کو اشکِ رواں و فطرتِ سیماب دے
جام صہبائے کہن ہاں دور میں آجائے پھر
ترے دیوانوں کی ہوسے آگہی گھبرائے پھر
وسعتِ صحرا پر ہو پھر خندہ زن دیوانگی
سرخرو ہو جائے وحشت منفعل فرزانگی
نعرہ حق راز شعرِ من بلند آوازہ کن
یادِ بزمِ رفتگاں را از فغانم تازہ کن

(احمد شجاع ساحر)

اب ایک جدید انداز کی نعت دیکھئے جس میں کہا گیا ہے کہ سائنس کا عہد انسان کو حقیقت کی آگہی نہ دے سکا:

لاکھ سائنس نے ترقی کی
تجربہ گاہ علم و حکمت میں
آدمی نے مگر بفضلِ خدا
ڈال دی جان آدمیت میں

کتنے روبوٹ ہو گئے ایجاد
آدمیت کی ارتقا کے لئے
کتنے راکٹ خلا میں چھوڑے ہیں
نوعِ انسان کی بقا کے لئے

اس ترقی کے عہد میں لیکن
آگہی کی اذان دے نہ سکے
میرے سرکار کی طرح سائنس
پتھروں کو زبان دے نہ سکی

(خالد عرفان)

اب دیکھئے ایک شاعر حضورؐ کی نعت و منقبت لکھنا چاہتا ہے اسی اثنا میں جبل پور میں فساد کا آتش فشاں بھڑک اٹھتا ہے جو اس کے خیال کو آتش بداماں کر دیتا ہے اور نعتِ رسول میں خیال و تصور کی شعلہ بدامانی دیکھئے۔ شاعر کہتا ہے کہ حضورؐ! آپ تو اتنے رقیق القلب تھے کہ آپ نے بچہ کے رونے کی آواز سُنی تو نماز کی قرارت مختصر کر دی تھی آج آپ کی امت کے معصوم بچے آگ کے الاؤ اور شعلوں کے پیٹ میں ہیں:

اے عازمِ دربارِ شہنشاہِ مدینہ	یاد آئیں اگر تجھ کو شہیدانِ جبل پور
کہنا بصد آداب کہ اے مرکزِ امید	بدلے گئے کیوں بارگہِ ناز کے دستور
یادہ ترے الطاف و عنایات کا عالم	دشمن کا بھی دامن ترے احسان سے معمور
کوتاہ قرارت ہوئی اک طفل کے خاطر	دل رحمت و شفقت سے سوا تھا ترا معمور
بے چین ہوا دل ترا بچے کی صدا پر	روتا ہے ہر اک طفل جو ماں ہو کہیں مستور

یا آج یہ ہے شانِ تغافل کہ غضب ہے　　کیا کچھ نہ ہوا زیرِ فلک آہ! جبل پور
کہنے کے لئے چاہیئے پتھر کا کلیجہ　　ہم کیا کہیں کیونکر کہیں ہرگز نہیں مقدور
تھرّا اٹھے عبرت سے بیابان و جبل بھی　　اغیار کے دل جس کے تصور سے ہوئے چور
ان میں بھی تو اطفال تھے لے رحمتِ عالم　　سینوں سے جو لپٹے ہوئے شعلوں میں تھے محصور
حیرت ہے کہ حادثۂ امت پہ جو گذرا　　کیوں رہ گیا آقا کی نگاہوں سے یہ مستور
ایسی بھی غلاموں سے خطا کیا ہوئی سرزد　　افسوس کہ ایسے ہوئے ہم راندہ و مقہور
گو بادۂ عصیاں کا نشہ ہم پہ ہے طاری　　مانا کہ ہوئے ہم بہت آزادہ و مغرور
لیکن ہے خطا کاروں کا ایک تو ہی سہارا　　تو ہی جو خفا ہو تو کہاں جائیں یہ مجبور
نسبت ہمیں تجھ سے کچھ اس کی بھی لے لاج　　غیروں سے تو فریاد نہیں ہے ہمیں منظور

یہ خونِ وطن کو تری امت نے دیا ہے
حاضر ہیں ترے در پہ شہیدانِ جبل پور

(حفیظ الرحمٰن واصف)

امت کے غم اور اس کے مستقبل کی فکر کے جذبہ سے مملو نعتیہ نظموں کو جب جمع کیا جائے گا تو نعت بھی اس میں شامل ہوگی جس میں ایک طرف الفاظ کا شکوہ ہے اور دوسری طرف ملت کا غم اور اندوہ۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

اے کہ ترا جمال ہے زینتِ محفلِ حیات
دونوں جہاں کی رونقیں ہیں تیرے حسن کی زکات
پست و بلند کے لئے عام ہیں تیری رحمتیں
عرش سے اور فرش سے تجھ پہ سلام اور صلوٰت
اے کہ رواں رواں تیرا درد میں ہے بسا ہوا
کس کو ترے سوا سنائیں جا کے ہم اپنی مشکلات
سر پہ اندھیری رات ہے گھر گئی ہے بھنور میں ناؤ
موجِ بلا ہے تاک میں دور ہے ساحلِ نجات

تھام کے پایہ عرش کا، کر بہ ادب یہ التجا
اے کہ مبدءِ فیوض ایک فقط تری ہی ذات
بندے بھلے ہوں یا برے تو تو ہے لے خدا کریم
قطع ہو کیوں کریم کا سلسلۂ نوازشات
موردِ لطفِ خاص پہ کس لئے آج یہ عتاب
ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشم التفات

(ظفر علی خاں)

مذکورہ چند اقتباسات سے اندازہ ہوگا کہ اردو کے نعت گو شعراء کے یہاں ملی شعور کتنا گہرا ہے۔ وہ جب حضور اکرمؐ کی شان میں نعت کہتے ہیں تو حضورؐ کی برپا کی ہوئی امت کا خیال بھی ان کے پردۂ شعور پر رہتا ہے اور ان کا حساس دل اس امت کی بے چارگی، کسمپرسی، سر بزیری اور سر افگندگی پر تلملا اٹھتا ہے اور یہ احساس دل کے ساز کو چھیڑتا ہے اور فکر و ہنر کو مہمیز کرتا ہے۔ مومن، منیر شکوہ آبادی، شورش کاشمیری، ماہر القادری، کلیم احمد عاجز، عمیق حنفی اور بہت سے شعراء کے نعتیہ کلام میں ایسے آبدار شعر ملتے ہیں جن میں ملت کا غم سمویا ہوتا ہے۔

نعتوں میں شعور ملی کے انعکاس کی بات حالی سے شروع ہوئی تھی۔ مغربی تہذیب کا ستارۂ اقبال جب مسلمانوں پر طالع منحوس بن کر چمکا اور مسلمانوں کے ملک کے ملک اس تہذیب کی فاتحانہ یلغار سے پسپا ہونے لگے تو حالی پر تو اس کا اثر یہ ہوا کہ انھوں نے مسلمانوں کو ان کی خرابیاں اور کمزوریاں بتائیں تاکہ وہ کمزوریوں کو دور کر کے ایک طاقت ور قوم کی حیثیت سے اپنا رول ادا کریں۔ اکبر الہ آبادی پر اس کا رد عمل یہ ہوا کہ وہ مغربیت کے خلاف طنز کے تیر و نشتر لے کر میدان میں آگئے اور مغربی تہذیب کی برائیاں انھوں نے بیان کیں اور اندھی تقلید سے مسلمانوں کو روکنے کی کوشش کی۔ اکبر کی طرح اقبال نے بھی مغربی تہذیب کو تنقید کا نشانہ بنایا لیکن اکبر کے مقابلہ میں اقبال کے یہاں گہرائی بھی زیادہ ہے اور متانت بھی زیادہ ہے۔ انھوں نے ایک سرجن کی طرح مغربی تہذیب کی سرجری کی اور اسے بے سوز اور بے اخلاص قرار دیا۔ علم و خرد کا یہ سیل ان کے نزدیک زندگی کے لئے بلا خیز ہے۔ اس کا "صواب" بھی سراپا "ناصواب" ہے۔ اس تہذیب کا ضمیر و خمیر لادینیت، مادیت عیش کوشی، بادہ نوشی اور لذت و منفعت سے بنا ہے۔ اس کا سینہ نور سے

خالی ہے وہ بے زمزم کا صحرا اور بے خوشبو کا پھول ہے۔ روشنی علم کے باوجود وہ سراپا ظلمات ہے اور اس کے کمالات کی حد برق و بخارات ہے۔ اس کا جلوہ بے کلیم اور اس کا شعلہ بے خلیل ہے۔ انھوں نے مغرب کے نظام فکر و تعلیم کو اپنی فلسفیانہ تنقید کا نشانہ بنایا۔ انھوں نے اپنے نعتیہ اشعار میں اور خاص طور پر ارمغانِ حجاز میں عصر حاضر کے افکار کا گہرا تجزیہ کیا اور اس کے نقصانات بتائے۔ حوادثِ زمانہ کی تصویر کشی دوسرے نعت گو شعراء نے بھی کی لیکن اقبال نے فکر و فلسفہ کے موئے قلم سے تصویر میں نیا رنگ بھی بھرا اور نیا زاویۂ نظر بھی عطا کیا۔ زہر بھی بتایا اور زہر کا تریاق بھی۔

اقبال کی شاعری پر عشق رسالت مآبؐ کی مہر لگی ہوئی ہے اور ان کے مجموعۂ کلام 'ارمغانِ حجاز' کا خاص موضوع ہی عشق رسولؐ اور نعتِ رسول ہے۔ اقبال کے نعتیہ کلام کے ضمن میں ان کی ایک ایسی نظم کا حوالہ دینا مناسب ہوگا جو اصطلاحی معنوں میں نعت میں شمار نہیں کی جاتی۔ اور یہ اس لیے کہ اس پر نعت کا عنوان نہیں ہے لیکن اس کی داخلی فضا بتاتی ہے کہ وہ نعت ہے اور علامتوں کے ذریعہ اس کا نعت ہونا متعین بھی کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ بہت سے اہلِ نقد کے لئے اختلاف کی گنجائش باقی رہے گی۔ یہ "ذوق و شوق" کے عنوان سے ایک نظم ہے جس کے بیشتر اشعار فلسطین میں کہے گئے ہیں لیکن محبت و عشق کے طریقے جُدا اور سب سے الگ ہوتے ہیں۔ ان کے قدم قبلۂ اول کی طرف اُٹھ رہے تھے لیکن ان کا دل قبلۂ محبت کی طرف پرواز کر رہا تھا۔ نظم کے یہ اشعار دیکھئے :

سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحاب شب
کوہ "اضم" کو دے گیا رنگ برنگ طیلساں
گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخیل دھل گئے
ریگ نواح "کاظمہ" نرم ہے مثل پرنیاں

ان اشعار میں "کوہ اضم" اور "ریگ نواح کاظمہ" کی جغرافیائی تلمیحات کو دعویٰ کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ یہ دونوں مقامات سرزمین حجاز کے سمت میں واقع ہیں جن سے کسی زمانہ میں مصر و عراق کے کارواں حج و زیارت کے لئے گزرتے تھے اور علامہ بوصیری کے مشہور نعتیہ قصیدہ بردہ میں بھی ایک ہی شعر میں ان دونوں مقامات کی طرف اشارہ ملتا ہے :

ام ھبت الریح من تلقاء کاظمۃ   او اومض البرق فی الظلماء من اضم

"کوہ اضم" اور "کاظمہ" کے راستہ سے شاعر کے فکر کا طائر بلند پرواز دیار حبیب تک پہنچتا ہے اور کہتا ہے کہ کائنات کی تخلیق آپ کی وجہ سے ہے۔ آیتِ کائنات کا معنی دیر یاب آپ کی ذات ہے چشم فلک آپ کے انتظار میں ہزاروں سال سے چشم براہ تھی اور چمن زار ہستی کے قافلہ ہائے رنگ و بو آپ ہی کی تلاش میں پریشان اور سرگرداں تھے۔

آیۂ کائنات کا معنی دیر یاب تو
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو

اس نظم میں اقبال کی دوسری نظموں کی طرح روح آگہی موجود ہے۔ انھوں نے پوری شاعرانہ قابلیت اور فن کارانہ بصیرت کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ عصر حاضر کی تمام زہرناکیوں کے لئے "عشق" تریاق کا درجہ رکھتا ہے اور وہی جملہ علت ہائے عصر کا طبیب ہے۔

تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم نخیل بے رطب
تازہ مرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا
عشق تمام مصطفےٰ عقل تمام بولہب

عشق وہ طاقت و جذبہ ہے جو اطاعتِ خداوندی اور اطاعتِ رسولؐ پر انسان کو مجبور کرتا ہے اور عمل و عبادت میں استقلال عطا کرتا ہے۔ جذبۂ عشق کے اس لازمہ اور خاصہ کی طرف اس عربی شعر میں شاعر نے اشارہ کیا ہے:

ان کان حبك صادقا لا طعته
ان المحب لمن يحب مطيع

عشق کہنے کو تو ایک سہ حرفی لفظ ہے لیکن معنی کے اعتبار سے قوت کا سرچشمہ ہے۔ عشق ایک دولت سرمدی، ایک رطل گراں اور ایک فعال اور قوت آفریں جذبہ ہے جو انسان کے اندرون میں ایک بھونچال پیدا کرتا ہے اور اسے اندر سے بدل کر رکھ دیتا ہے۔ یہ زلزلہ بردوش بناتا ہے اور طوفانوں کے مقابلہ میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے۔ یہ عزم اور قوتِ عمل پیدا کرتا ہے اور قربانی کا حوصلہ بخشتا ہے اور جب یہ قوت لازوال ذات اور اہل و عیال اور آبِ زلال کی محبت سے فزوں تر ہوتی ہے تو معجزات

کا ظہور ہوتا ہے اور ناممکن ممکن بن جاتا۔ اقبال کے یہاں عشق پر زور، جذباتیت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ عہد جدید کی بیماریوں کی حقیقت پسندانہ تشخیص پر مبنی ہے۔ اقبال کو اپنے عصر کا شعور و عرفان حاصل تھا۔ انھوں نے اس بنیادی نکتہ کو پالیا تھا کہ مسلمان عصر حاضر میں جس بحران اور اضطراب سے دوچار ہیں اس کا حل یہ ہے کہ ان کے دلوں میں شعلۂ عشق کو بھڑکایا جائے۔ علم عشق کے بغیر نخیل بے رطب اور درخت بے ثمر ہے۔ عقل رہنما بن سکتی ہے۔ ہفت خواں کو طے کرنے کے لئے انسان کی رفاقت اور دست گیری نہیں کر سکتی۔

اقبال کے نزدیک عشق میں سرشاری ایسی دولت نہیں جو سہل الحصول ہو۔ یہاں مجرد علمی "نقوش" کا فلسفہ ناکام ہو جاتا ہے۔ تنہا نقوش کے مطالعہ سے یہ دولت بے بہا حاصل نہیں ہوتی۔ محبوب کے جمال دل پذیر اور حسن بے نظیر سے عشق پیدا کرنے کے لئے زندہ نفوس اور اہلِ عشق کی صحبت کی کیمیا اثری درکار ہے۔ انھوں نے اپنے فارسی شعر میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

نمی روید تخم دل از آب و گل
بے نگاہے از خداوندانِ دل

اور اس فکر کو اقبال نے جب اردو میں قرآنی تلمیحات کے ساتھ پیش کیا تو شعر فن کی بلندی تک پہنچ گیا:

اگر کوئی شعیب آئے میسّر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی
شعبۂ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ

نعت نبویؐ کی بیکرانی اور شعراء کی عجز بیانی

وصّاف خلائق جو عالم الغیب والشہادۃ ہے نعتِ محمدی میں فرماتا ہے:

"وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" (سورۃ الانشراح۔ ۴)

"اور تمھاری خاطر ہم نے تمھارا آوازۂ ذکر بلند کیا"

و بلند ساختیم برائے تو ثنائے ترا ـــ (شاہ ولی اللہ دہلوی)

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب و برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و ثنا میں مختلف مقامات پر بڑے حسین پیرایے اختیار کئے ہیں، کہیں رؤف رحیم کہا، کہیں رحمۃ للعالمین بتایا، کہیں رسول امین قرار دیا، کبھی حقیقت کا اسلوب اپنایا تو کبھی مجاز، کسی جگہ تمثیل کا سہارا لیا تو کسی جگہ تشبیہ کا، ایک مقام پر اشارہ ہے تو دوسرے مقام پر استعارہ و کنایہ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسی قرآنی بلاغت اور الہامی انداز میں قرآن مجید کو خُلقِ محمدی سے تعبیر کیا تھا اور بعد کے اہلِ دل اور صاحبانِ درد نے "قرآں ہمہ در شانِ محمدؐ" کی بلیغ تفسیر اختیار کی۔ لیکن رفعِ ذکر محمدی کا جو اظہارِ خداوندی آیتِ کریمہ میں آیا ہے وہ صرف ذاتِ الٰہی تک محدود و محصور نہیں بلکہ تمام مخلوقاتِ عالم کا ذکرِ نبوی اور ثنائے احمدی پر محیط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی امت اور اپنے ملائکہ کے ذریعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے کا ذکر کرکے اہل ایمان کو جو درود وسلام بھیجنے کا حکم دیا ہے وہ اسی رفعِ ذکرِ نبوی کی ایک عملی صورت ہے۔ ایک حدیثِ قدسی میں اس کی مزید تشریح یوں کی گئی ہے کہ: "جب بھی میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ تمھارا بھی ذکر کیا جائے گا"۔ چودہ سو برس سے پورا عالم شاہدِ عادل ہے کہ ذکرِ محمدی اذان و نماز، خطبہ و تقریر، تحریر و نگارش، تلاوت و کتابت، اور نہ جانے کتنے

انداز و اسلوب میں ہر آن و ہر لحظہ کیا جا رہا ہے۔

شعرائے عالم نے بالعموم اور زبان آوران جہانِ عرب و فارس و اردو نے بالخصوص رفعِ ذکرِ محمدی کے ان دونوں پہلوؤں کا خوب ادراک کیا ہے۔ وہ اپنی عقیدت و محبت سے مجبور ہو کر گلہائے نعت خدمتِ نبوی میں پیش بھی کرتے ہیں مگر ساتھ ہی عجز بیانی، فکری نارسائی اور الفاظ و اسلوب کی ناتوانی کا اظہار کر کے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ بلند اور نعت بالا کا حق ادا نہ کرنے کے قصور کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔ کبھی برملا، کبھی استعارہ کنایہ میں اور کبھی اشارہ سے وہ شانِ محمدی کے بامِ بلند کا اظہار کرتے ہیں۔ ثنائے محمدی کی عالی مرتبی اور شعر و کلام کی عاجز بیانی کا پہلو بہ پہلو بیان عہدِ نبوی سے آج تک ہوتا رہا اور ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ عربی و فارسی اور اردو کے شعرائے کرام نے اپنے عجز بیانی اور فکری نارسائی کے حوالے سے نعتِ محمدی کی بلندی اور افتخار کا ذکر کیا ہے اور اس میں طرح طرح کے اسلوب نکالے اور گوناگوں رنگ پیدا کئے ہیں۔ عجز بیانی کی بوقلمونی اور فکری نارسائی کی رنگارنگی پر ایک مختصر اظہار اگرچہ اس مقالہ کا موضوع ہے تاہم یہ دیدنی ہے کہ ہمارے صاحبِ درد اور اہلِ دل شعراء نے اس محدود اسلوب نعتِ نبوی کے کیسے حسین گلدستے پیش کئے ہیں۔

عربی شعراء کی عجز بیانی

اگرچہ قدرتِ کلام اور طلاقتِ لسانی کے لحاظ سے عربی زبان کی برتری مسلم ہے کہ قرآنِ مجید اس کا زندۂ جاوید ثبوت ہے تاہم کلامِ الٰہی اور کلامِ انسانی کا فرق بھی ظاہر و باہر ہے۔ جس طرح فصحائے عرب آیاتِ خداوندی کا جواب نہیں لا سکے اسی طرح وہ نعتِ محمدی کی بلندی تک بھی نہ پہونچ سکے۔ مختلف ادوار میں اس حقیقتِ ثابتہ کا اعتراف متعدد شعراءِ عرب نے کیا ہے۔ قصورِ کلام کا یہ اعتراف انفرادی بھی ہے اور پوری جماعتِ شعراءِ عالم کی جانب سے بھی۔ قادر الکلام شعراء کی جماعت کا اعترافِ عجز بیانی اشعار ذیل میں پیش ہے۔

ما ذا عسى الشعراء اليوم تمدحه   من بعد ما مدحت حمٓ تنزيل

إنما مثلوا صفاتك للنا   س كما مثل النجوم الماء

لایدرک الواصف المطری خصائصه — وان یک بالغافی کل ما وصفا

أری کل مدح فی النبی مقصرا — وإن بالغ المثنی علیه فأکثرا

اذا الله أثنی بالذی هو اهله — علیه فما مقدار ماتمدح الوریٰ

بلکہ یہ اعترافِ ظاہر بھی ملتا ہے کہ:

لا یمکن الثناء کما کان حقه

جماعتِ شعراء کے اجتماعی قصورِ کلام کے ثبوت کے علاوہ انفرادی اعتراف عجز بیانی بھی ملتا ہے۔ ابو علی محمد بن المستیز بن احمد قطرب (م ۲۰۶ھ) کا ایک شعر ہے جو جماعتی عاجز بیانی کا بھی ثبوت فراہم کرتا ہے:

وکان رسول الله فوق صفاتنا

مشہور فلسفی مورخ عبد الرحمن بن خلدون (م ۱۴۰۶ء) نے اپنے عجز بیان اور رفع نعتِ نبوی کا یوں اعلان کیا ہے:

قصرت فی مدحی فان یک طیبا — فیما لذکرک من اریج الطیب

ماذا عسیٰ یبغی المطیل وقد حوی — فی مدحک القرآن کل مطیب

آٹھویں صدی کے ایک شاعر شہاب محمود کا قصورِ کلام اور اس کا اعتراف یوں ملتا ہے:

ذو المعجزات الباهرات ترفعت — من أن یمیز وصفها الاحصاء

نعتِ نبوی کے ایک صاحبِ دل اور عظیم شاعر شیخ شرف الدین ابو عبد اللہ محمد البوصیری اپنے قصیدۂ لامیہ میں کہتے ہیں:

فانسب إلیٰ ذاته ماشئت من شرف — وانسب إلیٰ قدره ماشئت من عظم

فإن فضل رسول الله لیس له — حد فیعرب عنه

عربی شعراء کے یہ چند نمونے بلا کسی کاوش و جستجو کے پیش کئے گئے ہیں۔ تحقیق و تلاش کے بعد ان کی نہ صرف تعداد میں بہت زیادہ اضافہ کیا جاسکتا ہے بلکہ ان کے مختلف اسالیب و جبین افکار کی نشاندہی بھی کی جاسکتی ہے۔ اردو، عربی، فارسی شعراء کی نعتِ نبوی کی ایک قدرِ مشترک یہ رہی ہے کہ جس ذاتِ والاصفات کی شانِ رفیع میں خود خلاقِ عالم نے کلام تحسین فرمائی ہو اس کی نعت

بشری فکر اور کلام سے ماوراء ہے۔ دوسری قدرِ مشترک یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں جو کچھ اور جیسا کچھ بھی کہا جائے وہ کم ہے کہ الفاظ قلیل وحقیر ہیں اور ذاتِ ممدوح جلیل وعظیم۔ تیسری قدرِ مشترک جس کا اظہار مذکورہ بالا اشعار سے نہیں ہوتا یہ ہے کہ نبوی ذات والاصفات کی نعت وتعریف کی بدولت حقیر الفاظ واسالیب کو عزت ورفعت ملتی ہے جیسا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے مشہور شعر میں اعلان ہے:

ما إن مدحت محمداً بمقالتی
لکن مدحت مقالتی بمحمد

فارسی شعراء کا اعترافِ قصور

شعراء وفصحائے عرب نے نعت نبوی کی جو حسین وجمیل اور بلند وبالا طرح اپنے دور اور اپنی زبان میں ڈالی تھی فارسی شعراء نے اپنی قادر الکلامی، وفورِ جذباتِ عقیدت اور حسین تعبیرات اظہارِ بیان سے اس پر ایک عظیم الشان محل طرزادا تعمیر کر دیا۔ اہل دل علماء ومحققین کا فتویٰ ہے کہ "فارسی زبان نعت گوئی اور مدحِ رسول میں سب سے زیادہ خوش نصیب اور سرمایہ دار ہے"۔ اور اس کی تعمیر وارتقاء کے ذمہ دار عوامل ومحرکات میں اہل ایران کا جذبۂ عشق ومحبت کی فراوانی، ممدوح ومحبوب سے دوری اور ہجر کی آشفتہ بیانی اور تصوفِ عجمی کی عشق آگیں کارفرمائی کو گنایا ہے جب کہ بعض دوسرے سخت کوش وحقیقت بیں مورخین واہل قلم نے یہ فیصلۂ ناطق دیا ہے کہ تہذیب وتمدن کا عروج اور افکار ورجحانات کی تعمیر وتشکیل کے دور میں قوتِ عمل اور جوشش کارکردگی شمشیر وسنان کی جھنجھناہٹ میں ہویدا ہوتی ہے جیسا کہ اسلامی تہذیب کے دورِ عروج میں عربی شاعری اور نعت کا حال تھا کہ وہ فطری وسادہ اور حقیقت کے قریب تھی جب کہ دورِ زوال ونکبت میں قوائے عمل وکارکردگی کے اضمحلال کے سبب طلاقتِ لسانی میں اضافہ ہوتا ہے کہ وہ "طاؤس ورباب" اور "چنگ وطبل" کے نغموں سے زیادہ ہم آہنگ ہوتی ہے۔ معاشرتی اسباب خواہ کچھ ہوں مگر یہ ادبی حقیقت بھی نظر انداز نہ کرنی چاہیئے کہ فکری ارتقاء اور لسانی عروج بھی ایک اہم عامل ومحرک ہوتا ہے اور دوسری اہم حقیقت ہر زبان کا مزاج واسلوب بھی ہے جو

اس کو امتیاز و انفرادیت بخشتا ہے۔ اگر سادگی اور فطرت سے قربت عربی کا مزاج ہے تو رنگینی اور مبالغہ آمیزی، جذبات کی فراوانی اور حکایات کی بوقلمونی اور اسلوب و ادا کی ہمہ جہتی فارسی زبان و ادب کا خاصہ ہے اور یہ خاصہ اس کی صدیوں پرانی تہذیب کا عطیہ ہے جو ذرا تاخیر سے چمکا۔ فارسی زبان کی نعت گوئی کی خوش نصیبی اور سرمایہ داری اُس وقت تک قائم و دائم رہی جب تک فکری زوال نہیں شروع ہوا اور "خوب سے خوب تر" کی تلاش چھوڑی نہیں گئی۔ فارسی نعت گوئی کا دورِ عروج ہو یا زمانۂ زوال فصحائے عرب کی مانند شعرائے عجم کو بھی اپنی قادر الکلامی اور زبان کے بلند بانگ دعووں کے باوجود حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے علوِ مرتبت اور اپنی عاجز بیانی کا اعتراف کرنا ہی پڑا۔

ادبیاتِ فارسی کا ایک اہم ستون اور عجمی تصوف کے ایک عظیم علم بردار شیخ فریدالدین عطار نیشاپوری (م ۱۲۳۰ء) فرماتے ہیں کہ قیامت تک اگر نعتِ محمدی کروں تو بھی آپ کی ایک صفت کا بیان نہ کرسکوں:

اگر در نطق آیم تا قیامت — نیارم گفت یک وصفت تمامت

شیخ فخرالدین ابراہیم عراقی (م ۱۲۱۳ء) جیسا قادر الکلام شاعر بھی نہ صرف اپنی عقل و ناطقہ کی سرگریبانی معترف ہے بلکہ اس کو وسعتِ جہاں سے بھی وسیع اور ہر مثال و نظیر سے برتر قرار دیتا ہے:

در مدحِ تو عاجز آمد عقل — ناطقہ در ثنات لال شدہ

قدر تو در جہاں نگنجیدہ — نعتِ تو برتر از مثال شدہ

عظیم فارسی شاعر اور بے مثل ادیب شیخ سعدی شیرازی (م ۱۲۹۰ء) نے اپنے متعدد اشعارِ نعت میں رفعِ ذکرِ محمدی، اپنے عجزِ بیان اور حیرانی و آشفتہ بیانی کا شکوہ کیا ہے:

خدایت ثنا گفت و تبجیل کرد — زمین بوس قدرِ تو جبریل کرد

ندانم کدامین سخن گویمت — کہ والا تری زانچہ من گویمت

چہ وصفت کند سعدی ناتمام؟ — علیک الصلوٰۃ اے نبی السلام

علوِ مرتبتِ نبوی کا یہی اظہار اور اپنے نیز دوسرے تمام شعرائے مخلوق کی عاجز بیانی و نارسائی فکر کا اعتراف اس شاعرِ اعظم نے بھی کیا ہے جس کو خلاق المعانی کمال الدین اسمٰعیل (م ۱۲۳۵ء)

کہا جاتا ہے:

اے گفتہ لطفِ حق بخودی خودت ثنا   ما از کجا و مدح و ثنائے تو از کجا
مخلوق در ثنائے تو تا خود کجا رسد   خوانندہ خدائے باعظمت خلقِ تو عظیم
دریائے مدحتِ تو زپہناوری کہ ہست   درے شناورانِ سخن گذار نیست

خواجہ ہمام تبریزی (م ۱۳۱۲ء) کا حسب ذیل شعر نعت گوئی کا ایک شاہکار بھی ہے اور شانِ نبوی کی بلندی کا حسین ترین اظہار بھی اور ساتھ ہی ساتھ بشری کلام و توصیف کی نارسائی کا اعتراف بھی ہے:

ہزار بار بشستم دہن بمشک و گلاب   ہنوز نامِ تو بُردن مرا نمی شاید

چودھویں صدی عیسوی کے ایک اہم فارسی شاعر خواجہ جمال الدین سلمان ساوجی (ف ۱۳۰۹-۷۶ء) نے اپنی نعت کے اشعار میں اسی اسلوب کا سہارا لے کر نعتِ نبوی کی بلندی اور اپنی زبان کی عاجزی کا ذکر کیا ہے:

اے منتہی کہ ناطقہ خوش سرائے او   در حصرِ نعمتِ تو خرد گنگ و لال یافت
فکرم نمی رسد بصفاتت کہ وصفِ تو   بردست و پائے عقل زحیرت عقال یافت
فکر ہوائی بشریت کجا و کے   در بارگاہِ وصف ہوایت مجال یافت

اسی عہد کے ایک نسبتاً گمنام و فرد درجہ شاعر بوعلی قلندر پانی پتی (م ۷۲۴ھ) نے نعتِ نبوی کو اتنا بلند کیا کہ نعت گو کو نامحرم رازِ نبوی قرار دے دیا:

آنکہ گوید بزباں حرفے ز اوصاف ترا   ہست نامحرم رازِ تو و بیگانہ تو

صرف فارسی زبان کی نعت گوئی کی نہیں بلکہ فنِ نعت کی آبرو مولانا نورالدین عبدالرحمن جامی (ف ۱۴۱۴-۹۳ء) ہیں۔ انھوں نے اس فنِ شریف کو جس بلندی اور عروج سے آشنا کر دیا اس تک اور کسی کی رسائی بھی مشکل ہی سے ہو سکی۔ اپنی قادر الکلامی کلام اور معجز بیانی کے باوجود ممدوحِ رب العالمین کی بلندیٔ شان اور اپنے زبان و بیان کی کمزوری کا یوں اعتراف کرتے ہیں:

جامی کجاست نعتِ تو را ما بکلک شوق   بر لوحِ صدق زد رقمے کیف ما تفق

حدِّ ثنائش بجز خدا کہ شناسد   من کہ و اندیشۂ ثنائے محمدؐ

لیس کلامی یفی بنعت کمالہ   صلّ الٰہی علی النبی و آلہ

ہندوستان کے ایک صوفی شاعر جمال دہلوی (م ۱۵۳۵ء) نے فارسی شعراء کے محبوب اسلوب میں زبان وقلم کے گنگ و لال ہونے اور ثنائے نبوی کی بلندی کا واضح اعتراف کیا ہے:

زباں در وصفِ ذاتت گنگ و لالست   کہ وصفِ چوں توئی، کردن محالست

میانِ امتت از ہیچ ہیچم   چہ باشم من کہ در نعتِ تو پیچم

چہ نعتت می سراید ایزدِ پاک   چہ باشد در صفاتت زہرۂ خاک

عقل وفکر اور بیان و اظہار کی اسی نارسائی کا ذکر وحشی بافقی (م ۱۵۲۴-۸۳ء) کا حسبِ ذیل شعر میں ملتا ہے:

کجا بہ ملکِ کمالِ تو پائے عقل رسد
کہ عالمیست ازان سوئے کشورِ ادراک

ادبیاتِ فارسی میں محمد جمال الدین عرفی شیرازی (م ۱۵۹۱ء) کا نام نہ صرف معتبر ہے بلکہ اس کا کلام مایۂ افتخار بھی ہے۔ لیکن وہ اس میدانِ ابتلاء میں آتے ہی اپنی کوتاہ قامتی اور ممدوح ربانی کی علوِ مرتبتی سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ بایں ہمہ یہ اعتراف کرنا چاہیئے کہ بشری فکر کی نارسائی اور الفاظ و تراکیب کی عاجزی کے باوجود اس نے بہت حسین و جمیل پیرایے میں نعت کہی ہے:

دورانِ کہ بُوَد تا کند آرایشِ مسند   مداحِ شہنشاہِ عرب را و عجم را
عرفی مستادب، این رہِ نعت ست نہ صحراست   آہستہ کہ رہ بر دمِ تیغ ست قدم را
ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن   نعتِ شہِ کونین و مدیحِ کے و جم را
شایستہ بدست آر کہ بینند دریں شہر   شایستگیٔ جنس چہ بسیار و چہ کم را

گرم کہ خرد حصر کند مایۂ نعتش — آں حوصلہ آخر زکجا نطق و قلم را
تا نعتِ تو آمد ز مشیت بہ نوشتن — بالا نگرستن بشد از یاد قلم را

ایک دوسری نعت کے دو شعر اس اسلوب عجز نما کے یہ ہیں:

دعویٰ کنِ نعتِ لائقِ تو — رسوائے جہانِ آفرینش
دارد بہ عنایتِ تو عرفی — حرفے ز زبانِ آفرینش

بعض دوسرے شعرائے فارسی میں اسی مضمون کا ایک شعر سعد اللہ مسیحا پانی پتی (م سترہویں صدی) کا ہے:

خدا نعتِ محمد داند و بس — نیاید کارِ یزداں از دگر کس

اس کارِ یزداں کو انجام دینے کے لئے "صد افلاطون" بھی ناکام ہیں جیسا کہ میر سید علی مشتاق اصفہانی (م ۱۱۷۱ھ/۱۷۵۷ء) کا خیال ہے:

من کہ باشم خود و آنگاہ چہ باشد سخنم — تا شوم مدح سرائے تو بایں لیت و لعل
کہ بوادی ثنائے تو صد افلاطون را — پائے اندیشہ بود باہمہ سرعت ارجل

شیخ محمد علی حزیں (م ۱۱۸۰ھ/۱۷۶۶ء) کا عقیدہ ہے کہ قدرت کا اولین شاہکار کی ثنا، فکر وفہم انسانی سے ماورا ہے:

اے زادۂ اولینِ قدرت — قدرِ تو ورائے فہم و فکرت

فارسی ادبیات کے دورِ آخر میں شعری بلند خیالی اور فکر کے سبب حکیم قاآنی (م ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء) کا بہت بلند مقام ہے لیکن اس حکیم و فلسفی کو بھی اعتراف ہے کہ ثنائے محمدی کی بلندی تک نہ تو اس کی فکر کی رسائی ہے اور نہ اس کی تصویر کشی میں بیان و زبان کی

لیکن ترا مجالِ بیان نیست در درود — لیکن ترا قبولِ سخن نیست در ثنا
دستِ دعا وسیع و سمندِ تو ناتواں — بامِ ثنا رفیع و کمندِ تو نارسا

ہندوستان کے آخری دورِ ادبیات فارسی کے ایک اہم شاعر گرامی جالندھری (م ۱۹۲۷ء) نے اپنی نعت میں کہا ہے:

ایں چہ شوخیست دریں چہ بے ادبی — من و نعتِ محمدِ عربی

اردو شعراء کا اظہارِ عجز

اردو کو فارسی کا خوشہ چیں ہونے کے سبب وہ تمام شعری اور لسانی روایات ورثہ میں ملی ہیں جو دیارِ عجم اور تہذیبِ ایران کا طرۂ امتیاز تھیں اور اسی بنا پر اردو نعت گوئی کا دامن نہ صرف مالا مال ہے بلکہ کمیت وکیفیت، ذوق وشوق، گہرائی وگیرائی اور محبت وعقیدت کے لحاظ سے اس کا درجہ فارسی کے بعد اور دوسری زبانوں سے پہلے مقرر کیا جاتا ہے۔ ہمارے بعض اہم شعراء نے نعت گوئی میں وہ رنگینی اور بلند خیالی پیدا کی ہے جو شعرائے عجم وایران میں سے اکثر کو نصیب نہیں تھی۔ بہرکیف ہمارے شعراء کو بھی مقامِ نبوی کی بلندی اور فکر وبیان کی پستی کا احساس بھی تھا اور انھوں نے اس کا بھرپور اعتراف بھی کیا ہے۔ عجز آگیں نعت گوئی کی روایت اردو میں قدیم سے چلی آرہی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ سلسلہ کبھی تمام ہونے والا نہیں۔ سولہویں صدی عیسوی سے اس کے نمونے نظر آنے لگتے ہیں لیکن ان میں زبان وبیان کی حلاوت ناپید ہے۔ البتہ بعد کی صدیوں میں زبان کی چاشنی اور بیان کی چستی نظر آنے لگتی ہے۔ صنعتی بیجاپوری (م ۱۶۴۵ء) کا ایک نعتیہ شعر ہے:

سوادِ ذوق کہنے میں آئے کہاں
اور لذت بیان میں سمائے کہاں

اٹھارہویں صدی عیسوی کے ایک شاعر انعام اللہ یقینؔ (م ۱۷۵۶ء) شعر کے عجز اور مقامِ رسول کے علو کا یوں ذکر کرتے ہیں:

کون کرسکتا ہے اس خلاقِ اکبر کی ثنا   نارسا ہے شان میں جس کے پیمبر کی ثنا
سر برآ اس منہ سے ہوسکتی ہے نعتِ رسول   یا ابوبکر وعمر عثمان حیدر کی ثنا

اسی عہد کے ایک جلیل القدر اردو شاعر مرزا محمد رفیع سوداؔ (م ۱۷۸۱ء) اپنی فروتنی اور عاجزی کے حوالہ سے ثنائے رسول کی بلندی کا اعتراف بہت خوبصورت انداز میں اس طرح کرتے ہیں:

یقین وسودا کے معاصر قائم چاند پوری (م ۱۷۹۳ء) کے عاجزانہ رنگِ نعت نبوی پر فارسی شعراء کے طرز و بیان کا اثر واضح طور سے نظر آتا ہے:

مقدور کسے نعتِ پیمبر کی رقم کا
ہر دم ہے دمِ تیغ پہ یاں راہ قلم کا

اسی رنگ اور اسی بحر میں میر محمدی بیدار (م ۱۷۹۴ء) کے دو نعتیہ شعر ملاحظہ فرمائیے:

ہے نام ترا باعثِ ایجاد رقم کا
محتاج نہیں وصف ترا لوح و قلم کا

مقدارِ بشر کب ہے تری حمد سرائی
کیا قطرۂ ناچیز سے اوصاف ہو یم کا

قائم و بیدار کی حلاوت و چاشنیٔ بیان اگرچہ میر تجلی دہلوی (م ۱۷۹۵ء) کے دو اشعار میں نہیں ہے تاہم عجز بیانی کا پورا اظہار ملتا ہے:

ایسا میں عاجز سخن، تس پہ ہوا لفت کے
پشۂ بے بال و پر ہو سکے کیونکر عقاب

جذبۂ خورشید سے اس کو ہے بال و پر
شبنم بے پر ہوں میں، ذات تری آفتاب

یہی صورتِ حال مولانا محمد باقر آگاہ (م ۱۸۰۵ء) کے ہاں نظر آتی ہے:

ہمیں کیا چیز ہیں جب ربِّ علام
رکھا ہے اوس کا ذکر العالمین نام

مگر ان کے ایک معاصر اور اردو کے عظیم شاعر شیخ قلندر بخش جرأت (م ۱۸۱۰ء) نے قلندرانہ انداز میں ایک نیا اسلوب و پیرایہ نکالا ہے جس میں مقامِ نبوی کی بلندی کا شاعرانہ عاجز بیانی کے رنگ میں خوبصورت اظہار ہے:

محمدؐ ہے نبی ممدوح ذاتِ کبریائی کا
کس بندہ کو گر اس کی مدح دعویٰ ہے خدائی کا

بلند اس کا ہے ایوانِ مراتب کہ نہیں اس جا
خیالِ ساکنانِ عرش کو یارا رسائی کا

ساکنانِ عرش کی نارسائی ہو یا متوطنانِ فرش کی، نعتِ نبی کا حق ادا کرنے کی سکت میر ضیاء الدین عبرت (م ۱۸۱۶ء) فرماتے ہیں:

صفت اس کی کہے مقدور کس کا
خدا مداح عبرت ہووے جس کا

راسخ عظیم آبادی نے نہ صرف نعتِ نبوی کو بشری طاقت سے ماوراء جانا ہے بلکہ اس کو طول دینا سوءِ ادب سمجھا ہے:

کیا ثنا ہو آگے اب راسخ سے تیری جز درود
طول دینا حرف کا سوءِ ادب ہے بعد ازیں

اسی جذبہ کا اظہار باندازِ دگر ناسخ لکھنوی (م ۱۸۳۸ء) نے اس طرح کیا ہے:

خدا تیرا معترف ہے ملک تیرے موصّف ہیں
نہیں حدِ بشر کہنا ترے اوصافِ بے حد کا

اردو کے البیلے اور شریعت شناس شاعر حکیم مومن خاں مومن (م ۱۸۵۱ء) نے اپنی نعت کے دو بندوں میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوِ مقامی اور شعراءِ عجم کی عاجز بیانی کو خوبصورت پیرایہ دیا ہے:

کر سکے پایۂ عالی کو ترے کون ادراک
تیرے درجہ کو نہ عیوق ہی پہنچے نہ سماک
گرچہ کافی تھی فضیلت کو حدیثِ لولاک
شبِ معراج عروجِ تو گذشت از افلاک

بہ مقامی کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

جوش میں شوق کے کچھ یاد رہی مدح نہ ذم
یہ نہ سمجھے کہ یہ کیا جائے ہے اور کیا ہیں ہم
خودستائی ہے زبس رسمِ فصیحانِ عجم
نسبتِ خود بہ سگت کردم و بس منفعلم

زاں کہ نسبت بسگِ کوئے تو شد بے ادبی

اردو کے صاحبِ تاج و مسند شاعر بہادر شاہ ظفر (م ۱۸۶۲ء) نے ممدوحِ خدا کی جناب میں اپنا ہدیۂ نیاز و عجز پیش کیا ہے:

قرآں میں جب کہ خود ہو ثنا خواں ترا خدا
کیا تاب پھر قلم کو جو کچھ کر سکے رقم

یہی مضمون مرزا غالب دہلوی نے فارسی میں اور شیفتہ دہلوی (م ۱۸۹۹ء) نے اردو میں باندھا ہے:

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتم — کآں ذاتِ پاک مرتبہ داں محمد ست
بشر کی تاب و طاقت کیا جو لکھے نعتِ احمد کو — خدا ہی جانتا ہے خوب بس رتبہ محمد کا

ان کے ایک اور معاصر صابر دہلوی (م ۱۸۸۲ء) نے مدحتِ نبوی کو حیرت زا اور فکر وخیال کے لئے حجاب قرار دیا ہے:

ہوئی قفلِ دہن حیرت، تری مدحت سرائی میں
ہوا ہے باز، روئے فکر پر در لاکھ دقت کا

شعرائے عرب و عجم کی یہ مجموعی تمنا رہی ہے کہ اگرچہ ان کی نعت مرتبہ شناسِ رسالت اور سزاوارِ کمالِ نبوی نہیں تاہم اس کو قبولیت کے شرف سے نوازا جائے۔ حافظ حضور احمد خاں آثم (م ۱۸۸۶ء) کی دعا ہے:

آثم کی ہے دعا کہ الٰہی قبول ہو
گو نعت یہ نہیں سزاوارِ مصطفیٰ

نواب کلب علی خاں نواب (م ۱۸۸۸ء) نے فلسفۂ جبر و اختیار کا کیا خوب حوالہ دیا ہے:

ہر چند نعتِ سرورِ کونین ہے محال
پر کام لوں گا جبر سے میں اختیار کا

ہماری زبان کے عظیم ترین شاعروں میں خواجہ الطاف حسین حالی (۱۸۳۷ء-۱۹۱۴ء) کا شمار ہوتا ہے مگر وہ اپنے سخن کو اس باب میں فروتر سمجھتے ہیں:

حریفِ نعتِ پیمبر نہیں سخن حالی — کہاں سے لائیے اعجاز اس بیاں کے لئے

ان کے لکھنوی معاصر و ہمسر امیر مینائی (م ۱۳۱۸ھ) نے اپنی فہم کو نارسا اور ان کے مقامِ اعلیٰ تک پہونچنا ناممکن بتایا ہے:

کلیدِ فہم دندانِ طمع کیا تیز کرتی ہے
کبھی ممکن نہیں ہے کھولنا اس قفلِ ابجد کا

مجروحؔ دہلوی (م ۱۹۰۳ء) نے خدا کی مدح خوانی کے آگے انسانی نعت گوئی کی فروتری کا ذکر سہل ممتنع میں کہا :

وصف کیا ہو بیاں محمدؐ کا
ہے خدا مدح خواں محمدؐ کا

اردو زبان کے صاحبِ طرز و صاحبِ دل شاعر داغؔ دہلوی (م ۱۹۰۵ء) نے اپنی عجز بیانی کے لئے کلام الٰہی کا سہارا لیا ہے :

انساں سے بیاں ہوں کیونکر صفاتِ ذات
ایسا کہاں ہے ذہن ظلوم وجہول کا؟

جلالؔ لکھنوی (م ۱۹۰۹ء) نے لکھنوی شعری روایت کو نعتِ نبوی میں بھی برتا ہے کہ ان کے ہاں مرقد و قبر وغیرہ لازمی پیرایۂ بیان ہے :

جلیں کیونکر نہ پرِ فکرِ رسا کی نعت میں اس کی
پرِ جبریل پروانہ ہو جس کی شمع مرقد کا

وفاؔ رام پوری (م ۱۹۱۵ء) نے ممدوح کے مقام کی بلندی اور اپنی نعت گوئی کی پستی کا اظہار تین اشعار میں یوں کیا ہے :

ہاں یہ سچ ہے کہ ترا وصف ہمارا مقصود — ہاں یہ حق ہے کہ تری نعت ہے اقصیٰ غایت
نام لینے پہ ترے ٹھہری ہے عالم کی نجات — وصف لکھنے میں ترے دیکھی خطائے عصمت
میں کہاں اور یہ تقریر، یہ تحریر کہاں؟ — دستِ کوتاہ میں رعشہ، تو زباں میں لکنت

یہی رنگ و آہنگ ذرا دوسرے الفاظ میں محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی (م ۱۹۳۶ء) کے ہاں نظر آتا ہے :

مگر ہاں کر سکے احصا جو احمدؐ کے فضائل کا — وہ احمد بعدِ حق زیبا ہے جس کو نازِ یکتائی
عزیزؔ آخر کہاں تک دوگے صہبائے سخن بس بس — دعا وہ مانگ منہ سے خود اثر جس کا ہے شیدائی

آغا شاعرؔ قزلباش (م ۱۹۴۰ء) نے رفعتِ شانِ نبوی اور اپنے قلم کی خامکاری کے لئے کیا خوبصورت انداز اختیار کیا ہے :

ارادہ جب کروں اے ہمنشیں مدحِ پیمبر کا — قلم لے آؤں پہلے عرش سے جبریل کے پَر کا

سلطانِ مدینہ کے ایک صاحبِ دل ثناخواں مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد (م ۱۹۴۰ء) نے اپنی عقیدت و عجز کا یوں اظہار کیا:

ایسے بے مثل بندہ پرور کی ہو سکے کیا بھلا ثنا خوانی!

کیا مجھ سے ثنا ہو سکے، اک مور ہوں ادنیٰ اعلیٰ ہیں وہی، جو ہیں سلیمانِ مدینہ

ان کے معاصر و ہم وطن نواب بہادر یار جنگ (م ۱۹۴۴ء) نے اسی خیال کو بڑا حسین پیرایہ بخشا ہے:

مدحتِ شاہِ دوسرا مجھ سے بیاں ہو کس طرح
تنگ میرے تصورات، پست میرے تخیلات

اردو نعت گوئی کی ایک آبرو علامہ اقبال سہیل (م ۱۹۵۵ء) تھے۔ انھوں نے مدحِ نبی میں پُر وقار اسلوبِ بیان ایجاد کیا اور گوناگوں پیرایوں میں نعتِ نبوی کا فریضہ انجام دیا۔ وہ اپنی تمام معنی آفرینی اور نکتہ سنجی کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہوئے:

مہرِ رسالت، مہرِ جلالت، عینِ عدالت نفخرِ دلالت
اے بکمالات ناطقہ ابکم صلی اللہ علیہ وسلم

ہمارے جدید شعراء میں مانی جائسی (م ۱۹۶۳ء) ایک منفرد رنگ کے مالک ہیں۔ وہ اپنے عجزِ بیان کا اعتراف یوں کرتے ہیں:

کہاں امکاں تری توصیف سے عہدہ برآئی کا ثنائے مختصر یہ ہے کہ تو ممدوحِ داور ہے
نبی کی مدح میں پہلے ہوئی رطب اللساں قدرت ہماری مدح اے مانی! مگر قندِ مکرّر ہے

حضرت یحییٰ تنہا (م ۱۹۶۶ء) نے بحرِ بیکرانِ نعتِ نبوی کو عبور کرنے سے اپنی کوتاہی کا ذکر کیا ہے:

غرض کہ سیرتِ حضرت پہ کیا لکھے تنہا
یہ بحر وہ ہے کہ جس پر نہ پائے کوئی عبور

ہمارے معاصر شعراء میں ایک بزرگ نام میرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی (م ۱۹۶۷ء) کا ہے اور وہ بھی اس کی ثناوری سے اپنے کو عاجز پاتے ہیں:

نورِ یزداں سے ہوئی ہے خلق طینت آپؐ کی یارسول اللہ! ناممکن ہے مدحت آپؐ کی

فضل احمد کریم فضلی (م ۱۹۸۱ء) نے اس اسلوبِ عجز نما میں ایک نیا رنگ پیدا کیا ہے:

ان کی ذات وصفات اک دریا — اور الفاظ میرے، مثلِ حباب
ذکرِ پاک ان کا، اور تو فضلی! — بے ادب! سیکھ عشق کے آداب

ماضی قریب کے تین نسبتاً کم مشہور شعرا عبداللہ خاور اور راجہ محمد عبداللہ نیاز کے دو دو اور تاج الدین تاج عرفانی کا ایک شعر بالترتیب اسی عجز بیانی کے ترجمان ہیں:

حدیثِ شوق بیارم چساں کہ بے ادبی ست — بگفتہ نطق زبے چارگی: "انا المعذور"
حضور آپ کی مدح و ثنا نہیں ممکن! — لسانِ روم وعرب ہو کہ نطقِ نیشاپور

روشن ہو جس سے دل وہ تمھاری ثنا کہوں — گو ناطقہ ہے سر بگریباں کہ کیا کہوں
پھر خوابگاہِ ناز کی کیوں کر ثنا کہوں! — وہ خاکِ تابناک جسے کیمیا کہوں

میں لکھوں کیسے علوِ مرتبت سرکار کا
تیرے خادم بھی ہیں رشکِ قیصر وفغفور و جم

ناصر کاظمی (م ۱۹۷۲ء) ہمارے ماضی قریب کے ایک منفرد شاعر ہیں جو خوبصورت طرزِ ادا اور حسین پیرایۂ بیان میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ حلاوت وشیرینی، لطافت ونزاکت اور معنی آفرینی ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ انھوں نے مرزا غالب کے اشعار پر جو تضمین کی ہے وہ نعت گوئی کے اسلوبِ عجز نما کا اچھوتا شاہکار ہے:

یہ کون طائرِ سدرہ سے ہم کلام آیا
جہانِ خاک کو پھر عرش کا سلام آیا
جبیں بھی سجدہ طلب ہے یہ کیا مقام آیا
زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

خطِ جبیں ترا ام الکتاب کی تفسیر
کہاں سے لاؤں ترا مثل اور تیری نظیر
دکھاؤں پیکرِ الفاظ میں تری تصویر
مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لئے

کہاں وہ پیکرِ نوری، کہاں قبائے غزل
کہاں وہ عرش مکیں، اور کہاں نوائے غزل
کہاں وہ جلوۂ معنی، کہاں ردائے غزل
بقدرِ شوق نہیں ظرف تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کے لئے

تھکی ہے فکر رسا، اور مدح باقی ہے
قلم ہے آبلہ پا، اور مدح باقی ہے
تمام عمر لکھا، اور مدح باقی ہے
ورق تمام ہوا، اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کے لئے

نعتِ نبی اور مدحِ رسول کلام الٰہی کے الفاظ میں رفعِ ذکرِ محمدی اور علوِ آوازۂ احمدی کی ایک دل آویز و دل نشیں صورت ہے۔ عربی، فارسی اور اردو کے قدیم وجدید شعراء نے مختلف ادوار میں نعتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے حسین اسالیب اور عظیم پیرایے نکالے۔ ان میں محبت وشیفتگی کی حلاوت بھی ہے اور عقیدت واحترام کی لطافت بھی۔ عشق و وارفتگی کی جنوں انگیں گہرائی بھی اور اکرام واجلال کی احتیاط پسند گیرائی بھی۔ شعراء عالم نے حلیۂ مبارک بشری صفات، نورانی اوصاف، اخلاق وعادات، خدمات واقدامات، اور ذاتِ نبوی سے متعلق ہر شے کی تعریف وتوصیف کی ہے۔ انھوں نے خدمت نبوی میں اپنی دعائیں اور التجائیں بھی پیش کی ہیں اور تمناؤں اور آرزوؤں کا اظہار بھی کیا ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی ایسا نہیں جس کو اپنی کوتاہ قامتی اور ممدوح رب العالمین

کی عالی مقامی کا شدید احساس نہ رہا ہو اور اس کا برملا اظہار نہ کیا ہو۔ لاریب یہ سخنورانِ عالم کا سچا اعترافِ قصور ہے مگر اسی اسلوبِ عجز نما میں شانِ محمدی کی عالی مرتبی کا راز بھی سربستہ ہے۔ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم بلند بہت بلند ہیں اور ان کی مدح و نعت بھی بلند اور بہت بلند ہے مگر ان کی عالی مقامی اور ان کے آوازۂ ذکر کی عالی مرتبی کا موازنہ اگر ہماری کوتاہ قامتی اور ہمارے عجزِ بیان کی پستی سے کیا جائے تو آپ کی عظمت و جلالت اور آپ کی مدح و ثنا کی بلندی کا اور بھی اندازہ و احساس ہوتا ہے۔ شعراءِ عالم نے اسی لئے نعتِ نبوی کو کارِ یزدانی سے تعبیر کیا ہے اور اس کارِ یزدانی کی ہمسری کرنا کسی جن و بشر کے بس میں نہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ قرآن مجید خُلقِ نبوی کا ترجمان ہے مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ابھی نعت و مدحِ نبی کا پورا حق ادا نہیں کیا گیا۔ علامہ شبلی نعمانی نے اپنے ایک الہامی قطعے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عالی مقامی، نعتِ نبوی کی بلندی اور اس باب میں تمام کاوشوں کی نارسائی و ناکامی کو بڑے حسین پیرایے میں سمو دیا ہے اور اسی پر خاتمۂ کلام بھی ہے:

فرشتوں میں یہ چرچا ہے کہ "نعتِ سرورِ عالم   دبیرِ چرخ لکھتا یا کہ خود روح الامیں لکھتے
صدا یہ بارگاہِ عالمِ قدوس سے آئی   کہ یہ ہے اور ہی کچھ چیز، لکھتے تو ہمیں لکھتے"

اِس مقالہ کی تیاری میں حسبِ ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ہے:

۱۔ محمد طفیل (مدیر) "نقوش" رسول نمبر جلد دہم شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۵ء ادارہ فروغ اردو، لاہور
۲۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی "کاروانِ مدینہ" مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ ۱۹۷۸ء
۳۔ مولانا عبداللہ عباس ندوی "عربی میں نعتیہ کلام" مکتبۂ اسلام، لکھنؤ ۱۹۷۵ء
۴۔ علامہ شبلی نعمانی "کلیاتِ شبلی" دارالمصنفین، اعظم گڈھ (غیر مورخہ)
۵۔ شاہ ولی اللہ دہلوی "تفسیر و ترجمہ فتح الرحمٰن" تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور ۱۹۸۶ء
۶۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی "تفہیم القرآن" مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی ۱۹۸۳ء، جلد ششم

از۔ ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی
پروفیسر ایمرٹس شعبۂ عربی
جامعہ ملیہ اسلامیہ

"کعب بن زہیر!"

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں

اور یہی کہانی ہے کعب بن زہیر کی۔ اور اس قصیدہ کی جس نے قصیدۂ بردہ کے نام سے عربی ادب میں شہرتِ دوام حاصل کر لی ہے، مگر اس قصیدہ پر گفتگو کرنے سے پہلے کچھ ابتدائی باتیں۔

آنحضرتؐ کے زمانے میں شعراء کے طبقہ میں دو شاعر کعب کے نام سے مشہور ہوئے ہیں، اور دلچسپ بات یہ ہے کہ دونوں پہلے آپؐ کے عتاب پھر خوشنودی، اور اس کے بعد ایسے انعام کے مستحق قرار پائے، جنھوں نے ان کو ہمیشہ کے لئے زندۂ جاوید کر دیا، ان میں ایک تو یہی کعب بن زہیر ہیں جن سے آپؐ اتنے خفا ہوئے تھے کہ ان کا خون ہدر کر دیا تھا، لیکن جب انھوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کر کے سر آپؐ کے قدموں میں ڈال دیا، اور پھر آپ کی مدح اور معذرت میں ایک لاجواب قصیدہ پڑھ کر سنایا تو آپؐ اتنے خوش ہوئے کہ نہ صرف ان کے سارے گناہ معاف کر دیئے بلکہ فرط انبساط میں اپنی چادر مبارک ان کو اُڑھا دی جس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ کعب تر گئے بلکہ ان کا قصیدہ عربی شعروشاعری میں "قصیدۂ بردہ" یعنی چادر والا قصیدہ کے نام سے، نابغہ ذبیانی کے بعد مدح و معذرت کا شاہکار بن گیا، دوسرے کعب بن مالک تھے، جو پکے مسلمان اور آنحضرتؐ کے شیدائیوں میں سے تھے، مگر ایک موقع پر آپؐ ان سے اتنے خفا ہو گئے کہ خود بھی بول چال بند کر دی، اور اس کے بعد ان کا مکمل سماجی بائیکاٹ کرا دیا، جس سے بقول خود ان کے قد ضاقت علیّ نفسی وضاقت علیّ الأرض بما رحبت!

زمین ان کے لئے اتنی تنگ ہوگئی کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ آخر میں قرآن نے ان کی برأت کا اظہار کیا، تو نئی زندگی ملی[۱]۔ اور اب سنئے کعب کی کہانی کچھ ان کی اور کچھ تذکرہ نگاروں کی زبانی۔

کعب معلقہ کے مشہور صلح پسند اور نیک خو شاعر زہیر بن ابی سلمیٰ کے بیٹے تھے[۲]۔ ماں کا نام کبشہ تھا، جن کا قبیلہ غطفان سے نسلی اور نسبی تعلق تھا، اس طرح کعب ماں اور باپ دونوں کی طرف سے خاندانی اور اپنے اوصاف اور شاعری کی وجہ سے ممتاز حیثیت کے مالک تھے، زہیر بن ابی سلمیٰ کا گھرانہ سارے عرب میں شعراء کی کان سمجھا جاتا تھا، کیونکہ تنہا اس خاندان میں گیارہ شاعر یکے بعد دیگرے پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ ان کے بزرگوں میں بشامہ بن الغدیر جیسے فلسفی بزرگ اور عقلمند اور دانا شخصیت نے اس خاندان کو سیاسی اعتبار سے بھی خاصا نامور اور مشہور کر دیا تھا[۳]۔ ایسے شاعرانہ ماحول اور ایسی دیو قامت شخصیتوں کے درمیان کعب کی پرورش ہوئی، اور وہ بھی آسمانِ شعر و ادب پر ایک روشن ستارہ کی طرح چمکے جس کی تابناکی میں آنحضرتؐ سے معذرت اور پھر مدح نے چار چاند لگا دیئے۔

کہتے ہیں کہ بچپنے میں جب ان کے باپ زہیر نے کعب میں شاعری کا رجحان محسوس کیا تو طبع آزمائی سے اس وجہ سے منع کر دیا کہ کہیں گھٹیا قسم کی شاعری کرکے خاندان کی شاندار روایات کو مجروح نہ کرے، لیکن جب کعب کی طرف سے اصرار دیکھا تو اکثر بستی سے باہر لے جاتے اور اپنے اور جاہلی شعراء کے عمدہ چیدہ قسم کے اشعار یاد کرکے ان کو سنتے اور مشقِ سخن کراتے اور رموزِ فن سے روشناس کراتے، اس طرح کعب کی اس فن میں اس زمانے کے یکتائے روزگار شاعر کے ہاتھوں تربیت ہوئی اس لئے خوب منجھ کر مکتبِ شعر و شاعری کے مختلف کٹھن امتحانات پاس کرکے اس فن کے ممتاز فنکار بن گئے[۴] اور

۱ؔ اغانی الاصفہانی ۱۵/۱۴۹ اور تبریزی شرح بانت سعاد۔

۲ؔ زہیر بن ابی سلمیٰ کے حالاتِ زندگی کے لئے دیکھئے مضمون نگار کی کتاب عربی ادب کی تاریخ جلد اول ص۲۱۰ پورا سلسلۂ نسب یوں ہے کعب بن زہیر بن ابی سلمیٰ بن رباح بن قرط۔ ا ھ، کعب کی پیدائش صحیح تاریخ نہیں معلوم تاریخ وفات میں اختلاف۔

۳ؔ تفصیل زہیر بن ابی سلمیٰ کے حالات میں پڑھئے۔

۴ؔ الأغانی ۱۵۔ اور امالی المرتضیٰ ۱/۹۷ بحوالہ شوقی ضیف تاریخ الادب العربی، العصر الجاہلی۔

زمانۂ جاہلی میں ہی خاصی شہرت اور حیثیت حاصل کرلی، اس بات کی دلیل میں اس واقعہ کو پیش کیا جاتا ہے کہ زہیر کے شاگرد اور عربی ادب کے مشہور ہجو کے مستند شاعر الحطیئہ نے ایک دفعہ کعب سے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کے خاندان کا زاویہ ہوں، سب سے کٹ کر صرف آپ لوگوں سے رشتہ جوڑ رکھا ہے، اب جب کہ سارے اساتذۂ خاص ختم ہوچکے ہیں اور صرف آپ ہی بچ گئے ہیں کیوں نہ آپ چند شعر ایسے کہیں جن میں پہلے اپنا تذکرہ اور پھر میرا ہو، کیونکہ لوگوں میں آپ کی کہی ہوئی بات جلدی پھیل جائے گی اور آناً فاناً سارے عرب میں ہم دونوں کا چرچہ ہوجائے گا، چنانچہ کعب نے اپنا وہ مشہور قصیدہ کہا جس میں کہتے ہیں ؎

فمن للقوافی شأنها من یحوکها	إذا ما توی کعب وفوز جرولُ

یعنی جب کعب اور جرول (الحطیئہ کا لقب) مرجائیں گے تو شعر و شاعری کے شایانِ شان کون رہ جائیگا۔

اغانی نے روایت کی ہے کہ کعب اور ان کے چھوٹے بھائی بجیر ایک صبح اپنی بکریوں کا ریوڑ لے کر نکلے اس وقت تک اسلام اور آنحضرتؐ کا اچھا خاصا چرچہ ہوچکا تھا، چنانچہ دونوں بھائی اسلام اور آنحضرتؐ کے بارے میں راستے بھر باتیں کرتے رہے اور جب بنو اسد کے ایک تالاب (أبرق الغراف) پر پہونچے تو کعب نے کہا کہ بجیر میں یہیں ٹھیر جاتا ہوں تم ذرا مدینہ جاکر اس آدمی (آنحضرتؐ) اور اس کے دین کے بارے میں معلومات حاصل کرکے مجھے بتاؤ[1]، اسلام کے ابھرنے اور آنحضرتؐ کے چرچے کے علاوہ کعب کے جی میں اس خیال کے آنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے باپ زہیر بن ابی سلمیٰ نے جو بہت نیک اور صلح پسند اور حق کے متلاشی تھے اور اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کی صحبت میں بیٹھا کرتے تھے اور ان کی باتیں سنا کرتے تھے آخر عمر میں ایک مرتبہ کچھ طلسماتی قسم کے خواب دیکھے جن میں سے ایک خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ان کی طرف ایک موٹی رسّی لٹکی ہوئی ہے جب یہ اس کو پکڑنے کے لئے بڑھے تو وہ فوراً اوپر اٹھ گئی اتنے میں ان کی آنکھ کھل گئی چنانچہ صبح کو اپنے دونوں بیٹوں کو بلا کر کہا کہ دیکھو میرے بعد آسمان سے کوئی نئی بات ظاہر ہوگی تم دونوں اس بات کا پتہ لگانا اس کی چھان بین کرنا اور اس سے فائدہ اٹھانا اور اگر اس آدمی کو پاؤ تو اس کی پیروی کرنا چنانچہ اس موقعہ پر باپ کی کہی ہوئی بات کا دھیان بھی دونوں کو آیا، کعب بولے کہ اچھا ہے جاکر اس آدمی اور اس کے دین کے

---

[1] الأغانی ۱۵/۱۴۹، اور الاصابہ فی تمییز الصحابۃ: ابن حجر العسقلانی ۵/۳۰۳

بارے میں پتہ لگاؤ اگر بات ٹھیک ہے اور دل لگتی ہو گی تو ہم لوگ اس کے پیرو بن جائیں گے۔ اس طرح باپ کی وصیت اور ہماری خواہش دونوں پوری ہو جائیں گی چنانچہ بجیر بھائی کی یہ بات گرہ میں باندھ اپنی مہم پر مدینہ روانہ ہو گئے۔

بجیر جو مدینہ پہونچے اور آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آنحضرتؐ کی ایک نگاہ غلط انداز ہی سے دل وجان سب آپؐ پر نثار کر بیٹھے، اب نہ تو اپنی سدھ رہی اور نہ وہ وعدہ جو بھائی سے کر کے آئے تھے، ادھر بھائی کعب دن بھر بکریوں کو چرانے، آتے جاتے بھائی کے واپس آنے کو راہ تکتے، اور بجیر کو نہ آنا تھا نہ آئے، یہ واقعہ ۸ھ کا جب کہ مکہ ابھی فتح نہیں ہوا تھا، بھائی کا انتظار کرتے کرتے جب کعب تھک گئے تو بھائی کے بارے میں پوچھ گچھ کی، پتہ چلا کہ بقول مکیوں کے وہ بددین ہو گئے یعنی مسلمان ہو گئے، یہ جان کر تن بدن میں آگ لگ گئی، اور جوان خون نے جوش مارا، اور ملکۂ شاعری میں ابال آیا، اور اسلام مسلمانوں اور آنحضرتؐ کی شان میں ہجو یہ انگارے اگلنے لگے، اور اس جوش میں بھائی کو لکھ بھیجا جس میں نہ صرف آنحضرتؐ اور اسلام سب کو برا بھلا کہا بلکہ یہاں تک کہا کہ ایسا لگتا ہے کہ ابو بکر نے تمھیں تند و تیز شراب اتنی کثیر تعداد میں پلا دی ہے کہ تم نے مدہوشی میں ہدایت کے سارے راستے چھوڑ دیئے ہیں، اور ایسے دین کو قبول کر لیا ہے جس پر تم نے نہ اپنے ماں باپ کو پایا اور نہ اپنے کسی بھائی کو، اب اگر تم میری بات نہیں مانتے اور اس دین سے باز نہیں آتے تو پھر مجھے تم سے کوئی مطلب نہیں، مجھے اس کا افسوس نہ ہو گا اور اگر تم کسی مصیبت میں پڑ گئے تو میں ہرگز تمھارا ساتھ نہ دوں گا۔

ألا أبلغا عني بجيرًا رسالةً فهل لك فيما قلت ويحك هل لكا؟
سقاك أبو بكر بكأس رويةً فأنهلك المأمون فيها وعلّكا[1]

اور اس کے بعد جم کر آنحضرتؐ اور مسلمانوں کی ہجو کرنے لگے، مگر بجیر کا معاملہ دوسرا تھا، کیونکہ ان کے مسلمان ہو جانے کے بعد کسی مصیبت میں پڑنے کا سوال نہ تھا، البتہ خود کعب سخت مصیبت میں پھنس گئے، کیونکہ آنحضرتؐ نے جب یہ ہجویہ قصیدہ سنا تو آپؐ کو بہت تکلیف ہوئی، اور آپؐ نے کعب کا خون ہدر کر دیا، اور منادی کرا دی کہ جو کوئی کعب کو پائے قتل کر دے۔ بجیر کو بھائی کے برے انجام کا

---

[1] بعض روایات میں سقاک ابو بکر کی جگہ شربت مع المامون کا سا رویۃ ہے۔

اندازہ تھا، چنانچہ انھوں نے ان کو چند اشعار لکھ کر بھیجے جن میں کہا کہ اب تمھاری نجات کی صرف ایک صورت رہ گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے پاس توبہ کرکے آجاؤ، اور معافی مانگ لو، ورنہ تمھارا جو حشر ہونے والا ہے وہ تم کو معلوم ہے۔ آنحضرتؐ نے تمھارا خون ہدر کر دیا ہے، اور تم کو اب کوئی پناہ نہ دے گا، اس لئے لات وغیرہ کے مذہب کو چھوڑ کر خدائے وحدہٗ لاشریک کی طرف آجاؤ، ورنہ جہنم کی آگ اور دنیاوی سزا دونوں سے نجات نہ مل سکے گی، اس لئے میں نے زہیر اپنے باپ اور ابوسلمیٰ اپنے دادا کے مذہب کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیا ہے ؎

من مبلغ کعبًا فھل لک فی التی　　تلوم علیھا باطلاً وھی أحزم

إلی اللہ لا العزی ولا اللات وحدہٗ　　فتنجو إذا کان النجاء وتسلم

فدین زھیر وھو لا شیئ غیرہٗ　　ودین أبی سلمی علیّ محرم

کہتے ہیں کہ کعب بجیر کے اس خط کے باوجود بھی دربارِ نبوتؐ میں حاضر نہ ہوئے، بلکہ مستقل اپنے آبائی دین پر رہے، اور آنحضرتؐ کی مخالفت کرتے رہے، البتہ ان کو یہ محسوس ہونے لگا کہ آنحضرتؐ کے میرا خون مباح کرنے کی وجہ سے عام طور سے قبائلِ عرب اور خاص طور سے اشخاص مجھے پناہ دینے سے انکار کرنے لگے ہیں، اور ہو سکتا ہے کہ کوئی مجھے مار دے اور ہمارا قبیلہ خون کا دعویٰ بھی نہ کر سکے اتنے میں آنحضرتؐ نے مکہ فتح کر لیا، اور طائف سے مدینہ تشریف لے آئے، اب سارے مکیوں اور قبائلِ عرب کو اندازہ ہو گیا کہ آنحضرتؐ سے پاس پانا آسان نہیں، اس لئے سب نے اپنی گردنیں جھکا دیں، بجیر کو اب اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ بھائی کے بچنے کی اب کوئی سبیل نہیں، چنانچہ انھوں نے کعب کو پھر ایک خط لکھا کہ اب بھی وقت نہیں گیا ہے، تم آنحضرتؐ کے پاس نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ آجاؤ، اور اپنی غلطی کے لئے معافی مانگ لو، وہ بڑے رحمدل اور عفو و درگذر سے کام لینے والے ہیں، یاد رکھو آنحضرتؐ کے مخالف شعراء جیسے عبداللہ ابن الزبعریٰ اور ہبیرہ بن ابی وہب جیسے لوگ ادھر ادھر بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں، کہیں پناہ نہیں مل رہی ہے' آپؐ نے اپنے سارے دشمنوں کو جنھوں نے معافی مانگ لی، معاف کر دیا، تم کو بھی معافی مل جائے گی، ادھر کعب خود بھی اپنی زندگی سے مایوس ہونے لگے تھے، اور پناہ ملنے کے سارے دروازے اب مستقل بند ہو گئے تھے، خون کے ہدر ہونے کے بعد وہ گاؤں گاؤں اور افراد و قبائل میں مارے مارے پھرے کہ

کوئی ان کو پناہ دے دے لیکن کسی نے پناہ نہ دی، اور ان کو یقین ہو گیا کہ اب جان بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے' اس لئے وہ ۹ھ کی ایک رات چپکے سے مدینہ پہونچے' اور بعض راویوں کے بقول جہینہ قبیلہ کے ایک آدمی کے یہاں ٹھیرے جس کو وہ پہلے سے جانتے تھے' وہ آدمی ان کو لے کر فجر کی نماز کے وقت مسجد نبوی میں گیا اور آنحضرت ؐ کے ساتھ نماز پڑھنے کے بعد اس نے اشارہ سے بتایا کہ وہ دیکھو کہ وہ آنحضرت ؐ ہیں۔ آپ ؐ کے پاس جاؤ[1]۔ چنانچہ کعب نے کہا کہ میں نے آپ ؐ کو آپ ؐ کے حلیہ کی وجہ سے پہچان لیا، چنانچہ میں آگے بڑھا، آپ ؐ کے پاس بیٹھا اور اسلام لے آیا[2]۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ کعب مدینہ پہونچ کر حضرت ابوبکر رضؓ سے ملے' جو ان کو لے کر فجر کے وقت مسجد نبوی میں پہونچے، جب آپ ؐ نے سلام پھیرا تو کعب کو لے کر آنحضرت ؐ کے پاس آئے کعب نے اس وقت اپنا چہرہ اپنے صافہ سے ڈھانپ رکھا تھا حضرت ابوبکر رضؓ نے آنحضرت ؐ سے کہا کہ حضور ؐ ایک آدمی آپ ؐ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت لینے کے لئے آیا ہے، چنانچہ آپ ؐ نے اپنا ہاتھ پھیلا دیا، اب کعب نے اپنا چہرہ کھول دیا، اور کہا کہ سرکار میں آپ ؐ سے آپ ؐ کی ہی پناہ میں آرہا ہوں ..... "میں کعب بن زہیر ہوں" یہ سننا تھا کہ انصاریوں کے چہروں پر شکنیں پڑ گئیں' اور ان کو سخت سست کہنے لگے، مگر مہاجرین کی خواہش تھی کہ وہ اسلام لے آئیں' اور آنحضرت ؐ ان کو امان دے دیں، چنانچہ آپ ؐ نے ان کو امان دے دی[3]، اس پر کعب نے اپنا وہ مشہور مدحیہ قصیدہ پڑھا جو اپنی امتیازی خصوصیات کی وجہ سے ادب عربی میں ایک امتیازی شان رکھتا ہے اور جس نے نہ صرف کعب کو بلکہ اس قصیدہ کو بھی زندہ جاوید کر دیا، اور جسے سن کر آنحضرت ؐ اس قدر خوش ہوئے کہ اپنی چادر مبارک اتار کر ان کو اڑھا دی[4]، اور اسی وجہ سے اس قصیدہ کا امتیازی نام

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص ۲۰۳ [2] ابن حجر العسقلانی، الاصابۃ تمییز الصحابہ ۵/۳۰۲، شعر المخضرمین یحیی الجبوری ص ۲۲۲
[3] طبقات فحول الشعراء الجمحی' الشعر والشعراء لابن قتیبہ اور اغانی ۱۴، ڈاکٹر شوقی ضیف، ڈاکٹر طٰہٰ حسین وغیرہ نے لکھا ہے کہ آنحضرت ؐ تک لے جانے والے ابوبکر رضؓ ہی تھے۔

[4] حضرت معاویہ رضؓ نے اس چادر کو کعب سے خریدنا چاہا، لیکن انھوں نے دینے سے انکار کر دیا، ان کے مرنے کے بعد بیس ہزار دینار میں ان کے ورثاء سے پھر یہ چادر خریدی، جسے جمعہ اور عیدین کے موقعہ پر تبرکاً پہنتے تھے، پھر یہ چادر اموی خلفاء کے یہاں پہونچی، یہ لوگ بھی تہواروں کے موقعہ پر تبرکاً اس کو (باقی ص ۱۳۵ پر)

"قصیدۂ بردہ" پڑ گیا، جسے بہت متبرک اور اس کا پڑھنا باعث ثواب اور خیر و برکت سمجھا جاتا ہے، اور آج تک بعض عرب ممالک میں سیرت کے جلسوں میں بوصیری کے قصیدہ بردہ کے علاوہ اس کو بھی عام طور سے پڑھا جاتا ہے، قصیدہ کا مطلع ہے ۔

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول　　متیم إثرھا لم یجز مکبول[ل]

یعنی سعاد مجھے چھوڑ کر چلی گئی تو آج میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور دیوانہ وار اس کے پیچھے بھاگا جا رہا ہے، اس قیدی کی طرح جس کو فدیہ دے کر چھڑایا نہیں گیا تو وہ چار و ناچار اپنے قید کرنے والے کے پیچھے چلنے پر مجبور ہے۔

اس قصیدہ میں ۵۸ شعر بحر بسیط میں ہیں، اس کے تین حصے ہیں :-

۱۔ پہلا حصہ جاہلی ریت کے مطابق تشبیب پر مشتمل ہے جو بارہویں شعر تک چلتا ہے، جس میں محبوبہ کا سراپا ہے۔

۲۔ دوسرا حصہ جو تیرہویں شعر سے شروع ہو کر ۳۳ ویں شعر پر ختم ہوتا ہے اس میں اونٹنی کا ذکر ہے جو شاعر کو محبوبہ کی نگری میں پہونچاتی ہے۔ اور

۳۔ تیسرا حصہ جو دراصل قصیدہ کی جان اور مرکزی خیال ہے وہ آنحضرت ؐ سے معذرت اور پھر مہاجرین کی تعریف پر مشتمل ہے۔

اس قصیدہ کو کعب نے جاہلی ریت کے مطابق تشبیب سے شروع کیا ہے، اور اپنی محبوبہ سعاد کے فراق سے آغاز کیا ہے اور جس طرح ان کے باپ زہیر نے اپنے ایک شعر میں اپنی محبوبہ کا سراپا کھینچا تھا، بالکل اسی انداز اور اسی رنگ میں کعب بھی اپنی محبوبہ کا خوبصورت سراپا کھینچتے ہیں اور ایک حسین ہرنی سے تشبیہ دیتے ہیں، اور اس کے دہانے کا ذکر کر کے اس کے لعاب دہن کو شراب دوآتشہ قرار دیتے ہیں، جس کو صاف ستھرا ٹھنڈا اور میٹھا پانی ملا کر انتہائی

(باقی ص۱۳۴ کا) پہنتے تھے، تاریخ الادب العربی بحوالہ طبقات فحول الشعراء لابن سلام، الشعر والشعراء اور الاصابہ لابن حجر العسقلانی۔ بردہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے: تاریخ التمدن الاسلامی ۱/۱۱۵ بحوالہ تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ جرجی زیدان اول ص۳

[ل] بعض روایتوں میں لم یُفد ہے، دیکھئے دیوان ص۶ مطبوعہ دار الکتب العربیۃ۔

خوش ذائقہ، نشاط افروز اور حیات بخش بنا دیا گیا ہے، اور جس کی سرگیں آنکھیں ایسی کاری کجراری ہیں کہ ان میں وہ کیف ہے کہ ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں ؎

وما سعاد غداة البين إذ برزت　　إلا أغن غضيض الطرف مكحول

تجلو عوارض ذى ظلم إذا ابتسمت　　كأنه منهل بالراح معلول

شجت بذى شبم من ماء محنية　　صاف بأبطح أضحى وهو مشمول

تنفى الرياح القذى عنه وأفرطه　　من صوب غادية بيض يعاليل

ظاہر ہے تشبیب اور وصف محبوبہ کے بعد ہجر و فراق اور محبوبہ کی قدیم اور مالوف ریت وعدہ خلافی، بات کہہ کر مکر جانے کی ادا کا ذکر ہے، اس لئے ان حسینوں کی باتوں اور وعدوں پر نہ جانا، ان پر یقین نہ کرنا، ان کے وعدہ کی مثال تو ایسی ہے کہ چھلنی میں پانی ڈالو اور وہ بہہ جائے، یہ لوگ تو بھونتوں کی طرح رنگ بدلتے ہیں اور وعدہ خلافی ان کے رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے ہے، اور اس کے بعد بھی اگر دم خم ہے تو رسم وفا نبھائے جاتا کہ خود ان کے باپ زہیر نے بھی اسی انداز کا اپنی محبوبہ اسماء کے بارے میں ایک شعر کہا تھا ؎

أخلفتك ابنة البكرى ما وعدت　　فأصبح الحبل منها واهنا خلقا

کعب نے انھیں کے معانی و مطالب کو ذرا بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے، پھر خود ہمارے یہاں چچا غالب بھی تو صرف ایک ہی شعر میں سب کچھ کہہ گئے ہیں ؎

ترے وعدہ پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

اب اسی معنی کی تفصیل کعب سے سن لیجئے مگر بڑے خوبصورت انداز میں کہتے ہیں ؎

لكنها خلة قد سيط من دمها　　فجع وولع وإخلاف وتبديل

فما تدوم على حال تكون بها　　كما تلوّن فى أثوابها الغول

ولا تمسك بالعهد الذى زعمت　　إلا كما يمسك الماء الغرابيل

كانت مواعيد عرقوب لها مثلا　　وما مواعيدها إلا الأباطيل

فلا يغرنك ما منّت وما وعدت　　ان الأمانى والأحلام تضليل

محبوبہ کے ذکر اور جاہلی انداز کی شاعری کے مطابق تشبیب کے بعد قصیدہ کے دوسرے حصہ پر آتے ہیں جو نمبر ۱۳ ویں شعر سے شروع ہوتا ہے اور وہ ہے اس اونٹنی کا ذکر جس پر سوار ہو کر وہ اس بچھڑی محبوبہ سے ملنے جاتے ہیں، اس لئے کہ اس کو چھوڑ نہیں سکتے، کیونکہ یہ عاشق کا وطیرہ نہیں کہ سب کچھ نثار رہ یار کر دینا ہی حاصل عشق و زندگی ہے۔

یہ حصہ بھی وصف کی بہترین مثال ہے، اس میں انھوں نے اپنی اونٹنی کے رنگ کا سراپا کھینچا ہے، اور طاقت، صبر، قوت برداشت، تیز رفتاری، سمجھ بوجھ کا ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ اونٹنی اونٹنی نہیں رہ جاتی بلکہ اونٹ بن جاتی ہے، اور وہ بھی کچھ مافوق الفطرت قسم سا، اور بقیہ روایت اس وصف میں بھی، کعب نے اپنے باپ زہیر کی نقل اتارنے کی کوشش کی ہے، بلکہ ان سے بھی بڑھ گئے ہیں، صرف دو شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں ؎

غلباء، وجناء، علکوم، مذکرۃ   فی دفّها، سعة قدامها میل

حرف اخوها ابوها من مهجّنة   وعمّها خالها قوداء شمليل

اپنی اونٹنی کا بھرپور تذکرہ کرنے کے بعد کعب نے اپنے اس خوف اور پریشانی کا ذکر کیا ہے، جو ان کو آنحضرتؐ کی خفگی اور ان کے خون کے مباح کر دینے سے پیدا ہو گئی تھی، جس سے نہ صرف ان کا دن کا آرام، راتوں کی نیند چھن گئی تھی بلکہ ہر ایک آدمی ان کے لئے بدل گیا تھا، کوئی منہ نہیں لگاتا، کوئی اپنے گھر میں گھڑی بھر کو ٹھہرانے کو تیار نہیں ہوتا، ایسا لگتا تھا کہ یہ لمبی چوڑی زمین ان کے لئے اتنی سمٹ گئی ہے کہ کہیں پاؤں دھرنے کی جگہ بھی نہیں رہ گئی، اور اس حالت میں چغل خوروں کا یہ کہنا کہ اب بچنے کی کوئی امید نہیں، میرے ہوش و حواس کو سلب کر لیتے ہیں، مگر میں اس حالت میں دامنِ امید کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ ہر پیدا ہونے والے آدمی کو ایک نہ ایک دن مرنا ہے، اور جو کچھ خدا نے مقدر کر دیا ہے وہ ہو کر رہے گا، مگر مجھے کوئی ایسا خطرہ نہیں ہے، کیونکہ میرا معاملہ تو رحمۃ للعالمین سے ہے، وہ بڑے معافی دینے والے، عفو و درگذر کرنے والے ہیں، اس کے بعد آنحضرتؐ سے معذرت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ چغل خوروں کی باتوں میں نہ آئیں، چاہے وہ کتنی ہی الٹی سیدھی باتیں کیوں نہ کہیں، آپؐ تو صاحب قرآن ہیں، اس میں تو بس ہر قسم کی موعظت و نصیحت کی باتوں کی تفصیل ہے پھر آپؐ ان لوگوں کی باتیں سن کر

مجھے موردِ الزام نہ ٹھہرائیں ؎

تسعی الوشاۃ بجنبیہا وقولہم | انک یا ابن أبی سلمیٰ لمقتول
وقال کل خلیل کنت آملہ | لا ألہینک إنی عنک مشغول
فقلت خلوا سبیلی لا أبا لکم | فکل ما قدر الرحمٰن مفعول
فکل ابن انثیٰ وان طالت سلامتہ | یوما علی آلۃ حدباء محمول
أنبئت أن رسول اللہ أوعدنی | والعفو عند رسول اللہ مأمول
مہلا ھداک الذی أعطاک نا | فلۃ القرآن فیہا مواعیظ وتفصیل
لا تاخذنی بأقوال الوشاۃ ولم | أذنب وان کثرت فی الأقاویل

معذرت کے ان اشعار کے بعد جن میں ان کے باپ زہیر کا رنگ جھلکتا ہے کہ انھوں نے بھی ہرم بن سنان کی تعریف میں کچھ اسی قسم کی باتیں کہی ہیں[1]، یہ اشعار چونتیسویں[34] شعر سے شروع ہوتے ہیں، پھر کعب اصل مطلب یعنی آنحضرتؐ کی مدح پر آتے ہیں، اور اتنا شاندار، خوبصورت اور گٹھا ہوا اندازِ بیان اختیار کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ بھی جھوم جھوم اٹھے، اور اشعار پر سامعین کی توجہ مبذول کراتے جاتے تھے ؎

ان الرسول لسیف یستضاء بہ | مھند من سیوف اللہ مسلول[2]
فی عصبۃ من قریش قال قائلہم | ببطن مکۃ لما أسلموا زولوا
زالوا فما زال انکاس ولا کشف | عند اللقاء ولا میل معازیل
شم العرانین أبطال لبوسہم | من نسج داؤد فی الہیجا سرابیل

مذکورہ اشعار میں آپؐ کی تعریف کے علاوہ جس میں کہتے ہیں کہ آپؐ اللہ کی وہ تلوار ہیں جو اپنی روشنی اور نور میں ہندوستان کی آبدار اور چمکیلی تلوار کی طرح ہے اس کے بعد مہاجرین کی بھی بہت تعریف ہے۔

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے اس کتاب کا پہلا حصہ ص ۲۰۳

[2] بعض نسخوں میں "لسیف" کی جگہ "لنور" بھی آیا ہے۔

امتیازی خصوصیات

آنحضرتؐ سے معافی ملنے اور اسلامی برادری میں شمولیت کے بعد سے کعب کی دنیا بدل گئی اور وہ ایک سچے مخلص مسلمان کی حیثیت سے زندگی گذارنے لگے، اب وہ زبان جو آنحضرتؐ مسلمانوں اور دین کی ہجو اور برائی کے لئے وقف تھی، اسلام، مسلمانوں اور آنحضرتؐ کی تعریف وتوصیف اور تبلیغ میں لگ گئی، چنانچہ انھوں نے اس زمانہ میں جو پہلا قصیدہ کہا جس کے متعلق بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ اس کو زمانۂ جاہلی میں شروع کیا تھا، کیونکہ اس میں شراب وکباب کا ذکر ہے[1]، مگر ہمارا خیال ہے کہ محض اس ذکر کی وجہ سے اس کو جاہلی دور کا قصیدہ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ کعب اپنے باپ کے رنگ میں کہتے ہی تھے، جاہلی انداز میں، جس کا ثبوت ان کا قصیدہ بانت سعاد ہی سے مل جاتا ہے، جس کو تشبیب سے شروع کیا ہے جس میں محبوبہ کا نہ صرف بہت صاف سراپا اور وصف ہے بلکہ بہت ہی دل نشیں غزل بھی ہے، جو بالکل جاہلی رنگ کی ہے، پھر محض شراب وکباب اور حسن وشباب کے ذکر کی وجہ سے کوئی قصیدہ جاہلی نہ ہو جائے گا، اس کی مثال آنحضرتؐ کے زمانہ میں بھی ملتی ہے، آنحضرتؐ کے شاعر خاص حسانؓ بن ثابت کے یہاں بھی قصیدے کی ابتداء جاہلی ڈھنگ یعنی تشبیب اور محبوبہ کے توبہ شکن وصف اور جام شراب ناب اور ساقی گلفام کے ذکر سے ہوتی ہے، جیسے ان کا وہ قصیدہ جو انھوں نے غزوۂ بدر کی فتح پر فخر اور حارث بن ہشام کو اپنے بھائی ابوجہل بن ہشام کو چھوڑ بھاگنے پر غیرت اور شرم دلاتے ہوئے کہا ہے جس کا مطلع ہے ؎

تبلت فؤادك فی المنام خریدة　　تسقی الضجیع ببارد بسام

یہ قصیدہ اور اس کے علاوہ ان کے کئی قصیدے ایسے ہیں جنھیں آنحضرتؐ کو پڑھ کر انھوں نے سنائے ہیں اور ان میں بھی حسن وشباب، شراب وکباب اور چنگ ورباب کا بڑا حسین اور حیات آفریں ذکر ہے جو بہرحال زمانۂ جاہلی کے قصیدے نہیں ہیں[2]، لہذا محض شراب کے ذکر سے

---

[1] شوقی ضیف: تاریخ الأدب العربی، العصر الاسلامی ص۵۸

[2] دیوان حسان ص۲۱۴ دوسرے قصیدوں کے لئے دیوان ملاحظہ کیجئے اور اس کتاب میں حسان بن ثابت کے حالات

اس کو جاہلی نہیں کہا جاسکتا، ان میں سے ایک قصیدہ کا مطلع ہے ؎

الأبکرت عرسی تلوم وتعذل   وغیر الذی قالت أعف وأجمل

جس میں آگے چل کر خالص اسلامی رنگ میں کہتے ہیں ؎

فأقسمت بالرحمٰن لاشیئ غیرہ   یمین امریٔ برّ ولا أتحلل

لأستشعرن أعلی دریسی مسلما   لوجه الذی یحیی الأنام ویقتل

اس کے بعد کعب مبلّغ اسلام بھی بن گئے، چنانچہ وہ مدینہ سے اپنے قبیلہ میں گئے، اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، ان کی قوم میں کچھ اختلاف بھی تھا، وہ سب مٹ گیا، اور ان میں سے اکثر نے اسلام قبول کرلیا، چنانچہ اپنی مہم کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

رحلت إلی قومی لأدعو جلّتهم   إلی أمر حزم أحکمته الجوامع

لیوفوا بما کانوا علیه تعاقدوا   بخیف منی واللہ راء وسامع

آگے تبلیغ دین اور بھلائی و تقویٰ کی تلقین کرتے کو اپنی زندگی کا مشن بناتے ہیں، کہتے ہیں ؎

سأدعوهم جهدی إلی البر والتقی   وأمر العلی ما شایعتنی الأصابع

کعب کے کلام میں فیض رسولؐ اور فیضان قرآن کریم سے حکمت و موعظت اور فلسفۂ حیات کی چاشنی بھی آگئی، چنانچہ ایک موقع پر انھوں نے کہا کہ مجھے اس شخص سے بڑا تعجب ہوتا ہے جو دنیا کے لئے مرجاتا ہے، مگر یہ نہیں سمجھتا کہ پس پردہ مقدر قضا کے تیور چڑھے ہوئے ہیں اسی لئے وہ محال چیزوں کے حصول کے لئے جان لڑا دیتا ہے' انسان اپنی لمبی چوڑی آرزوؤں اور تمناؤں کے پیچھے دیوانہ وار بھاگتا رہتا ہے، بھلا خواہشیں اور تمنائیں کہیں پوری ہوتی ہیں۔

ع   کہ ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

لوکنت أعجب من شیئ لأعجبنی   سعی الفتی وهو مخبوء له القدر

یسعی الفتی لأمور لیس یدرکها   والنفس واحدة والهم منتشر

والمرء ما عاش ممدود له أمل   لاتنتهی العین حتی ینتهی الأثر

یعنی بقول احسان دانش ؎

امید کے قافلے کو لے کر خیال کوسوں بڑھے ہوئے ہیں
مگر پسِ پردۂ مسرت فضا کے تیور چڑھے ہوئے ہیں

اس طرح کعب نے جو تقریباً ڈیڑھ سال تک آنحضرتؐ، اسلام اور مسلمانوں کی برائی، ہجو اور دشمنی کرتے رہے، جب آنحضرتؐ کے در پہ سر رکھدیا تو ایک مسلمان شاعر اور دین کے پُرجوش خادم، مبلغ اور مبشر کی حیثیت سے گوہر تابدار بن کر چمکے۔

اسلام لانے کے بعد اگرچہ کعب نے حسان بن ثابت کے مقابلے میں بہت کم شعر کہے ہیں، لیکن جو کہا ہے وہ بہت وقیع، انداز بیان کے اعتبار سے بہت گہرا تو نہیں، البتہ سیدھے سادے اسلامی رنگ کا ہے جیسے کہ یہ خدا رزاق ہے وہ ان کو ہر حال میں رزق دے گا، بغیر یار و مددگار ان کو چھوڑے گا نہیں، مال و دولت سب آنی جانی چیز ہے، اس لئے اس کا بھروسہ نہیں، بھروسہ صرف اللہ کا ہے اور بس ؎

أعلمُ أنّي متى ما يأتني قدري … فليس يحبسه شحّ ولا شفق
والمرءُ والمالُ ينمي ثم يذهبه … مرّ الدهور ويفنيه فينسحق
فلا تخافي علينا الفقر وانتظري … فضل الذي بالغنى من عنده نثق

اسی طرح انھوں نے اخلاقی درس بھی دیئے ہیں، اور کہا ہے کہ ہجو، گالی گلوچ آخر لوٹ کر دینے والے پر پڑتی ہے، بلکہ اس سے سخت اور ذلیل کن، اس لئے آدمی کو اپنی زبان بچا کر رکھنی چاہیئے، اور جہاں تک ہو سکے عفو و درگذر سے کام لیتے ہوئے زندگی گذارنی چاہیئے، نہ برائی کرنی چاہیئے نہ برائی سننی چاہیئے کہ دونوں برائی میں شریک سمجھے جاتے ہیں ؎

فالسامع الذام شريك له … ومطعم المأكول كالآكل
مقالة السوء الى أهلها … أسرع من منحدر سائل
ولا تهج ان كنت ذا اربة … حرب أخي التجربة العاقل
فان ذا العقل إذا هجته … هجت به ذا خبل خابل

کعب کے قصیدۂ بردہ کو خاص طور سے اور دوسرے قصائد کو عام طور سے جن کا پچھلے صفحات میں ہم نے مطالعہ کیا ہے، دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کعب جنھوں نے شعر و شاعری

کی فضا اور شاعروں کے خاندان میں آنکھیں کھولیں، اور زہیر بن ابی سلمیٰ جیسے مادر الکلام شہرۂ آفاق اور نیک طبیعت باپ کی آغوشِ تربیت میں جلا پائی، اپنے باپ زہیر ہی کے رنگ میں رنگ گئے تھے، طبیعت بڑی حساس ملی تھی، اس لئے واقعات و مناظر کو اپنی حس اور خیال و عاطفہ کے رنگ و روغن سے چمکا کر شاہکار بنا دیتے تھے، اور اس کے لئے وہ تشبیہات اور دکھائی دینے والی چیزوں کی مثالیں دے کر اثر اندازی کی ایسی فضا پیدا کر دیتے تھے کہ سامع یا قاری اس طلسم سے نکل نہیں پاتا ہے، یہ خصوصیت ان کی تشبیب اور غزل میں بہت نمایاں ہے، ایسے موقعوں پر وہ الفاظ کا حسین انتخاب کر کے انتہائی خوبصورت، جاذب نظر اور دلفریب گلدستہ بنا کر پیش کرتے تھے کہ آدمی متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتا ہے، مگر جیسا کہ بیان ہوا معانی و مطالب میں گہرائی یا دقت نظری نہیں ملتی، یہ انداز بیان اس زمانہ میں کچھ اتنا مقبول ہوا کہ کعب کے ایک معاصر شاعر عَبْدَہ ابن الطبیب نے بالکل کعب کے قصیدہ بانت سعاد کی زمین، بحر اور اکثر موضوعات کو بھی اپنے ایک قصیدہ میں باندھا ہے، جس کا مطلع ہے ؎

هل حبل خولة بعد الهجر موصول
أم أنت عنها بعيد الدار مشغول [۱]

کعب کی ان خوبیوں کی وجہ سے ان کو جمحی نے طبقات میں زمانۂ جاہلی کے ممتاز شعراء کے دوسرے طبقہ میں اوس بن حجر، بشر بن ابی خازم اور الحطیئہ کے ساتھ شامل کیا ہے[۲] بعض نقادوں نے کعب کا موازنہ لبید اور نابغہ سے کر کے ان کے ہی طبقہ کا شاعر گردانا ہے۔

خلف الاحمر کہا کرتا تھا کہ اگر زہیر کے وہ خوبصورت اشعار نہ ہوتے جن کی لوگ بہت قدر و منزلت کرتے ہیں تو میں کہہ دیتا کہ کعب زہیر سے بھی بڑا شاعر ہے[۳]۔

کعب کا کلام کئی مرتبہ چھپ چکا ہے، خاص طور سے ان کا قصیدہ بانت سعاد یا قصیدۃ البردہ کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں، جن میں مشہور یہ ہیں:۔

۱؎ ڈاکٹر طٰہٰ حسین: تاریخ الادب العربی العصر الجاہلی والعصر الاسلامی ص۴۱۵
۲؎ طبقات فحول الشعراء لابن سلام الجمحی ص۸۲
۳؎ الشعر والشعراء لابن قتیبہ۔

۱۔ شرح قصیدہ بانت سعاد لأبی محمد عبداللہ بن یوسف بن ہشام، القاہرہ ۱۲۹۰ھ
۲۔ مصدق شرح قصیدہ بانت سعاد، شہاب الدین احمد بن عمر الہندی حیدرآباد ۱۳۲۳ھ
۳۔ القول المراد من بانت سعاد، محمد حسن المرتضی، القاہرہ۔
۴۔ شرح دیوان کعب بن زہیر للسکری بتحقیق مولانا عبدالعزیز المیمنی، سابق صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، مطبوعہ دارالکتب المصریہ القاہرہ ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۵۰ء۔
۵۔ دیوان کعب بن زہیر، جمع و ترتیب، عمر السویدی، لیدن ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۹۰۶ء
۶۔ قدیم علماء میں سے اس کی شرح ابن درید ۹۳۲ھ، التبریزی ۱۱۰۹ھ اور ابن الباجوری ۱۸۶۰ء نے کی ہے، دارالکتب المصریۃ قاہرہ نے ثعلب کی روایت سے کعب کا دیوان چھاپ دیا ہے۔

مذکورہ ممالک کے علاوہ یورپ کے ملکوں میں بھی یہ قصیدہ ایک زمانہ سے چھپتا چلا آیا ہے، چنانچہ لیدن میں ۱۷۴۸ء میں ہال میں ۱۸۳۳ء میں لبسیک میں ۱۸۷۱ء میں، برلین میں ۱۸۹۰ء میں، پیرس اور قسطنطنیہ میں ۱۹۰۲ء میں چھپا۔

اس قصیدہ کے ترجمے بہت سی زبانوں میں ہو چکے ہیں، جن میں قابلِ ذکر یہ ہیں: لاطینی، فرانسیسی، جرمن، انگریزی اور اطالوی۔

حوالہ جات

۱۔ الأغانی للأصفہانی ج ۱۵۔
۲۔ الشعر والشعراء لابن قتیبہ۔
۳۔ جمھرۃ أشعار العرب لزید القرشی۔
۴۔ حماسۃ أبی تمام۔
۵۔ السیرۃ النبویۃ لابن ھشام۔
۶۔ طبقات الصحابۃ۔

۷۔ الوسیط فی الأدب العربي احمد الاسکندری و عنانی ص ۱۵۲
۸۔ تاریخ الأدب العربي احمد حسن الزیات ص ۱۲۶
۹۔ " " " اول جرجي زیدان ص ۱۸۳
۱۰۔ " " " عمر الفروخ ص ۲۸۲
۱۱۔ " " " حنا الفاخوري ص ۲۲۴
۱۲۔ " " " شوقی ضیف ص ۸۳
۱۳۔ حدیث الاربعاء طہٰ حسین (مجموعہ ص ۲۰۶)
۱۴۔ شعر المخضرمین یحیی الجبوری ص ۲۲
۱۵۔ الشعر الاسلامی فی صدر الاسلام عبد اللہ الحامد ص ۲۸۷
۱۶۔ الاستیعاب ص ۲۲۶
۱۷۔ أسد الغابة ۴/ ۲۴۰
۱۸۔ الإصابة فی أحوال الصحابة۔
۱۹۔ معجم الشعراء للمرزبانی ص ۲۳
۲۰۔ الخزانہ (خزانة الأدب) ۱/ ۴۲۵/ ۴/ ۱۱
۲۱۔ طبقات فحول الشعراء لابن سلام الجمحی ص ۸
۲۲۔ عربی مقالہ "کعب بن زہیر" مولانا سعید الرحمن الأعظمی الندوی، شائع شدہ "البعث الاسلامی" ماہ مارچ ۸۶ء۔ ندوہ۔ لکھنؤ۔

صفاتِ مومن

دلیلِ صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی!
اُفق سے آفتاب اُبھرا گیا دورِ گراں خوابی

عروقِ مردۂ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا
سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا و فارابی

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے
شکوہِ ترکمانی، ذہنِ ہندی، نطقِ اعرابی (اقبال)

مسعود الرحمٰن خاں ندوی
مرکز مطالعات غرب ایشیا
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ

عہدِ نبوی میں مدحِ رسولؐ

عربی میں مدحیہ شاعری کی روایت عربی شاعری کی طرح قدیم ہے، اس کے متعینہ خاکہ اور اصول ہیں جن پر وہ روزِ اول سے قائم ہے، اس کا مرکزی مضمون شجاعت و بہادری، جود وسخا علم و کرم، خاندانی عزت و وقار اور ممدوح کے عملی کارناموں کے ارد گرد گھومتا ہے، ابھی ماضی قریب تک شاید ہی کوئی ایسا قابلِ ذکر عربی شاعر ہوگا جس کے پاس اس صنف کا غیر معمولی سرمایۂ شاعری نہ ہو۔ یہی مدح جب رسولِ کریمؐ سے متعلق ہو اور اس میں ان کی شخصیت، عادات و اطوار، اخلاق و احسانات، کارناموں اور انسانی فلاح و بہبود کے لئے خداوندی پیغام کی نشر و اشاعت اور تشریح و توضیح کا تذکرہ ہو تو اس کو اردو میں نعت کہا جاتا ہے۔

عرب و عجم مسلمان شعراء کے لئے رسول اللہؐ کی شخصیت صرف ایک عام روایتی ممدوح کی نہ تھی۔ ان کے لئے آپؐ کی ذاتِ گرامی دینی و دنیاوی سرفرازیوں کا واحد مرکز، دنیا میں ہدایت اور فلاح و بہبود اور آخرت میں نجات اور خداوندی احسانات و انعامات کے حصول کی امید کی واحد مشعلِ ربانی تھی جن کے بے پایاں احسانات سے کوئی مسلمان کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے نہ صرف آپؐ کی ذاتِ گرامی سے مسلمان شعراء کا غیر معمولی ربط و تعلق و محبت، بلکہ عقیدت کے جذبات کا نہ تھمنے والا دھارا اور ابلتے ہوئے مشتعل جذبات کی حرارت و آنچ ان کی مدحِ نبوی میں واضح طور پر محسوس کی جاتی ہے، بلکہ یہی جذباتی رو بعض شعراء کے نزدیک کبھی سہواً اور کبھی عمداً شرک و توحید کی واضح خلیج کو پھلانگ کر من و تو کا فرق ختم کر دیتی ہے جس پر

ہر زمانہ میں نکیر بھی ہوئی ہے اور نعت کہنے والے شعراء کو اس بارے میں خبردار رہنے اور شعوری طور پر احتیاط برتنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔

عصرِ نبوی جس طرح مسلمانوں کی تمام دینی و دنیاوی سرگرمیوں کے لئے نمونہ و مثال ہے، اسی طرح آیئے ہم اس مبارک عہد میں آپؐ کی مدح میں کہے گئے اشعار کے بعض نمونوں سے رہنمائی حاصل کریں یہی اس مقالہ کا موضوع ہے۔ ان نمونوں میں آپ دیکھیں گے کہ مخالف و موافق دونوں بَر مقابل فریقوں کے لئے حضورؐ کے لائے ہوئے آسمانی دین کا پیغام اتنا صاف، واضح اور سلجھا ہوا تھا کہ کبھی کسی نے سہواً بھی اس کی غلط ترجمانی یا تشریح و توضیح نہ کی، بلکہ فریقین کی تمام زور آزمائی اسی تصور کی حقانیت اور اس کی بالادستی ماننے اور منوانے یا اس کے انکار پر اصرار، ضد اور ہٹ دھرمی پر مرکوز تھی، اور یہی تمام اختلافات، مصائب اور تصادم کی بنیاد اور جڑ تھی۔

سیرت کی قدیم کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ کریمؐ کی بعثت، اسلام کی برملا تبلیغ، اس دعوت کا دھیرے دھیرے انتشار، مسلمانوں کا ابتلاء و آزمائش کے دور سے گذرنا، شعب ابی طالب میں بنو ہاشم و بنو عبد المطلب کا حصار و مقاطعۂ حبشہ اور پھر مدینہ کی ہجرت، مدینہ میں اسلام کا بول بالا، غزوات و سرایا کا سلسلہ، فتح مکہ کے بعد اسلام کی طرف رجوعِ عام وغیرہ مضامین معاصر مسلم شعراء کی شاعری کے بنیادی موضوعات تھے، ان کی شاعری میں مذکورہ ابتدائی واقعات کے مقابلہ میں آخری دور کے واقعات اور ان کی جزئیات پر زیادہ تفصیلی مواد محفوظ ہے، جس میں کہیں کہیں شانِ رسالت کی مدح میں بھی بالواسطہ کچھ اشعار در آئے ہیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں خاص کر مدحِ نبوی کے مستقل قصائد ایک علیحدہ صنف کی حیثیت سے اس طرح عام نہیں ہوئے تھے جس طرح متأخر زمانوں میں ہوئے، نہ ان کے مضامین میں اتنا تنوع ہوا تھا جو بعد میں دیکھنے کو ملا، نہ عجمی ضعیف الاعتقادی کی راہ سے غیر اسلامی تصورات کو وہ رسائی حاصل ہوئی تھی جس کی وجہ سے کہا گیا کہ ؎

با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

بہرحال اس زمانہ میں مدحِ رسولؐ میں خالص نعتیہ قصائد نایاب نہیں ہیں کم ضرور ہیں، اور وہ بھی

ان شعراء کے ہیں جن کے خمیر میں جاہلی شاعری کی روایات رچی بسی ہوئی تھیں لیکن خالص اسلامی ماحول کے پروردہ اور اس کے رنگ میں رنگے ہوئے مسلم صحابی شعراء کی رسول کریمؐ سے عقیدت و محبت اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی چاہت ان کو آپؐ کے پیغام کی دعوت و تبلیغ کو عملی طور پر پھیلانے، عام کرنے اور اس کی سربلندی کا کلمہ پڑھنے کے لئے وقف تھی، اور اس ضمن میں اگر نبی کریمؐ کا تذکرہ آجاتا تو پھر یہ صحیح ہے کہ ؎

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

مدحیہ اشعار کے انتخاب کو پیش کرنے سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ ان کے احاطہ کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ مطالعہ کے دوران جہاں نظر پڑ گئی ان اشعار کو نوٹ کر لیا گیا۔ ان کے انتساب اور الحاق سے بھی بحث نہیں کی گئی کہ یہ خود ایک علیحدہ مستقل موضوع ہے جس پر قدماء نے اپنے وسائل کے اعتبار سے غیر معمولی تحقیق و تفتیش کا حق ادا کیا، اور عصر حاضر میں بھی اس پر کافی لاحاصل بحث ہو چکی۔ دوسری زبان کے اشعار کے ترجمہ میں اپنی زبان پر غیر معمولی قدرت اور کچھ نہ کچھ شاعرانہ صلاحیت و مزاج سے راقم کی محرومی بھی عیاں ہے۔ ان کوتاہیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے درج ذیل انتخابات ملاحظہ فرمائیں:

روایت ہے کہ عبدالمطلب کو جب آپؐ کی ولادت کی اطلاع ملی تو وہ اپنے پوتے کو کعبہ میں لے گئے، دعا کی اور خدا کا شکر ادا کیا۔ (سیرۃ ابن ہشام ۱/۱۷۲) سیرت کی متاخر کتابوں میں درج ذیل اشعار بھی ان کی طرف منسوب کئے گئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دادا اپنے پوتے کو کس نظر سے دیکھ رہا تھا:۔

الحمدُ للہ الذی أعطانی	ھذا الغلامَ الطّیّبَ الأردانِ
قد سادَ فی المھدِ علی الغلمانِ	أُعیذُہ بالبیتِ ذی الأرکانِ
حتی یکونَ بُلغۃَ الفتیانِ	حتی أراہ بالغَ البُنیانِ
أُعیذُہ مِن کُلّ ذی شنآنِ	من حاسدٍ مضطربِ العنانِ
ذی ھمّۃٍ لیس لہ عینانِ	حتی أراہ رافعَ اللسانِ

(سیرۃ ابن کثیر ۱/۲۰۸)

مفہوم :۔

۱۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے یہ بھلا تندرست بچہ مرحمت فرمایا۔

۲۔ اس کو گہوارۂ طفولیت میں ہی سب بچوں پر سعادت فضیلت حاصل ہے۔ اس لئے اس کو میں بیت اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

۳۔ تاکہ وہ نوجوانوں میں نمایاں ہو اور میں اس کو تنومند دیکھوں۔

۴۔ میں اس کو ہر بدخو، بدنظر، حاسد بھٹکتی ہوئی اندھی ارواح سے خدا کی پناہ میں دیتا ہوں۔

۵۔ تاکہ میں اس کو بلند اقبال دیکھوں۔

روایت ہے کہ آپؐ کے چچا عباسؓ بن عبدالمطلب نے مدحیہ اشعار پیش کرنے کی اجازت مانگی تو آپؐ نے ان کو اجازت دیتے ہوئے دعا دی کہ خدا آپ کو بولتا رکھے لَا یَفْضُضِ اللّٰہ فاك اس وقت انھوں نے جو قصیدہ سنایا اس میں آپؐ کی ولادت کا مضمون اس طرح باندھا ہے۔

وأنت لمّا وُلِدتَ أشرقت الأر　　ضُ، وَضاءت بنورك الأفقُ

فنحنُ في ذلك الضياءِ وفي النـ　　ـورِ وسُبُل الرشادِ نخترقُ

(سیرۃ ابن کثیر ۱/۱۹۵)

مفہوم :

۱۔ جب آپؐ کی ولادت باسعادت ہوئی تو آپؐ کے نور سے زمین و آسمان جگمگا اٹھے۔

۲۔ اب ہم اسی نور و روشنی اور ہدایت کے راستوں میں چل رہے ہیں۔

آپؐ کے محب و مشفق و سرپرست چچا ابوطالب کی تائید و حمایت و مدافعت آپؐ کی ذات اور آپؐ کے پیغام و دعوت کے لئے ان کی زندگی بھر بڑی ڈھال تھی۔ اگرچہ وہ اپنے ہم عصروں کی ملامت کے ڈر سے اسلام کے قبول کرنے سے آخر وقت تک بظاہر کتراتے رہے :

لولا الملامةُ أو حذاري سُبَّةً　　لوجدتني سمحًا بذاك مبينًا

(سیرۃ ابن کثیر ۱/۴۶۴)

مفہوم :

اگر مجھے ملامت اور عار کا ڈر نہ ہوتا تو یقیناً تم مجھ کو اس دین کے لئے فراخدل پاتے۔

اسی مضمون کو ایک اور جگہ یوں دہرایا ہے :۔

فواللہ لولا أن أجیٔ بسُبَّۃٍ تجرُّ علی أشیاخنا فی المحافلِ
لکُنّا تبعناہ علی کل حالۃٍ من الدھر جدًّا غیر قول التھازل

(سیرۃ ابن ہشام ۱/۲۹۷۔ سیرۃ ابن کثیر ۱/۴۹۱)

مفہوم:
بخدا اگر اس عار کا ڈر نہ ہوتا جو محفلوں میں ہمارے بزرگوں پر اچھالی جاتی تو یقیناً زمانہ کے تمام مصائب کے باوجود ہزلاً نہیں، سنجیدگی سے ان کی پیروی کرتے۔

اسی لئے ان کی محفوظ شاعری میں صرف بھتیجے کی تائید وحمایت اور مدافعت ونصرت ہی نہیں بلکہ جگہ جگہ آپؐ کی دعوت وپیغام کی تحسین بھی نظر آتی ہے۔ شعب ابی طالب میں حصار کے وقت سرداران قریش کو منانے کے لئے ان کے کئی قصائد ملتے ہیں۔ حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ابتدا میں لب ولہجہ نرم میٹھا، اور ان کے پرانے محاسن کا تذکرہ بھی ہوتا ہے، لیکن جہاں بھتیجے کی حمایت سے دست برداری کا ذکر آیا تو بوڑھی رگوں میں جوانی کا لہو تیزی سے دوڑنے لگتا ہے لہجہ سخت بلکہ تلخ و درشت ہوجاتا ہے، اور جنگ وجدال کی دھمکی تک بات پہنچ جاتی ہے۔ اس موقع کے یہ اشعار دیکھیں:۔

ألم تعلموا أنّا وجدنا محمدًا نبیًّا کموسی خُطَّ فی أول الکتُبِ
وأنّ علیہ فی العبادِ محبّۃً ولا خیرَ ممّن خصّہُ اللہُ بالحبِّ

(سیرۃ ابن کثیر ۲/۴۹)

مفہوم:
۔ کیا تم کو نہیں معلوم کہ ہم نے محمدؐ کو موسیٰؑ جیسا نبی پایا جن کا وصف پہلی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔
۔ اور بندگانِ خدا میں ان کو محبت کی دولت حاصل ہے تو اس سے بہتر کون ہوگا جس کو خدا نے محبت سے نوازا ہے۔

اسی قصیدہ کے درج ذیل شعر سے سخت جنگ وجدال کی دھمکی شروع ہوتی ہے۔

فلسنا وربِّ البیتِ نُسلِمُ احمدًا لِعزّاءَ من عضِّ الزمان ولا کرب

(سیرۃ ابن کثیر ۲/۴۹)

مفہوم:
بیت اللہ کے رب کی قسم! ہم ان کو نہ مصائبِ زمانہ اور نہ تکالیف کی شدت کی وجہ سے

بے یار و مددگار چھوڑیں گے۔

یہی دھمکی ابو لہب کی مدد حاصل کرنے کے لئے ایک قصیدہ میں ان الفاظ میں دہرائی گئی ہے:

کذبتم وبیتِ اللّٰہ نبزی محمدًا   ولما تروا یومًا لدی الشعب قائمًا

(سیرۃ ابن کثیر ۲/۶۲)

مفہوم: بیت اللہ کی قسم! تم غلط سمجھتے ہو کہ ہم سے محمدؐ چھین لئے جائیں گے جبکہ ابھی شعب ابی طالب کے پاس گھمسان کا رن پڑا ہی نہیں ہے۔

اب یہی مضمون اسی موقع پر کہے گئے تیسرے قصیدے میں دیکھئے، لہجہ کتنا تیز و تند ہو چکا ہے:

کذبتم وبیتِ اللّٰہ نترکُ مکّۃً   ونظعنُ إلا أمرکم فی بلابلِ

کذبتم وبیتِ اللّٰہ نُبزی محمدًا   ولما نُطاعِن دونہ ونُناضِلِ

ونُسلِمہُ حتّی نُصرّعَ حولہ   ونذہلَ عن أبنائنا والحلائلِ

(سیرۃ ابن ہشام ۱/۲۹۰ سیرۃ ابن کثیر ۱/۴۸۸)

مفہوم: بیت اللہ کی قسم! تم غلط سمجھ بیٹھے ہو کہ ہم مکہ چھوڑ کر چلے جائیں گے اور تم کو انتشار کے عالم میں پڑا رہنے دیں گے۔

بیت اللہ کی قسم! تم غلط سمجھے ہو کہ ہم سے محمدؐ اچک لئے جائیں گے جبکہ ابھی ہم نے ان کے لئے نہ مار دھاڑ کی ہے نہ قوت آزمائی۔

اور ہم اپنے اہل و عیال سے بے خبر ہو کر ان کے ارد گرد قربانی دیئے بغیر ان کو تمہارے سپرد کر دیں گے۔

روایت ہے کہ ایک بار مدینہ میں سوکھے کے موقع پر جب رسول اللہؐ کی دعا سے اتنی بارش ہوئی کہ سارا شہر جل تھل ہو گیا اور شدید سیلاب و ہلاکت کا خطرہ لاحق ہوا تو پھر آپؐ کی دعا سے بادل چھٹ کر شہر کے ارد گرد اس طرح جمع ہوئے کہ گویا وہ مدینہ منورہ کے گلے کا ہار ہوں۔ اس وقت آپؐ نے بے ساختہ اپنے مشفق عم محترم کو یاد کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ یہ منظر دیکھتے تو بہت خوش ہوتے صحابہ نے پوچھا کیا آپؐ کی مراد ان کے فلاں شعر سے ہے حضورؐ نے اثبات میں

جواب دیا۔ (سیرۃ ابن ہشام ۱/۲۹۸) حقیقت یہ ہے کہ وہ اس قصیدہ کا شاہ بیت ہے، جس میں بلیغ شاعرانہ خیال آرائی اور حقیقت نگاری کا حسین امتزاج ہے شعر یہ ہے:

وأبیض یستسقی الغمام بوجھہ ثمال الیتامی عصمۃ للأرامل

(سیرۃ ابن ہشام ۱/۲۹۱ سیرۃ ابن کثیر ۱/۴۸۸)

مفہوم:
اس کے رخِ تاباں کے صدقے بادلوں سے بارش طلب کی جاتی ہے، وہ یتیموں کا والی اور بیواؤں کا محافظ ہے۔

اس شعر کے پہلے مصرعے کے فعل کو معروف پڑھنے سے معنی میں یہ تبدیلی ہوتی ہے کہ اس کے رخِ تاباں سے بادل برسنے کی اجازت چاہتے ہیں۔

اسی قصیدے کے آخری اشعار سے آپ کی صفاتِ حمیدہ پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ وہ اشعار یہ ہیں:۔

فمن مثلہ فی الناس أیّ مؤمّل إذا قاسہ الحکام عند التفاضل

حلیم رشید، عادل، غیر طائش یُوالی الٰہاً لیس عنہ بغافل

کریم المساعی ماجد وابن ماجد لہ إرث مجد ثابت غیر ناصل

وأیّدہ ربّ العباد بنصرہ وأظھر دیناً حقّہ غیر زائل

لقد علموا أنّ ابننا لا مکذّب لدینا، ولا یُعنی بقول الاباطل

فأصبح فینا احمد فی أرومۃ تُقصّر عنہ سورۃ المتطاول

حدبت بنفسی دونہ وحمیتہ ودافعت عنہ بالذُّرٰی والکلاکل

(سیرۃ ابن ہشام ۱/۲۹۷ سیرۃ ابن کثیر ۱/۴۹۱)

مفہوم:
جب حکم لوگوں میں برتری کا فیصلہ کریں تو ان جیسا کون ہے جس سے توقعات وابستہ ہوں۔

وہ حلیم بردبار، نیک و منصف ہے۔ جلد باز نہیں، اور ایسے خدا کا دوست ہے جو اس سے غافل نہیں۔

اچھے کام کرنے والا ہے، عالی حسب و نسب ہے، اس کی عزت کی میراث قائم و دائم

ہے، زائل نہیں۔

بندوں کے رب نے اپنی مدد سے اس کی تائید کی اور ایسا دین ظاہر کیا جس کا حق باطل سے جدا ہے۔

ان کو معلوم ہے کہ ہمارا بیٹا ہم میں جھٹلایا ہوا نہیں ہے اور وہ باطل باتوں کی پرواہ نہیں کرتا۔

احمد کو ہم میں ایسی مضبوط ٹہنی کی حیثیت حاصل ہے جس سے بڑھتے ہوئے ہاتھ کی گرفت کوتاہ ہے۔

میں نے اپنی جان سے اس کی حفاظت و تائید کی ہے اور اونٹنیوں کی پیٹھ و سینوں سے اس کی مدافعت کی ہے۔

ایک اور قصیدے میں دیکھئے کہ قریش کو حضورؐ کی تائید کے لئے آمادہ کرنے کے لئے ان کے مفاخر کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس کا حاصل بھی رسول کریمؐ کی مبارک ذات ہی قرار پائی ہے:

إذا اجتمعت یومًا قریشٌ لمفخر   فعبد مناف سرُّها وصمیمُها

وإن حُصِّلت أشرافُ عبد منافها   ففی هاشمٍ أشرافها وقدیمها

وإن فخرت یومًا فإنَّ محمدًا   هو المصطفیٰ من سرِّها وکریمها

(سیرۃ ابن ہشام ۱/۲۸۲ سیرۃ ابن کثیر ۱/۱۹۴، ۴۷۷)

مفہوم:

اگر قریش کسی دن فخر و مباہات کے لئے جمع ہوں تو عبد مناف کی شاخ ان کی روح رواں قرار پائے گی۔

اور اگر عبد مناف کے سردار اپنی عظمت کا راز معلوم کریں گے۔ تو بنو ہاشم کی شاخ میں ان کی سیادت و قدامت کا راز ملے گا۔

اور اگر بنو ہاشم کسی دن فخر کریں گے تو ان کی عظمت و سربلندی کا منتخب ترین نمائندہ محمدؐ ہوں گے۔

اس زمانہ کے ایک مشہور نامی گرامی غیر مسلم شاعر اعشیٰ بنی قیس تھے۔ ان کا شمار سبع معلقات کے جانے مانے شعراء میں تھا۔ رسول کریمؐ کا چرچا سنا تو زیارت کی تمنا اور اسلام قبول کرنے کی

خواہش نے کروٹ لی۔ دستور زمانہ کے مطابق سردارانِ قوم کے لئے جیسے مدحیہ قصائد لکھے جاتے تھے ایک قصیدہ لکھا اور عازم سفر ہوئے، لیکن بد قسمتی سے دشمنانِ اسلام کے بہکانے پر آئندہ سال کے لئے نیک کام کو ملتوی کر کے واپس ہوئے تو پھر زندگی نے مہلت نہ دی اور نعمتِ اسلام اور حضورؐ کے دیدار سے محروم رہے، اس لئے کہ ؎

ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

بہر حال ان کے قصیدہ کی شاعرانہ عظمت کے باوجود اس کے مدحیہ اشعار میں رسول کریمؐ کا تصور ایک سخی دانا دنیاوی سرداری کا ہے، یہ اشعار ملاحظہ ہوں:-

وآلیتُ لا آوِی لها من کلالۃٍ	ولا من حفی حتی تلاقی محمدا
مَتی ما تُناخِی عند بابِ ابن هاشمٍ	تُراحِی وتَلقَی من فواضلِه نَدَی
نبیٌ یَری ما لا ترون وذِکرُه	أغارَ لَعمری فی البلادِ وأنجدا
لَه صدقاتٌ ما تَغِبُّ ونائلٌ	ولیس عطاءُ الیومِ مانِعُه غدا
أَجِدَّكَ لم تَسمع وَصاةَ محمدٍ	نبیِّ الالٰہِ حیثُ أوصی وأشهدا

(سیرۃ ابن ہشام ۱/۴۱۳-۴۱۴ سیرۃ ابن کثیر ۲/۷۹)

مفہوم
میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ اپنی اونٹنی کو تھکن اور آبلہ پائی کی وجہ سے اس وقت تک نہ روکوں گا جب تک کہ وہ محمدؐ تک نہ پہنچا دے۔

ابن ہاشم کے دروازہ پر جب تم اس کو بٹھاؤ گے تو وہ آرام کرے گی اور تم ان کے عطایا سے سرفراز ہو گے۔

وہ ایسے نبی ہیں جو وہ دیکھتے ہیں جو تم نہیں دیکھتے، میری جان کی قسم! ان کا ڈنکا سارے جہاں میں بج رہا ہے۔

ان کے عطایا اور نوازشیں منقطع نہیں ہوتیں اور نہ آج کی بخشش کل کے لئے مانع ہے۔

ایسے ہی ایک اور بد قسمت شاعر جو اسلام کی دولت سے محروم رہے ابوعزہ عمرو بن عبداللہ تھے، غزوۂ بدر میں قید ہوئے، رسول کریمؐ سے غربت و افلاس کی شکایت کی، آپؐ نے

فدیہ کے بغیر اس شرط پر چھوڑ دیا کہ دشمنانِ اسلام کا ساتھ نہ دینا۔ لیکن انھوں نے وعدہ خلافی کی اور پھر غزوۂ احد میں قید ہوئے تو گردن ماردی گئی۔ بہرحال انھوں نے بدر کے موقع پر جاں بخشی کے احسان کے تأثر میں جو مدحیہ اشعار کہے تھے وہ یہ تھے :۔

من مُبلغٌ عنی الرسولَ محمداً ۔۔۔ بأنكَ حقٌ والمليكُ حميدُ
وأنتَ امرؤٌ تدعو الی الحقِّ والهدیٰ ۔۔۔ عليكَ من اللهِ العظيمِ شهيدُ
وأنتَ امرؤٌ بُوِّئْتَ فينا مباءةً ۔۔۔ لها درجاتٌ سهلةٌ وصُعودُ
فإنكَ مَن حاربتَه لمحاربٌ ۔۔۔ شقیٌّ، ومَن سالمتَه لسعيدُ

(سیرہ ابن ہشام ۲/۳۰۶ سیرۃ ابن کثیر ۲/۴۸۵)

مفہوم :
میری طرف سے کوئی رسول محمدؐ کو یہ بتادے کہ آپؐ برحق ہیں اور خدا قابل تعریف ہے۔
آپؐ حق و ہدایت کی طرف بلاتے ہیں اور آپؐ کو خدائے بزرگ کی گواہی حاصل ہے۔
آپؐ کو ہم میں بلند مقام حاصل ہوا ہے لیکن اس کی سیڑھیوں پر چڑھنا آسان ہے۔
آپؐ جس سے جنگ کریں یقیناً وہ بدبخت ہے اور جس سے صلح کریں وہ یقیناً خوش بخت ہے۔

سبع معلقات کے ایک اور ممتاز شاعر زہیر بن ابی سلمیٰ کے صاحبزادہ کعب بن زہیر تھے۔ باپ نے وفات سے قبل کعب اور بجیر کو نبی موعودؐ کی اتباع کی تلقین کی تھی۔ رسول اللہؐ کی بعثت کا چرچا ہوا تو دونوں بھائی تفتیش احوال کے لئے روانہ ہوئے، مگر اسلام میں سبقت بجیر کے حصہ میں تھی جو کعب کو ناگوار گذری اور انھوں نے جاہلی طیش میں اپنے بھائی، دین اسلام اور رسولِ اسلام کی شان میں گستاخی شروع کردی جس کی وجہ سے ان کا خون حلال کردیا گیا۔ قسمت کے دھنی تھے۔ باپ نے دل کی کن گہرائیوں سے نبی موعودؐ کی اتباع کی تلقین کی ہوگی کہ نہ صرف ان کی معافی تلافی ہوئی، بلکہ اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے، حضورؐ کی خوشنودی حاصل کی اور زندگی میں پیراہنِ مبارک کا ایسا بےبہا عطیہ مرحمت ہوا جو پھر دوسروں کے حصہ میں خواب وخیال ہی میں آسکتا تھا۔ اس لئے اگر واقعی طور پر کسی قصیدہ کو قصیدۂ بردہ

کہا جا سکتا ہے تو وہ ان ہی کعب بن زہیر کا معذرتی قصیدہ ہے۔ نمونہ کے طور پر اس مبارک قصیدہ کے چند معذرتی اشعار ملاحظہ فرمائیں :۔

نُبِّئْتُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ أَوعدني — والعفو عند رسول اللّٰه مأمولُ

فقد أتيتُ رسولَ اللّٰه معتذرًا — والعذرُ عند رسول اللّٰه مقبولُ

مهلًا هداك الذي أعطاك نافلة الـ — قرآنِ فيها مواعيظ وتفصيلُ

لا تأخذنّي بأقوالِ الوشاةِ ولم — أُذنِبْ، ولو كثرت فيَّ الأقاويلُ

(سیرۃ ابن ہشام ۴/۱۶۱-۱۶۲ سیرۃ ابن کثیر ۴/۷۰۴)

مفہوم:

مجھے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہؐ نے مجھے دھمکی دی ہے حالانکہ رسول اللہؐ سے معافی کی توقع ہے۔

اسی لئے میں رسول اللہؐ کے پاس عذر معذرت پیش کرنے حاضر ہوا کیونکہ عذر رسول اللہؐ کی بارگاہ میں قابلِ قبول ہے۔

اس ذات کے لئے مجھے معاف فرما دیں جس نے آپؐ کو قرآن کا عطیہ مرحمت فرمایا جس میں نصیحت کی باتیں اور دیگر تفصیلات ہیں۔

چغلخوروں کی باتوں پر میری گرفت نہ فرمائیں کیونکہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا اگرچہ میرے بارے میں بہت باتیں کہی گئی ہیں۔

اب اس قصیدہ کا شاہ بیت جو رسول کریمؐ کی خالص مدح میں ہے سماعت فرمائیں اور لطف اندوز ہوں :

إنّ الرسولَ لنورٌ يُستضاءُ بِهِ — مُهنّدٌ من سيوف اللّٰه مَسلُولُ

(سیرۃ ابن ہشام ۴/۱۶۴ سیرۃ ابن کثیر ۳/۷۰۴)

مفہوم:

یقیناً رسول اللہؐ وہ روشنی ہیں جن سے نور ہدایت حاصل کیا جائے اور وہ خدا کی تلواروں میں شمشیر برہنہ ہیں۔

اس شعر کا دوسرا مصرعہ وَصَارِمٌ من سيوفِ اللّٰه مسلولُ (زکی مبارک المدائح النبویہ ص۲۳) یا وصارم من سیوف الهند مسلول (عبداللہ عباس ندوی عربی میں

نعتیہ کلام ص۴۹) یا مُھنّد من سیوف الھند مسلولُ (حکیم محمد یحییٰ خاں شفا، عربی زبان میں نعتیہ کلام، نقوش لاہور، رسول نمبر مثلا، ص۱۲۴) کی طرح حوالہ کے بغیر نقل ہوا ہے، اور اخیر الذکر مصرع نقل کرنے والے مقالہ نگار نے حوالہ کے بغیر یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ اس مصرع میں سیوف اللہ کی برجستہ اصلاح خود رسول اللہ نے فرمائی تھی۔ اس طرح یہ قصیدہ رسول کریمؐ کی خاص توجہ اور دوہرے اعزاز کا مستحق قرار پاتا ہے۔ زہے نصیب۔

سہیلی کے حوالہ سے کعب بن زہیر کے دو اور شاندار مدحیہ اشعار نظر سے گذرے وہ یہ ہیں:۔

تجری بہ الناقۃُ الأدماءُ معتجرًا　بالبُردِ کالبدرِ جلّی لیلۃ الظُّلَمِ

فیض عطافیہ او أثناء بُردتہِ　مَا یعلمُ اللہُ من دینٍ ومن کرمِ

(سیرۃ ابن کثیر ۳/۷۰۹)

مفہوم:

چادر لپیٹے ہوئے گندمی اونٹنی آپؐ کو لے کر دوڑ رہی ہے ایسا لگتا ہے کہ تاریک رات میں چاند نکل آیا ہو۔

آپؐ کے پیرہن یا چادر میں دین و کرم کا جو خزانہ چھپا ہوا ہے بس خدا ہی اس کو جانتا ہے۔

عبد اللہ بن الزّبعری بھی ان شعراء میں تھے جنھوں نے حالت کفر میں اپنے فن شاعری کو خوب استعمال کیا تھا۔ فتح مکہ کے وقت اسلام کے بعد فطری طور پر ان کو انابت و استغفار کی توفیق ہوئی، سابق گستاخیوں پر ندامت اور رسول اللہؐ سے معذرت کے جذبات غالب ہوئے جس کی جھلک ان کی اسلامی شاعری میں جگہ جگہ ملتی ہے اور اسی ضمن میں رسول کریمؐ کی مدح بھی۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں:۔

یا خیرَ من حملتْ علی أوصالِھا　عیرانۃٌ سُرُحُ الیدینِ غشومُ

إنّی لمعتذرٌ إلیکَ من الّذی　أسدیتُ إذ أنا فی الضلال أھیمُ

فالیومَ آمنَ بالنبیِّ محمّدٍ　قلبی، ومخطئُ ھذہٖ محرومُ

فاغفرْ فدیً لکَ والدایَ کلاھما　زللی، فانّکَ راحمٌ مرحومُ

وعلیك من علم الملائك علامةٌ — نورٌ أغر وخاتم مختومُ
أعطاك بعد محبة برهانه — شرفاً، وبرهان الإله عظيمُ
ولقد شهدت بأن دينك صادقٌ — حقٌ، وأنك في العباد جسيمُ
والله يشهد أن أحمد مصطفىٰ — مستقبلٌ في الصالحين كريمُ

مفہوم: (سیرۃ ابن ہشام ۴/۴۰۔۴۱ سیرۃ ابن کثیر ۴/۵۸۶)

مضبوط خوش خرام اونٹنی پر سواری کرنے والوں میں اے بہترین مخلوق!
میں اپنے سابق کئے پر آپؐ کی خدمت میں معذرت پیش کرنے آیا ہوں جب کہ میں گمراہی میں بھٹک رہا تھا۔
آج نبی محمدؐ پر میرا دل ایمان لے آیا، اور اس میں غلطی کرنے والا درحقیقت محروم ہے۔
میرے والدین آپؐ پر فدا ہوں! میری لغزشوں کو معاف فرما دیں کیونکہ آپؐ رحم کرنے والے ہیں اور آپؐ پر رحمت بھیجی بھی جاتی ہے۔
آپؐ پر خدا کی طرف سے نورِ تاباں اور ثبت مہر کی علامت ہے۔
اس نے آپ کے اعزاز کے لئے محبت کے بعد اپنی برہان بھی عطا فرمائی۔ اور خدا کی برہان بڑی قابل قدر ہے۔
میں نے گواہی دی ہے کہ آپؐ کا دین سچ و برحق ہے، اور آپؐ تمام بندگانِ خدا میں بلند و بالا ہیں۔
اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ احمد مصطفیٰ نیکوں کے امام اور کریم ہیں۔

ایک اور قصیدہ میں رسول اللہؐ کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں:۔

یا رسول المليك إن لساني — راتقٌ، ما فتقتُ إذ أنا بورُ
إذ أباري الشيطان في سَنَنِ الـ — غيّ، ومن مال ميله مثبورُ
آمن اللحم والعظام لربّي — ثم قلبي الشهيدُ أنت النذيرُ
إنّ ما جئتنا به حقٌ صد — قٌ ساطعٌ نوره، مضيئٌ منيرُ
جئتنا باليقين والبرّ والصّد — قِ، وفي الصدق واليقين السرور

أذهبَ اللهُ ضَلّةَ الجهلِ عنا وأتانا الرّخاءُ والميسورُ

(سیرۃ ابن ہشام ۴/ ۳۹ سیرۃ ابن کثیر ۳/ ۵۸۵ نقوش رسول نمبر ۱۰/ ۲۴۹)

مفہوم :-

اے رسولؐ خدا! میری زبان ان چاکوں کی رفوگری میں مصروف ہے جو میں نے اس وقت کئے تھے جب میں ہلاک و برباد تھا۔

جب میں گمراہی کے راستوں میں شیطان کا ساتھ دے رہا تھا، اور جو اس کی طرف جھکے گا برباد ہوگا۔

میرا گوشت پوست میرے رب پر ایمان لے آیا پھر میرے دل نے گواہی دی کہ آپؐ ہی نذیر رسول ہیں۔

آپؐ جو دین لائے ہیں وہ برحق اور سچ ہے، اس کا نور نمایاں روشن اور دمک رہا ہے۔

آپؐ ہمارے لئے یقین، نیکی، سچائی لائے۔ اور یقین و سچائی میں ہی خوشی ہے۔

خدا نے جہالت کی گمراہی ہم سے دور فرمادی اور ہم کو خوش بختی اور خوشحالی حاصل ہوئی۔

مشہور عرب شاعرہ خنساءؓ کے صاحبزادہ عباس بن مرداس اپنے باپ کی وصیت کے مطابق ضمار نامی بت کے پاسبان تھے۔ ان کی ہدایت کے لئے ایک غیبی بہانہ ہوا، اور وہ ایمان لے آئے، اور اس کے بعد اپنی زندگی اسلام کی خدمت کے لئے وقف کردی اور توحید کا ایسا گہرا رنگ چڑھا کہ آئندہ انتخاب میں آپ حمد و نعت کا بہترین امتزاج دیکھیں گے۔ رسول اللہؐ سے بیعت کے بعد مذکورہ بت کو جلانے کے بعد جب حضورؐ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے تو ایک قصیدہ پیش کیا، اس میں اپنی نادانی کے سبب شرک کی لعنت میں ابتلاء کے ذکر کے بعد عرض کرتے ہیں :-

فآمنتُ باللهِ الذي أنا عبدُهُ وخالفتُ من أمسى يريدُ المهالكا

ووجّهتُ وجهي نحو مكةَ قاصداً أُبايعُ نبيَّ الأكرمينَ المباركا

نبيٌّ أتانا بعدَ عيسى بناطقٍ من الحقِ، فيه الفصلُ فيه كذلكا

أمينٌ على القرآنِ أولُ شافعٍ وأولُ مبعوثٍ مجيبُ الملائكا

تَلافی عُرَی الاسلامِ بعد انتقاضِہا فأحکمہا حتی أقامَ المناسکا

(سیرۃ ابن کثیر ۱/۳۶۰)

مفہوم:
تو میں اس اللہ پر ایمان لایا جس کا میں بندہ ہوں اور جو ہلاکت چاہتے تھے میں نے ان کی اس بارے میں مخالفت کی۔
اور میں نے اپنا رخ مکہ کی طرف کیا تا کہ مبارک نبی اکرمؐ سے بیعت کروں۔
وہ ایسے نبی ہیں جو عیسٰیؑ کے بعد بولتا ہوا حق لائے ہیں جس میں فیصلہ کن باتیں ہیں۔
وہ قرآن کے امین، روز محشر اول شفاعت کرنے والے اور فرشتوں کی آواز پر اول لبیک کہنے والے ہیں۔
اسلام کے ارکان کی شکست وریخت کے بعد انھوں نے ان کو مضبوط بنیاد پر قائم کیا اور تمام عبادات کو قائم فرمایا۔

اسی موضوع پر ایک دوسرے قصیدہ میں حضورؐ کی شان میں عرض کرتے ہیں:۔

إنّ الذی وَرِثَ النبوۃَ والھُدیٰ بعد ابنِ مریمَ من قریشٍ مُھتدِ

(سیرۃ ابن ہشام ۴/۵۱ سیرۃ ابن کثیر ۳/۵۹۰)

مفہوم:
ابن مریم کے بعد قریش میں جو نبوت وہدایت کا وارث ہوا وہ یقیناً ہدایت یافتہ ہے۔

ایک اور موقع پر رسول کریمؐ کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:۔

بِأنّ محمداً عبدٌ رسولٌ لِربٍّ لایُضِلُّ ولایَجُورُ
وَجدْناہُ نَبِیًّا مثلَ موسیٰ فکلُّ فتیً یُخایرہ مَخِیرُ

(سیرۃ ابن ہشام ۴/۸۱ سیرۃ ابن کثیر ۳/۶۳۶)

مفہوم:
بیشک محمدؐ اپنے رب کے بندے اور رسول ہیں جو نہ گمراہ کرتا ہے نہ ظلم وجور۔
ہم نے ان کو موسیٰ کی طرح کا نبی پایا ہے لہٰذا جو ان سے بھلائی میں مقابلہ کرے مغلوب ہوگا۔

غزوۂ ہوازن کے موقع پر ایک قصیدہ میں کہا ہے:

یَا خَاتِمَ النُّبَآءِ اِنَّکَ مُرسَلٌ بالحقِ، کُلُّ ھُدَی السَّبِیلِ ھُدَاکا

إنّ الإلٰه بَنَى عليك محبّة في خلقه ومحمّداً اسماكا

مفہوم:۔ (سیرۃ ابن ہشام ۴/۹۵ سیرۃ ابن کثیر ۳/۶۴۶)

اے خاتم الانبیاء! بیشک آپؐ حق کے ساتھ بھیجے گئے ہیں اور ہدایت کے تمام راستے آپؐ کے رہنما ہیں۔

بلاشبہ خدا نے اپنی مخلوق میں آپؐ کے لئے محبت پیدا کردی ہے اور آپؐ کا نام محمدؐ (قابلِ تعریف) رکھا ہے۔

اسی غزوہ کے موقع پر احسانمندی کے ساتھ ایک اور قصیدہ میں اس طرح عرض کیا ہے:۔

ولكنّ دين الله دينُ محمّدٍ رضينا به، فيه الهدىٰ والشرائعُ

أقامَ به بعدَ الضلالةِ أمرَنا وليس لأمرٍ حمّه اللهُ دافعُ

مفہوم:۔ (سیرۃ ابن ہشام ۴/۱۰۱ سیرۃ ابن کثیر ۳/۶۴۷)

درحقیقت دین محمدؐ خدا کا دین ہے ہم نے اس کو پسند کیا کیونکہ اس میں ہدایت اور احکام شریعت ہیں۔

آپؐ نے اس دین کے ذریعہ ہمارے حالات درست فرمائے اور اللہ جو کرنا چاہے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

غزوۂ ہوازن کے موقع پر تیسرے قصیدہ میں عرض کیا ہے:۔

مَن مُبلغُ الأقوامِ أنّ محمّداً رسولُ الإلٰهِ راشدٌ حيثُ يَمّما

دعا ربَّه واستغفر الله وحدهُ فأصبح قد وفّى إليه وأنعما

سَرينا وواعدنا قُديداً محمّداً يؤمُّ بنا أمراً من الله مُحكَما

مفہوم:۔ (سیرۃ ابن ہشام ۴/۱۱۰-۱۱۱ سیرۃ ابن کثیر ۳/۶۵۰-۶۵۱)

لوگوں کو کون بتائے گا کہ محمد رسولِ خدا ہیں، اور جہاں کا قصد کریں توفیق یافتہ ہیں۔

انھوں نے اپنے رب سے دعا کی اور تنہا اسی سے مدد مانگی تو اللہ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور ان پر نوازش کی۔

ہم محمدؐ سے قدید پر ملنے کا وعدہ کرکے چلے وہ اللہ کی طرف سے طے شدہ بات

کی تکمیل کے لئے ہماری قیادت فرما رہے تھے۔

ان کا ایک اور آخری نمونہ دیکھتے چلیں :۔

رأیتك یا خیر البریة کلھا — نشرت کتابًا جاء بالحق معلما

ونورك بالبرھان أمرا مدمسا — وأطفأت بالبرھان جمرا مضرما

فمن مبلغ عنی النبی محمدًا — وکل امرئ یجزی بما قد تکلما

تعالی علوا فوق عرش الٰھنا — وکان مکان اللہ أعلی وأعظما

(عبد اللہ عباس ندوی، عربی میں نعتیہ کلام ص۵۳ بحوالہ شواہد الغنی ص۲۴۴ ابن ہشام ۲/۶۰ ابن عساکر ۲/۲۵۵)

مفہوم :۔

اے ساری مخلوق میں سب سے بہتر فرد میں نے دیکھا کہ آپؐ نے وہ کتاب عام کی جو حق کو واضح کر کے سامنے لائی۔

آپؐ نے تاریکی میں دبے ہوئے امور کو ربانی برہان سے روشن فرمایا اور دہکتے شعلے کو بجھایا۔

میری طرف سے کوئی نبی محمدؐ کو یہ بتادے کہ ہر شخص کو اس کے کلام کا ہی بدلہ ملے گا۔

آپؐ نے ہمارے خدا کے عرش تک بلندی کی پرواز بھری جب کہ خدا کا مقام تو خود بہت بلند و بالا ہے۔

کعب بن مالکؓ وہ صحابی شاعرِ رسول اللہؐ ہیں جو بد قسمتی سے دو اور صحابہ کے ساتھ غزوۂ تبوک میں شرکت کی سعادت سے بچھڑ گئے تھے۔ اس کی پاداش میں انہیں اور ان کے دونوں ساتھیوں کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی ناراضگی اور تمام صحابہؓ کی طرف سے مکمل مقاطعہ کا سامنا کرنا پڑا، لیکن ان سب کا اپنے خدا پر ایمان، رسول کریمؐ سے مخلصانہ وابستگی اور دین اسلام پر راسخانہ اعتقاد اس اعلیٰ پیمانہ کا تھا کہ اس جان لیوا ابتلاء و آزمائش اور امتحان کے دور سے اس سرخروئی و سرفرازی کے ساتھ کامیاب و کامران نکلے کہ ان کی سچی توبہ کی قبولیت کا ریکارڈ تا قیامِ قیامت قرآن شریف میں محفوظ ہو گیا، اور آنے والے ہر دور کے مسلمانوں

کے لئے سچی توبہ واستغفار کے صلہ میں معافی اور مغفرت کی روشن امید کی جگمگاتی کرن عطا کر گیا۔

ان کی شاعری میں رسول اللہؐ سے متعلق بعض اشعار کے نمونے ملاحظہ ہوں۔ غزوۂ بدر کے موقع پر ان کے متعدد قصائد میں ایسے اشعار ملتے ہیں :۔

شَهِدْنَا بِأَنَّ اللّٰهَ لَا رَبَّ غَيْرُهُ وَأَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ بِالْحَقِّ ظَاهِرُ

مفہوم :۔ (سیرۃ ابن ہشام ۲/۳۷۹ سیرۃ ابن کثیر ۲/۵۲۶)

ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی پروردگار نہیں اور یہ کہ رسول اللہؐ حق کے ذریعہ غالب ہوں گے۔

یا یہ شعر :

نَبِيٌّ لَهُ فِي قَوْمِهِ إِرْثُ عِزَّةٍ وَأَعْرَاقُ صِدْقٍ هَذَّبَتْهَا أُرُومُهَا

مفہوم : (سیرۃ ابن ہشام ۲/۳۹۵ سیرۃ ابن کثیر ۲/۵۲۷)

وہ ایسے نبی ہیں جن کی اپنی قوم میں عزت کی بڑی میراث ہے اور سچائی کی بنیادیں ہیں جن کو ان کے حسب نسب نے سنوارا ہے۔

یا یہ شعر :

رَسُولُ اللّٰهِ يَقْدُمُنَا بِأَمْرٍ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ أُحْكِمَ بِالْقَضَاءِ

مفہوم : (سیرۃ ابن ہشام ۲/۳۹۵ سیرۃ ابن کثیر ۲/۵۲۷)

اللہ کے حکم سے رسول اللہؐ ہم کو لے کر آگے بڑھتے ہیں اس بات کو طے کرنے کے لئے جس کا قضا و قدر کے ذریعہ فیصلہ ہو چکا ہے۔

غزوۂ احد کے موقع پر ان کے قصائد کے بعض اشعار کا انتخاب دیکھیں :۔

وَفِينَا رَسُولُ اللّٰهِ نَتْبَعُ أَمْرَهُ إِذَا قَالَ فِينَا الْقَوْلَ لَا نَتَطَلَّعُ
تَدَلَّى عَلَيْهِ الرُّوحُ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ يُنَزَّلُ مِنْ جَوِّ السَّمَاءِ وَيُرْفَعُ
نُشَاوِرُهُ فِيمَا نُرِيدُ وَقَصْرُنَا إِذَا مَا اشْتَهَى أَنَّا نُطِيعُ وَنَسْمَعُ

مفہوم : (سیرۃ ابن ہشام ۳/۹۱ سیرۃ ابن کثیر ۳/۱۰۸)

ہم میں رسول اللہؐ ہیں جن کا ہم حکم مانتے ہیں اور جب وہ ہم سے کوئی بات کہتے ہیں تو ہم

روگردانی نہیں کرتے۔

ان پران کے رب کے پاس سے جبریلؑ آتے ہیں جو فضاء سماوی سے آتارے جاتے ہیں اور اٹھائے جاتے ہیں۔

ہم جو چاہتے ہیں ان سے اس میں مشورہ کرتے ہیں، اور وہ جو چاہیں اس میں سمع و اطاعت ہمارا مقصد ہوتا ہے۔

اسی غزوہ میں سید الشہداء حمزہؓ کی یاد میں ایک قصیدہ کا ایک شعر یہ ہے:۔

رسولُ اللّٰہ مصطبِرٌ کریمٌ   بأمرِ اللّٰہِ ینطق إذ یقولُ[1]

(سیرۃ ابن ہشام ۳/۱۴۸ سیرۃ ابن کثیر ۳/۱۱۷)

مفہوم:

رسول اللہؐ صابر و کریم ہیں، جب بولتے ہیں تو اللہ کے حکم سے۔

غزوۂ احد سے متعلق ان کے ایک اور قصیدہ میں اپنے محبوب و محسن سے مدح ذرا تفصیل کی ہے دیکھئے کس انداز میں گویا ہوتے ہیں:۔

فینا الرسولُ شهابٌ ثم یتبعُهُ   نورٌ مضیءٌ له فضلٌ علی الشُّهُبِ

الحقُّ منطقه والعدلُ سیرتُهُ   فمن یُجبهُ إلیه ینجُ من تَبَبِ

نَجِدُ المقدَّم ماضِي الهمِّ مُعتزمٌ   حینَ القلوبُ علی رجفٍ من الرُّعُبِ

یمضي ویذمُرُنا عن غیرِ معصیةٍ   کأنَّهُ البدرُ لم یُطبَعْ علی الکَذِبِ

بدا لنا فاتَّبعناهُ نُصدِّقُهُ   وکذَّبوهُ، فکنَّا أسعدَ العربِ

(سیرۃ ابن ہشام ۳/۱۴۶-۱۴۷)

مفہوم:۔

ہم میں رسول اللہؐ ایک تارہ کی مانند ہیں جس سے ایسی منور روشنی نکلتی ہے جس کو تمام تاروں پر فضیلت حاصل ہے۔

ان کی بات سچ، ان کی سیرت منصفانہ ہے، جو ان کی بات پر کان دھرے گا ہلاکت سے بچے گا۔

پیشرو دستہ کے پشت پناہ، ارادہ کے پکے، باحوصلہ اس وقت جب کہ دل خوف سے کانپنے لگیں۔

---

[1] ابن اسحاق نے یہ شعر عبد اللہ بن رواحہ کا بتایا ہے۔ اور ابن ہشام نے کعب بن مالک کا۔

آگے بڑھتے جاتے ہیں اور... بھلائی کے ساتھ ہمارا حوصلہ بڑھاتے ہیں گویا کہ وہ بدرِ کامل ہیں جن کی جھوٹ پر خلقت نہیں ہوئی ہے۔

وہ ہم میں مبعوث ہوئے تو ہم نے ان کی تصدیق کرتے ہوئے پیروی کی، اور دوسروں نے ان کو جھٹلایا تو ہم تمام عربوں میں سب سے خوش قسمت ٹھہرے۔

فتح خیبر کے بعد آپؐ نے طائف کا رخ فرمایا تو شاعر کی نظر نے رسول اللہؐ کا جو عکس اپنے اشعار میں محفوظ کیا وہ یہ ہے:۔

رئیسهُمُ النبیُّ، وکانَ صلبًا　　نقیَّ القلبِ مصطبرًا عزوفًا

رشیدَ الأمرِ ذا حُکمٍ وعلمٍ　　وحِلمٍ، لم یکن نزقًا خفیفًا

نُطیعُ نبیَّنا ونُطیعُ ربًّا　　هُوَ الرَّحمٰنُ کانَ بنا رؤوفًا

مفہوم:۔　　(سیرۃ ابن ہشام ۴/۱۲۴)

مجاہدین کے نبی سردار عزم کے پکے، صاف دل، صابر اور بری باتوں سے متنفر تھے۔

صائب الرائے، صاحب اقتدار و باعلم و حلیم تھے۔ غصہ میں بے قابو ہونے والے یا اوچھے نہ تھے۔

ہم اپنے نبی اور پروردگار کی اطاعت کرتے ہیں جو بہت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

عہد نبوت کے ایک شہید اسلام شاعر عبداللہؓ بن رواحہ ہیں۔ ان کو شہادت کی ایسی سچی تمنا تھی کہ غزوات میں ان کا شعار یا نفسُ ان لم تُقتَلی تموتی ہوتا تھا۔ آخر ان کی یہ تمنا اس طرح پوری ہوئی کہ غزوۂ موتہ میں زید بن حارثہؓ اور جعفر بن ابی طالبؓ کی شہادت کے بعد انھوں نے بھی اسلامی لشکر کا جھنڈا ہاتھ میں لئے ہوئے لڑتے لڑتے جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ اس غزوہ کے لئے روانگی سے قبل رسول کریمؐ سے رخصتی ملاقات کے موقع پر انھوں نے حضورؐ کی خدمت میں یہ نذرانۂ عقیدت پیش کیا تھا:۔

فَثَبَّتَ اللهُ ما آتاكَ من حَسَنٍ　　تَثبیتَ موسیٰ، ونصرًا کالذی نُصِروا

إنّی تفرّستُ فیكَ الخیرَ نافلةً　　اللهُ یعلمُ أنّی ثابتُ البَصَرِ

أنت الرسولُ فمن يُحرم نوافلَه والوجهَ منه فقد أزرى به القدر

مفہوم:۔ (سیرۃ ابن ہشام ۳/ ۳۲۸۔ ۳۲۹ سیرۃ ابن کثیر ۳/ ۴۵۶۔ ۴۵۷)

اللہ تعالیٰ آپؐ کو موسیٰ کی طرح اس اچھے دین پر ثابت قدم رکھے اور ویسی ہی مدد کرے جیسی ان کی کی تھی۔

میں نے آپؐ میں تمام اچھائیاں تاڑلی ہیں، اور خدا جانتا ہے کہ میں صحیح نگاہ والا ہوں۔

آپؐ ہی رسولِ برحق ہیں اس لئے جو آپؐ کی توجہ اور نوازش سے محروم رہا تو اس کی قسمت ماری گئی۔

روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ان کے یہ اشعار سن کر ان کے لئے بھی یہی دعا دہرائی

وأنت فثبتك الله (سیرۃ ابن کثیر ۳/ ۴۸۷)

پھر جب رسول اللہؐ لشکر کو رخصت کرکے واپس ہوئے تو عبداللہؓ بن رواحہ نے کہا:

خَلَفَ السلامُ علی امرئٍ ودَّعتُهُ في النخلِ خيرِ مُشيّعٍ وخليلِ

مفہوم: (سیرۃ ابن ہشام ۳/ ۴۲۹ سیرۃ ابن کثیر ۳/ ۴۵۷)

سلامتی ہو اس شخص پر جس کو میں نے نخلستان میں رخصت کیا، وہ بہترین مشایعت کرنے والا اور دوست ہے۔

بخاری کے حوالہ سے ابن کثیر نے ان کے درج ذیل مدحیہ اشعار بھی نقل کئے ہیں:۔

وفينا رسولُ الله يتلو كتابَه إذا انشق معروفٌ من الفجر ساطعُ

يبيتُ يجافي جنبَه عن فراشِه إذا استثقلتْ بالمشركين المضاجعُ

أتى بالهدى بعد العمى فقلوبُنا به موقناتٌ أنّ ما قال واقعُ

مفہوم: (سیرۃ ابن کثیر ۳/ ۴۸۸)

ہم میں رسول اللہ ہیں جن کی لائی ہوئی کتاب صبح صادق طلوع ہونے کے وقت پڑھتے ہیں۔

رات ان کا پہلو بستر سے جدا رہتا ہے جبکہ مشرکین کے بچھونے ان کے وزن سے بوجھل رہتے ہیں۔

وہ کوربصری کے بعد ہدایت لائے جس پر ہمارے دلوں کو یقین ہے کہ انھوں نے جو کچھ کہا وہ صحیح ہے۔

آخر میں ان کے یہ نعتیہ اشعار بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

روحی الفداء لمن أخلاقہ شھدت بأنہ خیر مولود من البشر

عمت فضائلہ کل العباد کما عم البریۃ ضوء الشمس والقمر

لو لم تکن فیہ آیات مبینۃ کانت بدیھتہ تنبیک بالخبر

(عبداللہ عباس ندوی، عربی میں نعتیہ کلام ص۵، نقوش لاہور رسول نمبر۔ ۱/۲۴۴)

مفہوم:

میری جان اس ذات پر قربان ہو جس کے اخلاق اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ تمام انسانوں میں سب سے بہتر ہے۔

اس کے احسانات تمام بندوں کے لئے ایسے عام ہیں جیسے کہ چاند و سورج کی روشنی تمام مخلوقات کے لئے عام ہے۔

اگر اس کی ذات میں اور روشن دلیلیں نہ بھی ہوتیں تب بھی اس کا چہرہ مہرہ تم کو اصل حقیقت سے آگاہ کر دیتا۔

آخر میں لسانِ رسالتآبؐ کے ترجمان شاعر اسلام حسان بن ثابتؓ سے کون واقف نہیں۔ ان کے اعزاز کے لئے یہی کافی ہے کہ ان کو شاعری کی زبان میں کفار کے مقابلہ کی ہدایت جناب رسول کریمؐ کی طرف سے جاری کی گئی تھی۔ أھجھم وجبریل معک۔ اور پھر انھوں نے اس حکم نبویؐ کی تعمیل اس طرح کی کہ نہ صرف کفار کی بدزبانی اور گستاخیوں کے جواب دیئے اور رسول کریمؐ کی عزت و آبرو کی حفاظت و دفاع کی خاطر اپنی جان و مال اور عزت و آبرو سب داؤ پر لگا دی:۔

فإن أبی ووالدہ وعرضی لعرض محمد منکم وقاء

لسانی صارم لا عیب فیہ وبحری لا تکدرہ الدلاء

(سیرۃ ابن کثیر ۳/۵۸۸)

مفہوم:

میرے باپ دادا اور خود میری عزت و آبرو محمدؐ کی عزت و آبرو کے لئے ڈھال ہے۔
میری زبان کاٹنے والی تلوار کی طرح بے عیب ہے اور پانی نکالنے سے میرے سمندر کا پانی گدلا نہیں ہوتا۔

بلکہ دعوت و تبلیغ و توضیح اسلام کا فریضہ ہو یا اسلامی غزوات و سرایا کے روشن کارنامے رقم کرنا ہوں یا شہدائے اسلام کے مرثیے ہوں انھوں نے اپنی شاعری کی خوبصورت زبان میں اپنا عہد و پیمان وفا کیا اور ان میں سے ہر ایک کا حق ادا کر دیا۔ روایت ہے کہ ان کی بیش بہا شاعرانہ خدمات کے صلہ میں ان کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ رسول اللہؐ کے حکم سے ان کے شعر سننے سنانے کے لئے مسجد نبوی کے ایک زاویہ میں ایک منبر رکھوایا گیا۔ ان کے بعض قصائد میں سے ان کے مدحیہ کلام کے چند نمونے یہاں ملاحظہ ہوں:

رسولٌ يُصدِّقُ ما جاءهُ ویتلو کتاباً مُضیئاً مُنیراً

مفہوم:— (سیرۃ ابن کثیر ۳/۲۹۶)

ان کے پاس جو پیغام خداوندی آتا ہے وہ اس کی تصدیق فرماتے ہیں اور روشن و منوّر کتاب اللہ کی تلاوت فرماتے ہیں۔

ایک اور موقع پر رسول اللہؐ کا وصف اس طرح بیان کرتے ہیں:—

نبیٌّ یرى ما لا یرى الناسُ حولهُ ویتلو کتابَ اللهِ فی کلِّ مشهدِ
وإن قالَ فی یومٍ مقالةَ غائبٍ فتصدیقُها فی الیومِ أو فی ضُحَى الغدِ

مفہوم:— (سیرۃ ابن کثیر ۲/۲۶۲)

نبیؐ ان حقائق کا ادراک فرما لیتے ہیں جن کو ان کے آس پاس کے لوگ نہیں دیکھ پاتے اور وہ ہر موقع پر کتاب اللہ کی تلاوت فرماتے ہیں۔
اور اگر وہ کسی دن کوئی غیبی بات عرض کریں تو اسی دن یا دوسرے دن صبح تک اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

بنو قریظہ کے قتل و جلاوطنی کے موقع پر ان کے ممدوحؐ کی یہ تصویر کشی ملاحظہ ہو:—

غَداۃَ أتَاھُمُ یَھوِی الیھم　　رسولُ اللّٰہِ کالقمرِ المُنِیرِ
لہُ خَیلٌ مُجنَّبۃٌ تعادَی　　بفرسان علیھا کالصُّقُورِ

مفہوم:　　(سیرۃ ابن کثیر ۳/۲۵۹)

اس صبح ان کی طرف رسول اللہ ؐ ماہ تاباں کی طرح بڑھے۔
ان کے ساتھ اصیل گھوڑے تھے جن پر شہسوار دشمن پر بازوں کی طرح جھپٹتے تھے۔

حضرت حسان بن ثابت ؓ کی شاعری میں سب سے زیادہ متوجہ کرنے والی بات یہ ہے کہ انھوں نے اپنی شاعری کی ہر صنف میں ہمیشہ اسلامی تعلیمات کو بہت سلیقہ سے سمونے کی کوشش کی ہے۔ یہاں ہم کو صرف مدحِ رسول اللہ ؐ سے مطلب ہے۔ دیکھئے ان کی یہ خوش لحن آسان نعت جس میں حمد و نعت اور اسلامی تعلیمات کا کتنا حسین امتزاج ہے:۔

أغَرُّ علیہ للنبوۃِ خاتَمٌ　　من اللّٰہِ مشھودٌ یَلُوحُ ویَشھَدُ
وَضَمَّ الالٰہ اسمَ النبیِّ الی اسمِہ　　إذ قال فی الخمس المؤذنُ أشھدُ
وشقَّ لہ من اسمِہ لیُجِلَّہُ　　فذُو العرشِ محمودٌ وھذا محمدُ
نبیٌّ أتانا بعد یأسٍ وفترۃٍ　　من الرُّسلِ، والأوثانُ فی الأرضِ تُعبدُ
فأمسی سراجًا مستنیرًا وھادیًا　　یلوحُ کمالاحَ الصقیلُ المُھنَّدُ
وأنذَرنا نارًا وبشرَ جنَّۃً　　وعلَّمنا الاسلامَ فاللّٰہَ نحمدُ
وأنتَ إلٰہُ الخلقِ ربی وخالقی　　بذلک ما عُمِّرتُ فی الناسِ أشھدُ
تعالیتَ ربَّ الناسِ من قولِ مَن دعا　　سواکَ إلٰھًا، أنتَ أعلٰی وأمجدُ
لکَ الخلقُ والنعماءُ، والأمرُ کلُّہ　　فإیاکَ نستھدی، وإیاکَ نعبدُ

(عبداللہ عباس ندوی، عربی میں نعتیہ کلام ص ۶۵-۶۶ بحوالہ دیوان حسان بن ثابت ؓ)

مفہوم:۔

اللہ کی طرف سے ان پر ثبت شدہ درخشاں و تاباں مہرِ نبوت گواہ ہے۔
خدا نے نامِ نبی کو اپنے نام کے ساتھ اس طرح ملایا کہ مؤذن پانچوں اذانوں میں اشھد أنّ محمدًا رسولُ اللّٰہ کہتا ہے۔

اور ان کے اعزاز کے لئے اپنے نام سے ان کا نام مشتق فرمایا تو صاحب عرش محمود ہے اور یہ محمد۔
وہ رسولوں کے انقطاع کے ایک عرصۂ ناامیدی کے بعد ہم میں تشریف لائے جب کہ سرزمین میں بتوں کی عبادت کی جا رہی تھی۔
لہذا وہ ہدایت دینے والے روشن چراغ ثابت ہوئے۔ ایسے چمکتے ہیں جیسے کہ صیقل شدہ ہندی تلوار۔
انھوں نے ہم کو آگ سے ڈرایا، جنت کی بشارت دی، اسلام کی تعلیم دی، لہذا ہم اللہ ہی کی حمد بیان کرتے ہیں۔
اے میرے پروردگار! تو میرا اور تمام مخلوق کا معبود ہے، میں تاعمر اسی کی گواہی دیتا رہوں گا۔
تیرے سوا جو دوسروں کو معبود کی حیثیت سے پکارے درحقیقت تو اُس کی اِس ہرزہ سرائی سے بلند و بالا ہے۔
ساری مخلوق تمام نعمتیں اور حکم مطلق تیرا ہی ہے لہذا ہم تجھ ہی سے ہدایت چاہتے ہیں اور تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔
اسی لب و لہجہ اور لَے میں یہ آخری مدحیہ نمونہ بھی دیکھیں:

واللہ ربّی لا نُفارِقُ ماجدًا — عفَّ الخلیقۃ ماجدَ الأجداد
متکرمًا یدعوالی ربِّ العلی — بذل النصیحۃِ رافعَ الأعمادِ
مِثلَ الهلالِ مبارکًا ذا رحمۃٍ — سمحَ الخلیقۃِ طیبَ الأعوادِ
إن تترکوا فان ربّی قادر — أمسی یعودُ بفضلہ العوادِ
واللہ ربی لا نفارق أمرہُ — ماکان عیشٌ یُرتجیٰ لمعادِ
لا نبتغی ربًا سواہُ ناصرا — حتی نُوافِی صحوۃَ المیعادِ

(عبداللہ عباس ندوی، عربی میں نعتیہ کلام ص۶۲ بحوالہ دیوان حسان بن ثابت زاد المعاد)
مفہوم:
اے میرے پروردگار تیری قسم! ہم اس کا ساتھ نہ چھوڑیں گے جو بزرگ، مخلوق میں

پاکباز اور عالی نسب ہے۔
بزرگ و برتر پروردگار کی طرف بلانے والا محسن، خیر خواہ اور بلند حوصلہ ہے۔
ہلال کی طرح مبارک، با رحمت، مخلوق کے لئے نرم خو اور حسب و نسب والا ہے۔
اگر تم اس کو چھوڑ بھی دو تو میرا رب اس بات پر قادر ہے کہ اپنے فضل سے لوگوں کو اس کی طرف رجوع کرے۔
اے میرے پروردگار تیری قسم! ہم ان کے دین کو نہ چھوڑیں گے ورنہ پھر آخرت میں کسی خیر کی امید نہیں۔
ہم تیرے سوا کسی کو مددگار رب نہیں مانتے تا آنکہ ہم وقت موعود کو پہنچ جائیں۔

حاصل بحث:

عہد نبوت کے بعض مسلم صحابی شعراء کے مذکورہ چند مدحیہ نمونوں میں زبان و ادب کی چاشنی، وصف و بیان میں جاذبیت و کشش، حقیقت نگاری اور شاعرانہ خیال آرائی میں توازن و اعتدال، نامناسب غلو و مبالغہ سے احتراز اور عبد و معبود کے درمیان حدود کا پاس و لحاظ واضح طور پر ہمارے سامنے آتا ہے۔ ان شعراء کے ہاں اللہ تعالی کی ذات و صفات کا صحیح ادراک، عبدیت کے ساتھ مقام رسالت و نبوت کی قدر و منزلت لیکن دونوں کے درمیان واضح فرق کا اتنا عمیق احساس ہے کہ سہواً بھی کہیں دونوں میں خلط مبحث کی مثال نہیں ملتی۔ آپ کی مدح میں آپ کی عبدیت و بندگی کا ذکر اور پھر رسالت و نبوت کے مرتبہ کو خدا کے فضل و احسان سے تعبیر کرنا، اور فوراً حمد باری تعالی کا ترانہ الاپنا، اسلامی تعلیمات و شعائر کی تشریح و توضیح اور ان کی برتری کا بیان اس بات کا واضح ثبوت معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شاعری کی ہر صنف کا بنیادی مقصد دعوتی اور تبلیغی تھا جس کے ذریعہ مسلمانوں کو ایمان و اسلام پر ثبات و استقامت کی دولت پر ناز و افتخار حاصل ہوتا تھا، اور کفار و مشرکین و منافقین کے سامنے خداوندی پیغام کی دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا ہوتا تھا، اس لحاظ سے ان کی شاعری کو آج کی معروف اصطلاح میں تحریکی شاعری کا نام دیا جاسکتا ہے۔

یہی شاعری ہمارے آج کے شعراء کے لئے بھی نمونہ و مثال کا کام دے سکتی ہے۔ جس کے ذریعہ وہ اسلامی خدمت کے متنوع وسیع میدانوں میں سے ایک میدان میں بحیثیت داعی مسلمان شاعر اپنے اوپر اسلام کے دفاع کے حق اور فرض سے سبکدوش ہوسکتے ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ النبی الامین۔

مثالی ادب

"اسلامی ادب کی مختصر تعریف یہ کی جاسکتی ہے کہ" وہ اس بامقصد فنّی اظہار کا نام ہے جو حیات وکائنات اور انسان کے ان اثرات سے تعلق رکھتا ہو جو ادیب کے وجدان پر پڑے ہوں اور وہ اظہار جو اسلام کے تصوّرِ خالق ومخلوق سے ہم آہنگ ہو اور اسلامی اقدار کے منافی نہ ہو۔"

فنّی اظہار کا مطلب ادبی حُسن کی رعایت ہے کیونکہ عبارت کا حُسن کسی بھی ادب کی بنیادی شرط ہے چہ جائیکہ جب وہ اسلامی ادب ہو، کتاب اللّٰہ اور حدیثِ رسولؐ سے مستفید ومستنیر ہو۔

پھر اس ادب کو افادی ومقصدی بھی ہونا چاہئے، کیونکہ کسی بھی مسلم کا قول وفعل لغویت وبے مقصدیت سے خالی ہونا چاہئے۔ اس لئے اسلامی ادب کو زبان وبیان کی خوبی وخوبصورتی ہی کا حامل نہیں، بلکہ مفید وپُرمغز بھی ہونا چاہئے، کیونکہ خوبصورت خالی گلاسوں سے پیاس نہیں بجھا کرتی۔"

(مرحوم ڈاکٹر عبدالرحمٰن رافت الباشا)

پروفیسر محمد اشرف سلیمانی

نعت گوئی اور حضرت سید الملۃ علامہ سید سلیمان ندوی

میرے آقا سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بزم نبوت کے صدر نشین، چرخ رسالت کے مہر منیر، انسانیت کا سرِّ امتیاز، زبدۂ کون و مکاں اور اولین و آخرین کے امام و پیشوا ہیں۔ نبوت آپ پر زمانی و مکانی، رتبی ہر اعتبار سے ختم ہو گئی چونکہ ازل ہی میں حکمت الٰہیہ نے آپ کو آفرینش کا سبب اور باعث تخلیق کائنات قرار دیا تھا اس لئے جملہ محاسن و محامد، کمالات و فضائل جو مخلوق میں ممکن ہو سکتے تھے آپ کی ذات پاک میں ودیعت فرما دئے گئے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا سنوارا اور نکھارا تھا کہ حسن و جمال، خیر و کمال، سخا و نوال، عدل و اعتدال، غرض ہر خوبی و محبوبی نے آپ ہی سے حقیقت و معنیٰ پائے:

تو ہے مجموعۂ خوبی و سراپائے جمال
کون سی تیری ادا دل کی طلبگار نہیں

نام پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم "محمد" ہے جو اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کی ذات سزاوار حمد و تعریف ہی ہے اور عین خوبی و کمال اور مجموعۂ مزایا و حسنات ہے۔

آپ کے کمالات و صفات کا احاطہ بشر کے بس کی بات نہیں اس لئے عارف رومی نے ببانگ دہل کہا:

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ہمارے ایک بادہ خوار شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

غالبؔ ثنائے خواجہ بیزداں گذاشتم
کآں ذات پاک مرتبہ شناس محمد است

حقیقت ہے کہ اللہ جلّ جلالہٗ ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کماحقہٗ قدرشناس اور ثناخواں ہیں خود قرآن کریم آپؐ کے کمالات کا برملا اعلان کرتا ہے اور صدیقۃ الکبریٰؓ کی اس ارشاد کی "کان خلقہ القرآن" تائید کرتا ہے۔ صحیفۂ ربانی نہ صرف آپ کے کمالات روحانی وباطنی کا کشاف ومُظہر ہے بلکہ آپ کے جسمانی اعضاء وجوارح کا ذکر جس محبت وپیار اور عظمت ووقار کے ساتھ کیا گیا ہے وہ خود حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالتِ شان کا گواہ ہے۔ ایک آیت مثالاً پیش کرتا ہوں قرآن کس فصیح وبلیغ انداز میں آپ کے چہرۂ اقدس کا ذکر اور آپ کی "مرادیت" کا اظہار کر رہا ہے:

"قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا" (سورۃ البقرہ ۔ ۱۴۴)

غرض دیدۂ بینا قرآن کریم میں جہاں انوار الٰہیہ کی جلوہ سامانیاں اور کلام ربانی کی جمال آرائیاں دیکھتی ہے وہاں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وکمال، شوکت وجمال اور خیر وخوبی کے مناظر پاتی ہے وہ کیا کلیجہ تھا جو قرآن کے نزول کو برداشت کر گیا ـــــ وہ کلام جو اگر پہاڑوں پر اُترتا تو ریزہ ریزہ ہو جاتا، آسمان پر اُترتا تو پھٹ جاتے زمین اُسے سہار نہ سکتی سمندر اُسے اپنا نہ سکتے "قلب اقدس پر" قرآن اترا بائے بسم اللہ سے سین الناس تک اترا قلب نے اسے لیا، اپنایا، رگ رگ میں رچا، بسا، انوار وتجلیات روح وبدن میں سموئیں جن پر قرآن اُتر رہا تھا وہ سراپا قرآن بن رہے تھے زبانِ پاک سے تلاوتِ قرآن کو سنا جا رہا تھا اور دل شہادت دے رہے تھے کہ آپ نرے قاری ہی نہیں بلکہ قرآن ہیں ان کا وجود انوار قرآنی کا آئینہ ان کے اعمال قرآنی احکام کا عملی ظہور ان کے ارشادات وحی ربانی سے فیض یاب۔ ایک قرآن وحی متلو دوسری ذات پاک صلی اللہ علیہ وسلم چلتا پھرتا مجسّد قرآن جن کی ہر بات وحی کی ترجمان اور انسانوں کے لئے نجات وفلاح دارین کا آخری پیغام ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت ان کی فرماں برداری محبوبیت رب کی سند، جس نے انھیں اپنایا، خدا کو پایا، جس نے ان کو دیکھا اور مانا شرف صحابیت پر پہنچا اور "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کے فوز عظیم سے نوازا گیا وہ ذات عالی جسے "ورفعنا لك ذكرك" کی رفعتوں پر پہنچایا گیا وہ ذاتِ پاک

جس کے سینۂ اقدس کو اولین و آخرین کے علوم و معارف کا امین بنایا گیا جس کے قلب پاک کو "فاوحیٰ إلیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ" کے لامتناہی حقائق کا خزینہ بنایا گیا۔

اس کی (حضرت محمد رسول اللہ) کی رفعت ذکر کا جب پرچم کھُلا تو اس کے سایہ میں مشرق و مغرب، شمال و جنوب، زمین کا چپہ چپہ تھا، ان کی محاسن و محامد کے چرچے تھے ان کی صفات و نعت کے ترانوں سے کرۂ ارض گونج رہا تھا، عرب و عجم، ایرانی و افغانی، ہندی و پاکستانی، افریقی و ایشیائی، کالے و گورے، زرد و سرخ ہر رنگ و ہر نسل، ہر قوم و قبیلہ اپنی اپنی زبان میں عشق رسالتؐ اور محبّت نبوت کے جذبات کا اظہار کر رہا تھا۔

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی اصناف شاعری ایک صنف بن کر اُبھری جو حمد ربانی اور مناجات الٰہی کے بعد سب سے زیادہ پاکیزہ و لطیف، مؤثر و دلستان پرکشش و دل نشین تھی، نعت عشاق نبوی کے قلوب کی ترجمان ان کے دردمند دلوں کی فغاں اور سوختہ سامانوں کے لئے راحت جان تھی، کہیں یہ محبت کی پکار تھی کہیں درد کا اظہار، کہیں مہمیز شوق تھی اور کہیں تسلی ذوق، کہیں وارفتگی کا علاج تھی تو کہیں ناصبوری کا مداوا، کہیں کیف حضوری کی داعی تھی تو کہیں بے خودی کا سبب، غرض نعت اپنی گوناگوں جلوہ طرازیوں سے اہل ظاہر ہوں یا اہل باطن، رند بادہ خوار ہوں یا زاہد شب زندہ دار علما عالی وقار ہوں یا زاویہ نشینان والا تبار، ہر ایک کو اس کے ظرف کے مطابق نوازتی، برماتی، گرماتی رہی اور ان میں عشق نبویؐ کی آگ سُلگاتی اور بھڑکاتی رہی، اردو شاعری بھی دولت نعت گوئی سے محروم نہیں رہی اس میں بڑے بڑے نعت گو شعرا پیدا ہوئے جن کا کلام دلوں میں حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو سموتا رہا۔

ہمارے حضرت سیدی اور مرشدی علامہ سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہٗ کی تمام عمر سید ہمہ عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور کمالات نبوت کے اظہار و اعلان میں گزری گویا نعت منثور آپ کی زندگی کا شغل و سرمایہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کو شاعرانہ کمالات سے بھی نوازا تھا اور حق یہ ہے کہ اگر آپ نے اپنی پوری توجہ شعر و شاعری کو دی ہوتی تو اس فن میں بھی آپ اپنا سکہ منوا لیتے، تاہم جب بھی کچھ کہا خوب کہا، سیرت نگار نبویؐ

کی شاعری نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکر اور کیسے خالی رہ سکتی تھی جو صفات نعت کے لئے آپ ضروری سمجھتے تھے وہ سب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ودیعت کر رکھی تھیں اس لئے جب اس کوچے میں آئے تو بہتوں پر سبقت لے گئے :

یہ کون آیا کہ مدھم پڑ گئی لو شمع محفل کی
پتنگوں کے عوض اُڑنے لگی چنگاریاں دل کی

آپ کے نعتیہ کلام پر کچھ کہنے سے پیشتر آپ کی نعت کے بارے میں رائے نقل کرنی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ ارشاد سلیمانی ہے :

"نعت کی راہ شاعری کی سخت ترین راہوں میں سے ہے اور تمام اصناف شاعری سے مشکل ہے، بقول عرفی : "آہستہ کہ رہ بر دم تیغ است قدم را" اس کے لئے اول قلب کا عشق بندی سے معمور ہونا شرط ہے پھر تعبیر و اظہار پر قدرت پھر فصاحت و بلاغت اور شاعری کے جملہ اصول و لوازم کی رعایت، شعراء میں امیر خسرو اور مولانا جامی کو یہ دولت ملی تھی۔"

حضرت سید الملۃ نور اللہ مرقدہٗ خانوادۂ سادات کے گوہر شب چراغ تھے عشق و محبت ان کے قلب پاک کا جوہر اور درد و سوز صفت تھی جس کی لذت آشنائی کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے مانگا جا رہا تھا :

دلِ بے تاب ملے دیدۂ پر آب ملے
تپش آتش دیدے غم دریا دیدے
دردِ دل سینے میں آآ کے ٹھہر جاتا ہے
جو نہ ٹھہرے مجھے وہ درد خدا یا دیدے

دوسری جگہ ارشاد ہے :

جو آج لذتِ دردِ نہاں کا جویا ہے
وہ پہلے سوز سے سینہ تو داغ دار کرے

عشق و محبت اور درد و سوز جو نعت گوئی کی پہلی شرط ہے آپ میں فطرتاً بدرجۂ اتم موجود

تھا سیرت نگاری کے شغف نے اُسے حُبِ نبوی میں کُلیۃً مبدّل فرما دیا، اور وہ دل جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے خالی ہو اس کے متعلق ارشاد فرمایا:

نقش جس قلب پہ نامِ شہِ ابرار نہیں
سکۂ قلب ہے وہ در خورِ بازار نہیں

حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اردو کے مسلّمہ ادیب تھے، شعر و شاعری کا ذوق بچپن ہی میں مکتب کی بیت بازی سے پیدا ہو چکا تھا شاعری کے اصول و لوازم، عروض و قوافی، بحور و اوزان کی مہارت اس درجہ تھی کہ اقبال کو اس کی مثنویوں، اسرار و رموز میں اصلاحی مشورے دیتے رہے، غرض ایک شاعر کو شعر کہنے کے لئے جن کمالات و محاسن کی ضرورت ہے آپ میں موجود تھے ــــ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے تعلق نے اسے مزید جلا بخشی، مدت کے خوابیدہ جذبات بیدار ہوئے اور غزل الغزلات کا وہ شعری مجموعہ وجود میں آیا جس کے بارے میں ارشادِ سلیمانی ہے:

" یہ میرا غزل نامہ نہیں بلکہ سفر نامہ ہے "

آپ کی نعتوں کی کل تعداد پانچ ہے جو اڑتیس ۳۸ اشعار پر مشتمل ہے، لیکن ہر شعر اپنی جگہ " انتخاب ہے۔ یہ نعتیں اعظم گڑھ، تھانہ بھون، مدینہ منورہ اور جہاز خسرو پر بوقت واپسی حج کہی گئی ہیں۔

فقیر نہ شاعر ہے نہ ناقد، نہ فنِ عروض سے واقف، حضرت سید صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ کے مائدۂ کرم کا ایک ادنیٰ زلہ رُبا ہوں اس لئے نقد و تبصرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ بقول رومیؒ:

خود ثنا گفتن ز من ترکِ ثنا است
کین دلیلِ ہستی و ہستی خطا است

میرے لئے تو ہر ایک شعر یُمن و برکت اور خیر و ہدایت کا سامان ہے جو محبتِ رسول اور عظمتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مہمیز کرتا ہے، آپ کی ہر نعت بلکہ اس کا ہر شعر نبی انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک اور آپ سے نسبت رکھنے والے ہر چیز کے ساتھ ایک ایسے والہانہ تعلق کی گواہی دیتا ہے، جو کسی عاشق صادق ہی کا حال و کمال ہو سکتا ہے۔ سب سے پہلی نعت کے دوسرے شعر میں

کیا معجز مدح فرمائی ہے:

توہے مجموعۂ خوبی و سراپائے جمال
کون سی تیری ادا دل کی طلبگار نہیں

روضۂ پاک جس سکون و وقار اور سکینت کی جگہ ہے اس کے بارے میں کیا خوب فرماتے ہیں:

مجلس شاہ میں ہے نغمۂ تسلیم و درود
شورِ تسبیح نہیں شورشِ اذکار نہیں

مدینہ منورہ کے بارے میں ارشاد ہے:

ذرّہ ذرّہ ہے مدینہ کا تجلّی گہِ نور
دشتِ ایمن یہ نہیں جلوہ گہِ ناز نہیں

انصار کی محبت کا ذکر کس شان و انداز سے کر رہے ہیں:

جان دے دے کے خریدار بنے ہیں انصار
عشق نذارِ نبوی مصر کا بازار نہیں

عظمتِ نبوت و محبتِ رسالتؐ کا اندازہ کیجئے بادِ صبا کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد ہے:

ہر قدم بادِ صبا حسن ادب سے رکھنا
بوئے گیسوئے نبیؐ نافۂ تاتار نہیں

اس شعر میں حُسنِ ادب کی ترکیب کیا خوب ہے۔

جیسے عرض کر چکا ہوں کہ حضرت کی ہر نعت کا ہر شعر انتخاب ہے۔ اس مختصر مجلس میں سب اشعار نہ نقل کیے جا سکتے ہیں نہ ان پر بات کی جا سکتی ہے۔ اس موقر مجمع میں مختلف نعتوں سے چند اشعار کا پیش کر دینا کافی ہوگا سامعین خود ان کی خوبی، جزالت و ندرت، گہراؤ اور گھراؤ شیرینی اور کمال کا اندازہ فرمالیں:

چہرۂ انور شمس ضحیٰ، زلف معنبر لیل سجیٰ — قلب مطہر نورِ ہدیٰ، ذکر ممجد صلِّ علیٰ
شاہدِ عالم شاہِ امم، ہادیٔ اعظم شمعِ حرم — صاحبِ لطف و جود و کرم حق سے مویّد صلِّ علیٰ
شافعِ محشر نام ترا، سب کی شفاعت کام ترا — عرشِ معظم بام ترا، خلق کا مقصد صلِّ علیٰ

ساغرِ کوثر جام ترا، سیراب تشنہ کام ترا
خوانِ کرم پیغام ترا، اسمِ محمد صلِّ علیٰ

آدم کے لئے فخر یہ عالی نسبی ہے
مکی، مدنی، ہاشمی و مطلبی ہے

پاکیزہ ترا از عرش و سما، جنت و فردوس
آدم گہہِ پاک رسولِ عربی ہے

کیا شان ہے اللہ رے محبوبِ نبیؐ کی
محبوبِ خدا ہے وہ جو محبوبِ نبیؐ ہے

بجھ جائے ترے چھینٹوں سے لے ابرِ کرم
وہ آگ مرے سینے میں مدت سے دبی ہے

عشقِ نبوی دردِ معاصی کی دوا ہے
ظلمت کدۂ دہر میں وہ شمعِ ہُدیٰ ہے

پڑھتا ہے درود آپ ہی تجھ پر ترا خالق
تصویر پہ خود اپنی مصور بھی فدا ہے

بندہ کی محبت سے ہے آقا کی محبت
جو پیروِ احمدؐ ہے وہ محبوبِ خدا ہے

آمد تری اے ابرِ کرم رونقِ عالم
تیرے ہی لئے گلشنِ ہستی یہ بنا ہے

فردوس و جہنم تری تخلیق سے قائم
یہ فرق بد و نیک ترے دم سے ہوا ہے

فرمانِ دو عالم تری توقیع سے نافذ
تیری ہی شفاعت پہ رحیمی کی بنا ہے

لے جائیگا رہرو کو وہ منزل سے بہت دور
جو جادہ سفر کا ترے جادہ کے سوا ہے

متاعِ فقیر

"اے میرے مولیٰ! تو نے میری فطرت کو ایسا آئینہ بنایا جس میں روحِ عصر کا ہر رُخ جھلک اٹھتا ہے اور جس میں الہامِ غیبی کی تصویر کھنچ آتی ہے، اے میرے ملجا و ماویٰ! میرا دل ہی رزم گاہِ حیات ہے جہاں خیر و شر کے معرکے برپا ہوتے رہتے ہیں، اور ظن و تخمین، اور ایمان و یقین کی پیکار جاری رہتی ہے، میرے رب! یہی کل میری کائنات ہے، میں التجا کرتا ہوں کہ اس سرمایۂ حقیر اور متاعِ فقیر کو نوجوانانِ اسلام میں لٹا دے اس لئے کہ وہی اس کے اہل اور مستحق ہیں۔"

(ترجمانی از مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ)

حکیم عبدالقوی دریابادی مرحوم
(ایڈیٹر 'صدق جدید' لکھنؤ)

نعتِ نبویؐ
سعدی شیرازیؒ اور سعدیٔ ہند (حالی) کے کلام میں

جب تک فارسی زبان زندہ ہے شیخ سعدیؒ کا نام درخشاں و تاباں رہے گا۔ نثر میں ان کی کتاب "گلستاں" اور نظم میں "بوستاں" اور "کریما" (پند نامہ) سدا بہار حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ کتابیں ہندوستان کے برصغیر میں عرصۂ دراز تک نہ صرف مکتبوں، مدرسوں میں داخلِ درس رہی ہیں بلکہ کچھ عرصہ قبل تک ہندوستان کے سرکاری مدارس اور کالجوں کے فارسی نصاب میں داخل و متداول تھیں۔ ستر، اسّی سال قبل تک ہندوستان کے اسلامی گھرانوں میں بلکہ ہندوؤں کے بھی بعض طبقوں خصوصاً کائستھوں اور کشمیری برہمنوں میں یہ کتابیں پابندی سے پڑھائی جاتی تھیں اور سعدی کے اشعار اور نثری شہ پارے مسلمانوں کی طرح ہندو فارسی دانوں کے بھی نوکِ زبان رہتے تھے۔

سب سے زیادہ شہرت "گلستاں" کو حاصل ہوئی۔

فارسی میں نعت گو شاعر ایک سے ایک ارفع و اعلیٰ گزرے ہیں جن میں مولانا جامیؒ کا نام نامی سب سے پہلے آتا ہے۔ سعدیؒ کا نعتیہ کلام نسبتاً مختصر سہی لیکن شہرت و مقبولیت میں دوسرے نعت گو شعراء کے کلام سے کسی طرح فروتر نہیں بلکہ اس کے بعض اشعار تو عرصہ سے زبان زدِ عوام و خواص چلے آرہے ہیں۔

سب سے پہلے "پند نامہ" یا "کریما" ملاحظہ ہو۔ اس میں حمد باری تعالیٰ کے معاً بعد ثنائے پیغمبری کے عنوان کے تحت صرف تین شعر ملتے ہیں، جو انتہائی پُرتاثیر، ہر غلو و مبالغہ سے پاک اور ذاتِ رسالتؐ سے انتہائی شیفتگی کے آئینہ دار ہیں:

۱۔ زبان تا بود در جہان جائے گیر — ثنائے محمدؐ بود دلپذیر
۲۔ حبیبِ خدا اشرفِ انبیاء — کہ عرشِ مجیدش بود مُتّکا

۲۔ سوار جہانگیر یکراں براق کہ بگذشت از قصر نیلی رواق

ایسی سہل ممتنع قلّ و دلّ نعت دنیا کی کسی زبان میں مشکل سے ملے گی۔

اس کے بعد گلستاں کا زمزمۂ نعت ملاحظہ ہو۔ کتاب نثر کی ہے لیکن اس میں اوّل سے آخر تقریباً ہر صفحہ میں نہ صرف فارسی کے بلکہ کہیں کہیں عربی کے برمحل اشعار آب دار نظر آتے ہیں۔ اس کے دیباچہ (جو ادبی حیثیت سے امتیازی شان و آن رکھتا ہے) کے یہ عربی نعتیہ اشعار اب تک ہمارے ملک کی محافل میلاد و جلسہ ہائے سیرت میں بڑی خوش الحانی سے پڑھے اور گوش عقیدت سے سُنے جاتے ہیں:

شفیع مطیع نبیٌ کریم
قسیم جسیم نسیم وسیم

بلغ العلیٰ بکمالہٖ کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ صلّوا علیہ و آلہٖ

ذاتِ ستودہ صفات کی صفات کا احاطہ بہترین انداز میں ان اشعار میں کیا گیا ہے۔ ان عربی اشعار کے بعد اس فارسی شعر سے نعت کا آغاز ہوتا ہے:

چہ غم دیوارِ امت را کہ دارد چوں تو پُشتی بان
چہ باک از موج بحر آں را کہ باشد نوح کشتی بان

گلستاں کی ہم قافیہ و ہم پلہ کتاب بوستاں تمام تر نظم میں ہے اور اس کے بھی متعدد حصے فارسی نصاب میں داخل رہ چکے ہیں۔ کتاب بوستاں کا آغاز حمد باری کے اس بے مثال شعر سے ہوتا ہے:

بنام جہاندار جان آفریں
حکیم سخن بزبان آفریں

حمدیہ کلام کے آخری اشعار میں سعدی نے اس حقیقت کو پورے شاعرانہ کمال کے ساتھ واشگاف کیا ہے کہ توحید و معرفت الٰہی کے اس بحر ناپید اکنار میں رہنمائی کا حق تا قیام قیامت صرف داعی حق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے۔ ان کے سوا کسی کی تقلید منزلِ مقصود تک پہونچانے کے بجائے سرگشتگی و ضلالت کے بادیہ میں بھٹکا کر رکھ دے گی۔

فرماتے ہیں:

۱۔ دریں بحر جُز مرد داعی نہ رفت
گم آں شد کہ دنبال راعی نہ رفت

۲۔ کسانے کزیں راہ برگشتہ اند
برفتند بسیار و سرگشتہ اند

۳۔ خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید

۴۔ محال است سعدی کہ راہ صفا
تواں یافت جُز در پئے مصطفا

سعدیؒ کا یہ دعویٰ شاعرانہ دعویٰ نہیں بلکہ جس طرح ان کے دور میں اور اس سے قبل سو فیصدی سچا ثابت ہوا تھا اسی طرح آج بھی جب کہ دنیا اتنی ظاہری و مادی ترقیاں کر چکی ہے اس کی صداقت برقرار ہے اور انشاء اللہ مستقبل میں بھی برقرار رہے گی۔

حمد اور اس کے آخر میں تقلید و اتباعِ رسولؐ پر اتنا زور دینے کے بعد ثناءِ نبویؐ کا آغاز عربی کے اس شعر سے کیا گیا:

کریم السجایا جمیل الشیم
نبی البرایا شفیع الامم

اس کے بعد کے فارسی اشعار جن میں نعتِ نبویؐ کا حق کمال شاعرانہ کے ساتھ ادا کیا گیا ہے:

۱۔ امامِ رُسل پیشوائے سبیل
امینِ خدا مہبطِ جبرئیل

۲۔ شفیع الوریٰ خواجۂ بعث و نشر
امام الہدیٰ صدرِ دیوان حشر

۳۔ کلیمے کہ چرخ فلک طورِ اوست
ہمہ نورہا پرتوِ نورِ اوست

۴۔ یتیمے کہ نا کردہ قرآں درست
کتب خانۂ چند ملت بشست

۵۔ چو صیتش در افواہ دنیا فتاد
تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد

۶۔ بلا قامت لات بشکست خرد
باعزاز دین آب عزیٰ ببرد

آگے چل کر معراج نبویؐ کا ذکر والہانہ انداز میں :

۷۔ شبے بر نشست از فلک برگزشت
بہ تمکین و جاہ از ملک درگزشت

۸۔ چناں گرم در تیہ قربت براند
کہ در سدرہ جبریل ازو باز ماند

۹۔ بدو گفت سالار بیت الحرام
کہ اے حامل وحی برتر خرام

۱۰۔ بگفتا فراتر مجالم نماند
بماندم کہ نیروئے بالم نماند

۱۱۔ اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

۱۲۔ نماند بعصیاں کسے در گرو
کہ دارد چنیں سید پیشرو

۱۳۔ چہ نعت پسندیدہ گویم ترا
علیک السلام اے نبی الورا

۱۴۔ درود ملک بر روانِ تو باد
بر اصحاب و بر پیروان تو باد

آگے چند اشعار مدح صحابہ پر مشتمل آیۂ قرآنی محمد رسول اللہ والذین معہ کی تشریح پر مبنی ملتے ہیں اور پھر ذیل کے نعتیہ اشعار:

۱۵۔ خدایت ثنا گفت و تبجیل کرد
زمیں بوس قدر تو جبریل کرد

۱۶۔ بلند آسماں پیشِ قدرت خجل
تو مخلوق و آدم ہنوز آب و گل

۱۷۔ ندانم کدامین سخن گویمت
کہ والا تری زانچہ من گویمت

۱۸۔ ترا عزِّ لولاک تمکیں بس است
ثنائے تو طٰہٰ و یٰسین بس است

۱۹۔ چہ وصفت کند سعدیؒ ناتمام
علیک الصلوٰۃ اے نبی السلام

اس کے علاوہ کلیات سعدیؒ کے بعض دوسرے حصّوں میں بھی نعتیہ کلام موجود ہے، مثلاً:

۱۔ محمدؐ سیدِ ساداتِ عالم
چراغ و چشم جملہ انبیا را

۲۔ نگین ختم رسالت پیمبرِ عربی
شفیع روز قیامت محمدؐ مختار

۳۔ در نعت از زبان فصاحت کہ رسد
خود پیش آفتاب چہ پرتو دہد سُہا

نعت سعدیؔ ہند (حاؔلی) کے کلام میں

شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی کا شمار بجا طور پر ادب اردو کے عناصر خمسہ میں ہوتا

ہے۔ ان کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ وہ نظم و نثر دونوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ اپنی شاعری کے ذریعہ اخلاق کا درس بڑی حد تک سعدیؒ کے رنگ میں دیا اس بنا پر ان کے معاصر اہل نقد و نظر نے انھیں 'سعدئ ھند' کا لقب دیا۔ انھوں نے نثر سے زیادہ نظم میں شہرت حاصل کی۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ شہرت مسدّس حالی جس کا اصل نام مسدّس مد و جزر اسلام کے حصہ میں آئی۔ سرسید احمد خاں مرحوم کی تحریک و اصرار پر انھوں نے یہ عدیم المثال نظم کہی۔ اس کے باب میں سرسید کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ روز حشر یہ مسدس ہمارے لئے وسیلۂ نجات و باعث مغفرت ثابت ہوگا۔ یہ مسدس اوّلاً ۱۲۹۶ھ میں شائع ہوا۔ بعض ادبی و مذہبی حلقوں میں شروع شروع اس کی شدید مخالفت ہوئی۔ اس کے رد میں نثری تحریروں اور اودھ پنچ ظریفانہ طنز و تعریض کے ساتھ اسی کے وزن و قافیہ میں متعدد مسدس لکھے گئے۔ لیکن شاعر نے جس خلوص نیت سے یہ مسدّس کہا تھا وہ خلق و خالق دونوں میں مقبول ہوا۔ اس کے ردّ و جواب میں جو مسدّس لکھے گئے تھے ان کا نام بھی آج کوئی نہیں جانتا۔ اور مسدّس کو اتنی شہرت اب تک حاصل ہے کہ محض لفظ 'مسدّس' سے اردو ادب میں 'مسدس حالی' ہی مراد لیا جاتا ہے۔

یوں تو سارا مسدس پڑھنے اور سر دھننے کے قابل ہے لیکن اس کا نعتیہ حصہ سب سے زیادہ مقبول و مشہور رہا۔ اس میں نعت نبوی بالکل نرالے اور انتہائی البیلے انداز میں نظر آتی ہے۔ ذکرِ ولادت کے ساتھ ساتھ حضورؐ کی صفات کاملہ 'اسوۂ حسنہ' آپ کے پیام توحید اور دوسری تعلیمات دنیوی کا سلاست و روانی سے بیان ملتا ہے۔ مسدّس کے نعتیہ بند آج تک محافل میلاد اور سیرتی جلسوں میں کثرت سے پڑھے جاتے ہیں اور سیرت کے موضوع پر لکھے جانے والے مقالات کی زینت ان سے ہوتی ہے۔ ان نعتیہ اشعار میں بعض معجزات نبویؐ کا بھی ذکر ہے جو ان سادے اور سپاٹ اشعار سے کہیں بہتر اور زیادہ اثر انگیز ہیں جو مروجہ میلاد ناموں میں نظر آتے ہیں۔

اس تاریخی حقیقت کے اظہار کے ساتھ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے قبل ساری دنیا عموماً اور خاص طور سے عرب (جو دورِ جاہلیت سے گزر رہا ہے) کس حد تک گمراہیوں اور تاریکیوں میں گرفتار تھا۔ ہر قسم کے اعتقادی و عملی ضلالتوں میں گھرا اور ڈوبا ہوا تھا۔ ولادت اور بعثت نبوی کے ذریعہ آفتاب نور و ہدایت طلوع ہوا جس نے سارے جہاں کو منوّر کر دیا۔

یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت بڑھا جانبِ بوقبیس ابرِ رحمت
ادا خاکِ بطحا نے کیا وہ ودیعت چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت
ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نویدِ مسیحا

ہوئے محو عالم سے آثارِ ظلمت کہ طالع ہوا ماہِ برجِ سعادت
نہ چھٹکی مگر چاندنی ایک مدت کہ تھا ابر میں ماہتابِ رسالت
یہ چالیسویں سال لطفِ خدا سے
کیا چاند نے کھیت غارِ حرا سے

مسدس کے یہ بند اس کے ہر بند سے زیادہ مقبول و رواں نظر آتے ہیں:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

خطا کار سے درگزر کرنے والا بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کو زیر و زبر کرنے والا قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

اس نسخۂ کیمیا کے انقلابی و معجز نما اثرات کی تشریح اگلے بندوں میں:

مسِ خام کو جس نے کندن بنایا کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا پلٹ دی بس ایک آن میں اس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی
نئی اک لگن سب کے دل میں لگادی اک آواز میں سوتی بستی جگادی

پڑا ہر طرف غل یہ پیغامِ حق سے
کہ گونج اٹھے دشت وجبل نامِ حق سے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اصلاحی پیام دیا اور جو انقلاب عظیم انتہائی قلیل مدت میں بپا کر دکھایا۔ اس کی تشریح شاعر نے کس لطیف ونفیس پیرایہ میں کی ہے:

سبق پھر شریعت کا ان کو پڑھایا حقیقت کا گُر ان کو ایک اک بتایا
زمانے کے بگڑے ہوؤں کو بنایا بہت دن کے سوتے ہوؤں کو جگایا

کھلے تھے نہ جو راز اب تک جہاں پر
وہ دکھلا دیئے ایک پردہ اُٹھا کر

نہ واقف تھے انسان قضا اور جزا سے نہ آگاہ تھے مبدأ و منتہا سے
لگائی تھی ایک ایک نے لَو ماسوا سے پڑے تھے بہت دُور بندے خدا سے

یہ سُنتے ہی تھرّا گیا گلّہ سارا
کہ داعی نے للکار کر جب پُکارا

یہ پُکار توحید خالص اور ہر قسم کے شرک سے تبرّی پر مبنی تھی:

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق زبان اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرمان اطاعت کے لائق اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

لگاؤ تو لَو اس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

اسی پر بھروسہ ہمیشہ کرو تم اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم اسی کی طلب میں مرو جب مرو تم

مبرّا ہے شرکت سے اس کی خدائی
نہیں اس کے آگے کسی کو بڑائی

آگے کے متعدد بندوں میں اس پیام نبوت کی تشریح مسلسل ملتی ہے۔

مسدس کے آخر میں دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی ایک مناجات جس میں ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے مسلمانوں پر قیامت گزرنے کے بعد حسب حال اور حقیقت حال کی ترجمانی کی ہے۔ اس سے بھی کہیں زیادہ ۱۹۴۷ء کے بعد کے ہندوستان کے مسلمانوں کے حال زار پر منطبق ہے اور اس قابل ہے کہ بھارتی مسلمان موجودہ ہراس ویاس کے عالم میں بار بار تضرّع کے ساتھ پڑھ کر اپنی فریاد اور پکار بارگاہِ رب العزت میں پہونچائیں۔ مولانا جامیؒ کی ایک مشہور فارسی مناجات جس کا مطلع یہ ہے:

اے بسرا پردۂ یثرب بخواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

اس میں مولانا جامیؒ نے خاص طور سے ذات رسالت سے تخاطب کرکے اپنے عہد کے مسلمانوں کی زبوں حالی کا شکوہ کیا تھا۔ یہ مناجات مولانا جامیؒ کے دور کے لئے یقیناً مناسب حال تھی۔ حالی کی اردو مناجات مختلف اعتبارات سے آج کے ماحول میں مولانا جامی کی مناجات سے بھی بڑھی ہوئی اور موثر تر نظر آتی ہے۔

اس مناجات کی شان میں مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اپنے مشہور ادبی مضمون "اردو کا ایک واعظ شاعر" میں یوں رقم طراز ہیں:

"شاعر مسلمان ہے اور مسلمان کی حیثیت سے اسلام اور مسلمانوں کا حال زار دربار رسالت میں عرض کر رہا ہے۔ اس عرض و معروض میں اللہ کس قدر اخلاص اور کس درجہ نیاز، کس درجہ تعلق خاطر ہے اور اصلاح حال کے لئے کس درجہ اضطرار:

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقت دُعا ہے
امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

۱۵۔ ۲۰ شعروں میں اپنے "حال" کا مقابلہ، عبرت انگیز مقابلہ اپنے ماضی سے کرتے چلے گئے ہیں۔ اس کے بعد کہتے ہیں:

گو قوم میں تیرے نہیں اب کوئی بڑائی
پر نام تری قوم کا یاں اب بھی بڑا ہے
ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر
مدت سے اسے دورِ زماں میٹ رہا ہے

مزید عرضِ حال کے بعد پھر فریاد شروع ہوتی ہے :

اے چشمۂ رحمت بأبی انت و اُمّی
دنیا پہ ترا لطف سوا عام رہا ہے
جس قوم نے گھر اور وطن تجھ سے چھڑایا
جب تو نے کیا نیک سلوک ان سے کیا ہے
برتاؤ ترے جب کہ یہ اعدا سے ہیں اپنے
اعدا سے غلاموں کو کچھ امید سوا ہے
امت میں تری نیک بھی ہیں بد بھی ہیں لیکن
دلدادہ ترا ایک سے ایک ان میں سوا ہے

آخر میں شاعر کو یاد پڑ جاتا ہے کہ موقع نازِ یوسفی کا نہیں نیازِ یعقوبی کا ہے :

ہاں حالیؔ گستاخ نہ بڑھ حدِّ ادب سے
باتوں سے ٹپکتا تری اب صاف گِلا ہے
ہے بھی خبر تجھ کو کہ ہے کون مخاطب ؟
یاں جنبشِ لب بھی خارج از آہنگ خطا ہے"

انیس چشتی

اُردو کے چند ہندو نعت گو شعراء

زیرِ نظر مقالہ "رابطۂ ادبِ اسلامی" کی کانفرنس منعقدہ ۷ تا ۹ اکتوبر ۱۹۸۸ء بمقام اورنگ آباد میں پڑھا گیا تھا۔ اس کانفرنس میں ملک اور بیرونِ ملک کے چیدہ چیدہ دانشور شریک تھے، اصل مقالہ طویل ہے۔ یہاں اس کے چند اقتباسات بغرضِ سعادت وعقیدت ہدیۂ ناظرین ہیں۔ اس مذاکرۂ علمی کا عنوان ہی "نعتیہ شاعری تاریخی وعلمی جائزہ" تھا ——————— (ادارہ)

میری اس رائے سے دانشورانِ محفل شاید متفق ہوں کہ ہیئت Form سے قطع نظر تمام اصنافِ سخن میں "نعت" مشکل ترین صنفِ سخن ہے۔ بظاہر نعت کہنا شاعروں کے لئے مشکل کام نہیں، لیکن اس کے آداب و لوازم کو نباہنا مشکل ترین امر ہے۔ غزل اپنے معیار پر ہے تو غزل ہے، معیار سے بلند ہے تب بھی غزل، معیار سے پست ہے تب بھی غزل ہے۔ ہم صاف کہہ سکتے ہیں کہ یہ غالب کی غزل ہے، یہ میر و سودا ہیں۔ یہ آتش و داغ ہیں، یہ سراپا والی، معاملہ بندی والی، اپنے آپ کو اس زمین سے قریب رکھنے والی جس پر انسان رہتا ہے، جب ایسی کوئی چیز ادب میں پائیں تو اسے مومن کی غزل کہیئے، یہ صوفیانہ، عاشقانہ، باغیانہ، غزل حسرت کی ہوئی۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اردو شاعری میں نظم ہو یا غزل، قصیدہ ہو یا مرثیہ، مثنوی ہو یا رباعی یا آج کے جدید ہیئتی تجربوں والی شاعری یہاں تک کہ حمد و منقبت بھی۔ اس میں وہ نزاکتیں (اور خاص طور پر اسلامی عقائد سے متعلق) درپیش نہیں ہیں جو مرحلۂ نعت گوئی میں ملحوظ رکھنی پڑتی ہیں۔ آپ سے ذراسی غفلت ہو جائے اور مدح میں وارفتہ حال ہو کر کچھ زیادہ کہہ بیٹھیں تو معاملہ کفر و شرک کی حدود کو جالے۔ اس سے بچنے کی سعی میں آپ نے ذرا وسعت اختیار کی تو معاملہ بے قابو ہو کر بے ادبی اور گستاخی کے زمرے میں جا پہنچے گا اور سخن گو ان تمام

حدودِ شریعت کا پاس و لحاظ رکھتا ہو اصل نعت گوئی پر پہونچتا ہے تو بات آمد کی بجائے آورد بن جاتی ہے۔ اس تمہید کو مدِنظر رکھتے ہوئے اگر آپ زیرِ نظر مقالہ ملاحظہ فرمائیں تو شاید آپ کو میری بات سمجھنے میں مدد ملے گی۔

ہندوستان کی سرزمین کو یہ فخر حاصل ہے کہ اسلامی روایات کا پاس و لحاظ رکھنے والے افراد نے یہاں صرف مذہب اسلام کی آبیاری ہی نہیں کی بلکہ یہاں کے دیگر مذاہب کے ماننے والوں میں اسلام کے روحِ رواںؐ کے بارے میں ایسا تاثر دیا کہ اس ملک میں بسنے والے دیگر طبقات سے متعلق افراد نے بھی ایک سچے محسنِ انسانیت کی طرزِ زندگی اور اخلاق و عادات کو اپنی زندگی کا خاصہ بنایا اور جب شعر گوئی کی طرف رغبت اختیار کی تو مدحِ رسولؐ کے ایسے جوہر دکھلائے کہ بے ساختہ ان کی وابستگی اور نسبت پرستی پر داد دینے کو جی چاہتا ہے۔

اقبالؒ کے مطابق میر عربؐ کو جہاں سے ٹھنڈی ہوا آئی تھی اس سرزمین اور اس وطن میں اردو زبان کی شاعری سے لگاؤ ظاہر کرنے والوں میں جہاں مسلمان پیش پیش رہے ہیں ہندوؤں نے بھی علم و ادب کے ایسے جوہر دکھلائے کہ ہر پڑھنے والا جھوم جھوم اٹھتا ہے۔

حضرات! میرے مقالے کا موضوع ہی "اردو کے چند ہندو نعت گو شعراء" ہے۔ اگر موضوع کو احاطۂ تحریر میں لانے سے پہلے صرف غیر مسلم شعراء کے ناموں کی فہرست تیار کی جائے تو یقین مانیے کہ ہندو نعت گو شعراء کے ناموں کی ایک اچھی خاصی کتاب مرتب ہو جائے گی، جنھوں نے اُمّی لقبؐ، نبی رحمتؐ، سرورِ عالمؐ اور شمس الضحیٰؐ، بدرالدجیٰؐ سے اپنی والہانہ وابستگی کو ایسے اشعار میں پرویا ہے کہ ان نعتوں پر امتِ محمدیؐ سے وابستہ افراد بھی انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔

یہ وقت ایسا نہیں کہ لالہ لچھمی نرائن شفیق، راجیشور راؤ اصغر، مہاراجہ چندو لال شاداں، مہاراجہ کشن پرشاد شاد، منوہر لعل بہار، راجہ لعل راجہ، مکھن لعل مکھن، رگھویندر راؤ جذب، بہاری لعل رمز، اور ایسے ہی بے شمار دکنی نعت گو شعراء کے نعتیہ کلام کو پیش کر کے ان کی مدح سرائی کی جائے اور نہ ہی یہ ایسا موقع ہے کہ جگدیش مہتہ درد، فراق گورکھپوری، تلوک چند محروم، جگن ناتھ آزاد، رتن ناتھ سرشار، دیا شنکر نسیم، پنڈت برج نرائن چکبست، دیا شنکر نظم جیسے شمالی ہند کے نعت گو شعراء کے نعتیہ کلام کے محاسن کی نشان دہی کی جائے۔ اس موضوع میں اس قدر وسعت ہے کہ اس پر ایک بھرپور مقالہ لکھا جا سکتا ہے،

اور ان کے تمام عناصر اور عوامل پر بحث کی جا سکتی ہے۔ اردو کے بیشتر نعت گو ہندو شعراء کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ انھوں نے عقیدت کا وہ رویہ اختیار کیا جو نعت میں غلو اور مبالغہ کی حدود کو چھو لیتا ہے۔

رسول مقبولؐ کو ایک محبوب کی طرح چاہنا اور ان تمام جذبات کی عکاسی جو ایک محبوب سے منسلک ہیں۔ اسی طرح نعت کے موقع پر مدح رسولؐ کو خدائی صفات سے وابستہ کر دینا، ایسے ہی بے شمار مسائل نعت گو ہندو شعراء کے کلام میں دکھائی دیں گے۔ جن کی طرف نشان دہی بھی طویل وقت اور وسیع مقالہ کی متقاضی ہے۔ میں صرف اس قدر عرض کرتا چلوں کہ نعت گو ہندو شعراء نے اپنے نعتیہ کلام کے ذریعہ ایسا ماحول ضرور پیدا کر دیا جس کی وجہ سے رسول عربیؐ سے رغبت کا جذبہ غیر اسلامی افراد میں عام ہو گیا۔

اپنے اس مضمون میں بجائے ہندو نعت گو شعراء کے تفصیلی تعارف اور ان کے کلام کے محاسن اور معائب کی نشان دہی کے یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کے کلام کا مختصر سا نمونہ پیش کیا جائے تاکہ ناظرین کو نعت گو ہندو شعراء کے معیارِ کلام کا اندازہ ہو سکے۔ یہ ایک عجیب حُسنِ اتفاق ہے کہ اردو کے غیر مسلم ہندو شعراء نے مسلمان شعراء کی طرح تبرک کے طور پر اپنے مجموعۂ کلام میں "حمد" کے بعد نعت کو بھی جگہ دی ہے جتنے ہندو شعراء کے نعتیہ کلام شائع ہوئے ہیں اگر ان کی نعتوں کے چند نمونے بھی پیش کیے جائیں تو مضمون کئی صفحات پر پھیل جائے گا۔ نعت سے رغبت رکھنے والے قارئین کی دلچسپی کے لیے چند شعراء کے نعتیہ کلام کے نمونے پیش ہیں۔

جگدیش مہتہ دردؔ دہلی کے متوطن ہیں وہ سیال کوٹ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے رسول عالمؐ کے حضور عشق میں ڈوب کر جو نذرانۂ عقیدت پیش کیا وہ ملاحظہ فرمائیں:

یا شاہِ عربؐ، غم سے عجب حال ہوا ہے
ہے مرنے میں کچھ لطف، نہ جینے میں مزا ہے
اور درد عجب ہے
بیکل ہوں جُدائی سے ہے بیتاب مری جان
بے علم ہو کیوں حال سے، یہ رنج سوا ہے

اور رنج و تعب ہے

پیدل ہی میں گھبرا کے چلا آؤں مدینہ

پر تاب و تواں مجھ میں کہاں ایسا رہا ہے

اور راہ صعب ہے

خادم ہوں میں جب آپؐ کا تاخیر یہ کیسی

للہ بتادو مجھے کیا میری خطا ہے

کیا اس کا سبب ہے

جگدیش مہتہ درد کی اس طویل نعت کے چند اشعار سے خود اندازہ ہوجاتا ہے کہ اردو کے نعت گو ہندو شعراء نے اپنے کلام میں کس رویّہ کو اختیار کیا ہے۔ اس مضمون میں دانستہ طور پر ایسے شعراء کا کلام نہیں پیش کیا جارہا ہے جنھیں ہم نے قابلِ التفات نہیں سمجھا۔ نامور نعت گو ہندو شعراء سے اردو طبقہ واقفیت رکھتا ہے۔ خود جگن ناتھ آزاد کا "سلام" اردو نعت گوئی میں ایک خوشگوار اضافہ قرار دیا جاسکتا ہے، جس میں انھوں نے فخرِ دوراں اور سرورِ کونین کی خدمت میں سلام گذارنا ہے۔ اگر نعتیہ کلام میں سلام کے موقف کی نشاندہی ہوجائے تو شاید اس موضوع پر کچھ لکھا جاسکے۔ جگن ناتھ آزاد کہتے ہیں:

سلام اُس ذاتِ اقدس پر، سلام اس فخرِ دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے انساں پر
سلام اس پر جو حامی بن کے آیا غم نصیبوں کا
رہا جو بیکسوں کا آسرا مشفق غریبوں کا
سلام اس پر جلائی شمعِ عرفاں جس نے سینوں میں
کیا حق کے لئے بے تاب سجدوں کو جبینوں میں
سلام اُس پر کہ جس نے ظلم سہہ سہہ کر دعائیں دیں
وہ جس نے کھائے پتھر گالیاں، اس پر دعائیں دیں

اس سلام میں جگن ناتھ آزاد کے خراج عقیدت کا اندازہ جس قدر پُرخلوص ہے اس سے کہیں زیادہ ان کے صبر و قرار کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے ۔ ہر شعر کے آخری مصرعہ پر آپ غور کریں تو اندازہ ہو جائے گا کہ آزاد نے بے شک اردو کی نعتیہ شاعری میں کمال کر دکھایا ہے ۔

لالہ لال چند فلک، آنند نرائن مُلّا، گوپال متل، نریش کمار شاد، درشن سنگھ دگل، کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کے کلام اور منشی مہاراج بہادر برق کے مجموعۂ کلام "مطلع انوار" میں نعت کے زندہ جاوید نمونے موجود ہیں ۔ اپنے اس ادھورے مضمون کو دکن کے ایک اہم نعت گو اور حیدر آباد کے آخری نظام میر عثمان علی خان کے وزیر اعظم مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد کی نعتوں کے چند اشعار سے ختم کرنے کی اجازت چاہتا ہوں :

کافر نہ کہو شاد کو ہے عارف و صوفی
شیدائے محمدؐ ہے وہ شیدائے مدینہ

معراج میں حضورؐ جو مدعوائے خدا تھے
خلوت تھی کوئی اور وہاں میہماں نہ تھا

رکھتا ہے یہ آرزو جی لازم ہے مجھ کو نغمہ سنجی
مدّاحِ حبیبِ مصطفٰےؐ ہوں ممدوح کی مدح لکھ رہا ہوں

کشن پرشاد شاد نے واضح طور پر خود کو حبیبِ مصطفٰےؐ کا مدّاح قرار دیا ہے ۔ اسی طرح لاتعداد ہندو شعراء نے اپنے آپ کو مدّاحِ رسولؐ کہلوانے پر فخر محسوس کیا ہے ۔ انشاء اللہ کسی اور محفل میں اس کا تذکرہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ پیش کیا جائے گا سرِدست نمونۃً چند اشعار سنتے چلیے :

پنڈت ہری چند اختر

کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
کس نے ذرّوں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا

آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا
اک عربؐ نے آدمی کا بول بالا کر دیا

سالک رام سالک

کیوں نہ دل و جاں سے مجھے بھائے مدینہ
آنکھوں میں بسا ہے مرے مولائے مدینہ
سُرمے کی طرح آنکھ میں سالک میں لگالوں
ہاتھ آئے جو خاکِ درِ مولائے مدینہ

کالی داس گپتا رضا

دوست اور دشمن پہ یکساں مہرباں تو ہی تو ہے
رہگزارِ زیست میں جوئے رواں تو ہی تو ہے
بے قراروں کو ہے تیرا آسرا بعدِ خدا
روحِ دل تو ہی تو ہے تسکینِ جاں تو ہی تو ہے

کرسن لال ادیب لکھنوی

آؤ ہم سب مل کر بیٹھیں پیار کی باتیں کریں
سر زمینِ یثرب و سرکار کی باتیں کریں

پریم کی گنگا بہائی جس نے ریگستان میں
روح تازہ پھونک دی مٹتے ہوئے ایمان میں

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر

تکمیلِ معرفت ہے محبّت رسولؐ کی
ہے بندگی خدا کی اطاعت رسولؐ کی
اتنی سی آرزو ہے بس اے ربِّ دو جہاں
دل میں رہے سحر کے محبّت رسولؐ کی

پنڈت کالکا پرشاد

مشرق سے ہوں مغرب تلک گر درہم و دینار
لے کر یہ زمیں تا بہ فلک مال کا انبار
دریا سبھی موتی بنیں، پارس بنیں کہسار
اِک سمت کھڑے ہوں جو ہرے سیّدِ ابرارؐ
پھر کالکا پرشاد سے پوچھے کوئی کیا لے؟
نعلینِ کفِ پائے نبیؐ سر پہ اُٹھا لے

کرشن بہاری نورؔ

دیر سے نور چلا بابِ حرم تک پہونچا
سلسلہ میرے گناہوں کا کرم تک پہونچا
ان کی معراج کہ وہ عرشِ بریں تک پہونچے
میری معراج کہ میں اُن کے قدم تک پہونچا

دلِ مردِ مومن

کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا!
خبر میں، نظر میں، اذانِ سحر میں
طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو
وہ سوز اس نے پایا انہیں کے جگر میں
کشادِ درِ دل سمجھتے ہیں اس کو
ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں
دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے
وہ بجلی کہ تھی نعرۂ لاتذر میں
عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے
نگاہِ مسلماں کو تلوار کر دے

(اقبالؔ)

پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی

خوشا وہ دور کہ.....

قرآن و سیرتِ نبویؐ اور تمدّنِ اسلامی

کلامِ اقبال کے حوالے سے

قرآن نے زندگی کا ایک نیا تخیل پیش کیا تھا۔ پیغمبر اسلام نے زندگی کے معروف فطری تقاضوں کے ساتھ زندگی کے قرآنی تخیل کو اپنی نمونے کی زندگی میں عملی طور پر برت کر دکھایا۔ آپؐ کی یہی نمونے کی زندگی، آپؐ کا یہی اسوۂ حسنہ گزشتہ صدیوں میں ہر جگہ مسلمانوں کا آئیڈیل رہا ہے۔ رسولؐ کا اتباع اللہ کی اطاعت قرار دی گئی اور سنّتِ رسولؐ کتاب کے ساتھ مل کر اسلامی معاشرہ کی بنیاد بن گئی۔ ہم جسے تمدّن اسلامی کہتے ہیں، اس کی اساس توحید، رسالت اور آخرت کے عقیدے ہیں۔ لیکن ان عقائد کی اشاعت کرنے والے نے اگر صرف یہ بتا دیا ہوتا تو یہ عقیدے محض مجرد تصورات بن کر رہ جاتے جن کا کچھ کچھ ادراک غالباً اعلیٰ ذہنی سطح کے افراد ہی، اور وہ بھی ایک قلیل تعداد میں کر سکتے۔ لیکن انھیں عام کیا وحی الٰہی کی اس صورت نے جو قرآن کریم ہے، اور جس کی تلاوت کی برکت سے صدیاں گزر جانے کے بعد بھی دنیا کے ہر خطے میں مسلمان ہر روز فیضیاب ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارے خیال میں عام انسانوں کے عقائد اور وحی الٰہی کی ذہنی وایمانی سطح پر اثر انگیزی میں شدّت، گہرائی اور گیرائی پیدا ہوئی، خوش لقب سید مکی مدنی العربی کی ذات گرامی سے عشق و محبت کے ایک خاص تعلق کی وجہ سے جن کی حیاتِ طیبہ نے زندگی کے قرآنی تخیل کو ایک حقیقت بنا دیا۔ کیسی پُرلطف اور عجیب بات ہے کہ زندگی کے اس قرآنی تخیل کی

ایک نہایت اچھی تشریح مشہور جرمن شاعر گوئٹے کی نعتیہ نظم "نغمۂ محمدؐ" میں ملتی ہے جس کا پروفیسر مجیب کا کیا ہوا نثری ترجمہ درج ذیل ہے[1]۔

"اس چشمے کو دیکھو، جو تاروں کی کرنوں کی طرح ہنستا ہوا، صاف شفاف چٹانوں میں سے نکلا۔ بچپن میں اسے قدسیوں نے اس دنیا میں پالا جو بادلوں سے پرے ہے۔ شباب کی تازگی اور جوش لئے ہوئے وہ ایک خرامِ ناز کے ساتھ بادلوں سے نکلتا ہے، اور چٹانوں کے بیچ میں سے جھاڑیوں سے گزر کر مرمریں چٹانوں پر گرتا ہے، اور پھر مسرت کے نعرے لگاتا ہوا آسمان کی طرف اچھلتا ہے۔"

"وہ چوٹیوں کے درمیان درّوں میں سے ایک رنگین پتھر سے دوسرے کی طرف لپکتا ہے۔ اس کے قدم کو شروع ہی سے رہنمائی کی صفت عطا ہوئی ہے اور وہ اپنے بھائی بندوں کو اپنے ساتھ بہا کرلے جاتا ہے۔"

"نیچے وادی میں جہاں اس کا قدم پڑتا ہے پھول کھلنے لگتے ہیں اور اس کے دم سے سبزہ زار میں جان پڑجاتی ہے لیکن اسے نہ سایہ دار وادی روک سکتی ہے نہ وہ پھول جو اس کے گھٹنوں سے لپٹ لپٹ کر محبت بھری آنکھوں سے اس کی خوشامد کرتے ہیں۔ اس کا بہاؤ اسے میدان کی طرف چکّر دیتا ہوا لے جاتا ہے۔"

"چھوٹے چشمے اس کے دامن سے لپٹ کر چلتے ہیں۔ اب وہ چاندی کی طرح چمکتا ہوا میدان میں پہنچتا ہے، اور میدان بھی اس کی آب و تاب سے چمک اٹھتا ہے۔ اب میدان کے دریا اور پہاڑوں کے چشمے پکار پکار کر کہتے ہیں: "بھائی" "اے بھائی" ہمیں بھی اپنے رب کے پاس لے چل، ہمیں بھی بے پایاں سمندر کی گود میں پہنچا دے۔ وہ ہمارے انتظار میں ہاتھ پھیلائے ہے اور افسوس ہم اس کے مشتاق اس کی گود تک پہنچ نہیں پاتے۔ ہمیں ریگستانوں کی پیاسی ریت سوکھے لیتی ہے، اوپر سے سورج ہمارا خون چوسے لیتا ہے۔ کوئی پہاڑی راستہ روک کر ہمیں تالاب بنا دیتا ہے۔

---

[1] محمد مجیب، دنیا کی کہانی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی، ۱۹۵۲ء، صفحات ۱۲۹۔۱۲۷

اے بھائی اپنے میدان والے بھائیوں کو، اپنے پہاڑ والے بھائیوں کو اپنے ساتھ اپنے رب کے پاس لئے چل!

"آؤ سب کے سب آؤ!" — اب وہ بڑی شان سے موجیں مارتا بڑھتا ہے ساری قوم اپنے بادشاہ کو کندھوں پر اٹھائے ہوئے چلتی ہے اور فتح کے ریلے میں وہ ملکوں پر اپنا سکہ بٹھاتا جاتا ہے۔ جہاں اس کا پیر پڑتا ہے شہر آباد ہو جاتے ہیں"۔

"اس کا بہاؤ کسی کے روکے نہیں رکتا۔ وہ زور شور سے مینا روں کی چمکتی چوٹیوں مرمریں عمارتوں کو پیچھے چھوڑ کر تخلیق کے جوش میں آگے بڑھا چلا جاتا ہے۔ گویا اطلس ایک دنیا کو کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہے۔ اس کے سر پر ہزاروں جھنڈے لہراتے اور سرسراتے ہیں، اور یہ سب اس کی شان و شوکت کے نشان ہیں"۔

"اس طرح وہ اپنے بھائیوں، اپنے عزیزوں، اپنے بچوں کو ان کے رب کے پاس جو ان کے انتظار میں تھا، پہنچا دیتا ہے اور وہ انھیں مسرت کے جوش میں گلے لگا لیتا ہے"۔

اقبال کی نظم "جوئے آب" گوئٹے کی اس نظم کا آزاد ترجمہ پیش ہے جس کے اشعار ایک خاص کیفیت کے ساتھ صدیوں پر پھیلے اسلامی تمدن کے ترجمان ہیں[1]:

بنگر کہ جوئے آب چہ مستانہ می رود — مانند کہکشاں بگریبانِ مرغزار
از سنگریزہ نغمہ کشاید خرامِ او — سیمائے او چو آئینہ بے زنگ و بے غبار

در راہِ او بہار پری خانہ آفرید — نرگس دمید و لالہ دمید و سمن دمید

صد جوئے دشت و مرغ و کہستان و باغ و راغ — گفتند "اے بسیط زمین با تو سازگار
مارا کہ راہ از تنگ آبی نہ بردہ ایم — از دستبرد ریگ بیاباں نگاہ دار"
وا کردہ سینہ را بہ ہوا ہائے شرق و غرب — در بر گرفتہ ہمسفرانِ زبون و زار

---

[1] محمد اقبال "جوئے آب"، پیام مشرق، ساتواں ایڈیشن، لاہور، ۱۹۴۸ء صفحات ۱۵۲-۱۵۱

دریائے پُرخروش ز بند و شکن گذشت — از تنگنائے وادی و کوہ و دمن گذشت

یکساں چو سیل کردہ نشیب و فراز را — از کاخ شاہ و بارہ و کشت و چمن گذشت

بیتاب و تند و تیز و جگرسوز و بے قرار — در ہر زماں بتازہ رسید از کہن گذشت

زی بحر بیکرانہ چہ مستانہ می رود

با صد ہزار گوہر یک دانہ می رود

زندگی کے اس قرآنی تخیل اور تمدن کے اسلامی خاکے میں رنگ بھر اگیا قرآن وسنت کے حسی پیکروں اور نمونوں سے جن کی بدولت اسلامی معاشرہ جغرافیائی حدبندیوں کے باوجود ایک کُل کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا رہا ہے۔ ان ہی حسی پیکروں سے عقیدت ومحبت' ان کا مثالی احترام.

زندگی کے اس قرآنی تخیل اور تمدن کے اس اسلامی خاکے میں رنگ بھرا گیا۔ قرآن وسنت کے حسّی پیکروں اور نمونوں سے جن کی بدولت اسلامی معاشرہ جغرافیائی حدبندیوں کے باوجود ایک کل کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا رہا ہے۔ ان ہی حسی پیکروں سے عقیدت ومحبت' ان کا مثالی احترام اور ان کے مطابق انفرادی واجتماعی زندگی کی تشکیل و تنظیم ہی سے اللہ تعالیٰ سے مسلمان کا رشتہ استوار ہوتا ہے. اور حقیقی عبدیت کے ایمان افروز منظر دیکھنے میں آتے ہیں۔ تاریخ اسلام ایسے مناظر سے بھری پڑی ہے.

صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، ائمہ کرامؒ اور بزرگان دینؒ کا ایک طویل سلسلہ ہے جنھوں نے قرآن وسنت کے حسّی نمونوں سے فیض وفیضان حاصل کیا اور توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد اور انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ان کے عہد آفریں اثرات کا اثبات کیا۔ انھیں میں بشریت کے چوکھٹے میں وہ نورانی آئیڈیل شخصیت اور جامع سیرت تھی جو تمام مکارم اخلاق کا مجموعہ اور مثالی نمونہ تھی جسے خود باری تعالیٰ نے "خلق عظیم" کے لقب سے نوازا ہے' اور عملی زندگی میں اسی کا اتباع کرنے کا حکم دیا ہے.

صحابہ کرامؓ کو رسول کریمؐ کے اسوۂ حسنہ کے مشاہدے کی خوش بختی حاصل تھی اور انھیں اس کا شرف حاصل تھا کہ وہ آپ کے ہر عمل اور قول کو غور سے دیکھیں اور سنیں اور اس کی تقلید کریں.

اس باب خاص میں "وصل میں مرگ آرزو" کی بات اس طرح غلط ثابت تھی کہ آپ کے فیض صحبت سے صحابہ کرامؓ کے دلوں میں عشق رسولؐ کی آنچ تیز سے تیز تر ہوتی رہتی تھی۔ اس لئے آپ کی مکمل تقلید آپ کے جاں نثاروں (یعنی صحابہ کرامؓ) کے لئے آسان بھی تھی اور اس میں وہ ایک روحانی لذت سے سیراب بھی تھے.

اس روحانی لذّت کے کیف وسرور کی ایک سرمدی فضا ہمیں اقبال کی اس نعتیہ نظم میں ملتی ہے جس میں خاص ذکر تو حضرت بلالؓ کا ہے لیکن درحقیقت لذت دلدار کا یہ کیف سبھی صحابہ کرامؓ کو حاصل تھا۔ نظم کے ان اشعار کو دیکھیے:۔

چمک اٹھا جو ستارہ ترے مقدر کا		حبش سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا
ہوئی اسی سے ترے غم کدے کی آبادی		تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی
نظر تھی صورت سلمانؓ ادا شناس تری		شراب دید سے بڑھتی تھی اور پیاس تری
مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا		ترے لئے تو یہ صحرا ہی طور تھا گویا
تری نظر کو رہی دید میں بھی حسرت دید		خنک دلے کہ تپید و دمے نیاسائید
تپش زشعلہ گرفتند و بردلِ تو زدند		چہ برق جلوہ بخاشاک حاصل تو زدند
ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری		کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری
خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا		خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا[1]

بعد کی صدیوں میں جب اسلام مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں دور دور تک پھیلا اور ایک عالم گیر اسلامی تمدن اور معاشرہ کی تشکیل عمل میں آئی اور پھر جغرافیائی اور سیاسی اعتبار سے یہ معاشرہ ٹوٹا اور انتشار و تخریب کی مختلف النوع قوتوں نے اپنا رول ادا کیا (اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے) تو عہد رسالت سے زمانی و مکانی دونوں اعتبار سے دوری اور مہجوری نے اطاعتِ رسولؐ کے جذبے کو جو فرمان خداوندی کی رو سے فرض ہے مسلمانوں میں نہ صرف یہ کہ زندہ بلکہ اسلامی معاشرہ کو جو ایک خاص سطح پر سیاسی اور جغرافیائی حدبندیوں سے بے نیاز ہے، کتاب اللہ کے ساتھ رسول کریمؐ کی سنت[2] سے فیضان حاصل کر کے متحد و مستحکم بھی رکھا ہے ——— "ہجر میں لذت طلب" کی جیسی روشن

---

[1] اقبال، بانگ درا، ۱۹۴۶ اڈیشن لاہور، صفحات ۷۹-۷۸۔

[2] سنت ہی حکمت ہے۔ اس بحث کے لئے دیکھئے: شیخ مصطفٰے احسنی سباعی، سنتِ رسولؐ۔ (ترجمہ: ملک غلام علی) صفحہ ۲۵-۲۴ ——— بحوالۂ محمد طاہر فاروقی، اقبال اور محبت رسولؐ۔ اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۸۸، صفحات ۴۸-۴۷۔

اور مہتم بالشان مثال مختلف ادوار میں اسلامی معاشرہ کی اس گہری اور شدید تڑپ میں ملتی ہے کہ وہ اپنے "آئیڈیل" سے قریب سے قریب تر ہو جائے، ویسی مذاہب کی تاریخ میں اور کہیں نظر نہیں آتی، انفرادی سطح پر دیکھئے تو اسلامی صدیوں میں بے شمار انسانوں کی زندگیاں مختلف رنگ روپ میں اپنے اندر اس تڑپ کے مظاہر رکھتی ہیں۔ نعتیہ شعر و ادب کی صنف بھی اسی تڑپ اور عشق و سوز کا ایک مظہر ہے۔ صدیوں پر پھیلی اس کی ایک روایت ہے جس کا کینوس وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا ہے اور آج ہر وہ نظم اور نثر پارہ نعت ہے جس کا تاثر ہمیں حضورؐ کی ذاتِ گرامی سے قریب لائے۔

دوری اور مہجوری کے اس درد کی اثر انگیز ترجمانی ہمیں فارسی اور اردو کی ان شاہکار نعتیہ نظموں میں ملتی ہے جن میں عقیدت و محبت کے انفرادی جذبے کا جوش و وفور ہے یا پھر ملتِ اسلامیہ کی اجتماعی زبوں حالی، انحطاط و خواری کے ذکر کے بعد شہ عرب و عجم سے نگاہ کرم کی پرسوز التجا کی گئی ہے، حالی کی نظم "اے خاصۂ خاصانِ رسلؐ وقت دعا ہے" موخر الذکر صورت حال کی بڑی دلدوز ترجمانی ہے اور اقبال نے اپنے فارسی اشعار و قطعات میں انفرادی اور اجتماعی غم و اندوہ کو فن کی نزاکتوں میں سمو کر درد و شوق و آرزو کی ایک ایسی تصویر بنائی ہے جس سے بہتر تصویر شاید اب نہ بنائی جاسکے۔

مسلماں آں فقیرِ کج کلاہے — رمید از سینۂ او سوزِ آہے
دلش نالد چرا نالد نداند — نگاہے یا رسولؐ اللہ نگاہے

چہ گویم زاں فقیرِ دردمندے — مسلمانے بہ گوہر ارجمندے
خدا ایں سخت جاں را یار بادا — کہ افتاد است از بامِ بلندے

اے تو ما بیچارگاں را ساز و برگ — وارہاں ایں قوم را از ترسِ مرگ
در جہانِ ذکر و فکرِ انس و جاں — تو صلوٰتِ صبح، تو بانگِ اذاں
اے مقام و منزلِ ہر راہرو — جذبِ تو اندر دلِ ہر راہ رو
گرد تو گردد حریمِ کائنات — از تو خواہم یک نگاہِ التفات
ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی — کشتی و دریا و طوفانم توئی

آہوئے زار و زبون و ناتواں کس بہ فتراکم نہ بست اندر جہاں
آہ ازاں دردے کہ در جان و تن است گوشۂ چشم تو داروئے من است
گرچہ کشتِ عمرِ من بے حاصل است چیزکے دارم کہ نام او دل است
دارمش پوشیدہ از چشمِ جہاں کز سمِ شبدیزِ تو دارد نشاں
اے کہ وادی کُوردا سوزِ عرب بندۂ خود را حضورِ خود طلب
بندۂ چوں لالہ داغے در جگر دوستانش از غمِ او بے خبر
بندۂ اندر جہاں نالاں چوں نَے تفتہ جاں از نغمہ ہائے پے بہ پے
در بیاباں مثلِ چوبِ نیم سوز کارواں بگذشت و من سوزم ہنوز[1]

یہاں اس کا موقع نہیں کہ "انسانِ کامل" کے تصور پر گفتگو کی جائے اور غالباً کسی کے بس میں یہ بات نہیں کہ وہ حقیقت محمدیہ کو الفاظ میں بیان کر سکے۔ اور یہ جو اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو رحمت للعالمین فرمایا، تو جیسا کہ اقبال نے زبان شعر کے پردے سے اصل حقیقت کی صرف ایک جھلک دکھانے کی کوشش کی ہے۔ تو اس فرمودۂ الٰہی کی بھی کئی سطحیں ہیں۔ اس عاجز نے اس بات پر جتنا غور و فکر کیا اتنا ہی اس کو محسوس ہوا کہ آپؐ کی رحمت اللعالمینی سے دونوں عالم کو ابدالآباد تک حسن و آراستگی حاصل رہے گی اور زمان و مکان کی وسعتوں میں خیر و شر کی تمام کشاکش کے باوجود عالم انسانیت کا سفر آپ کی رحمت اللعالمینی کے سہارے جاری رہے گا۔ جاوید نامہ میں اقبال نے کیسے خوبصورت، بلیغ اور پُرمعنی انداز میں کہا ہے:-

خلق و تقدیر و ہدایت ابتداست رحمت اللعالمینی انتہاست

یا

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود رحمت اللعالمینی ہم بود

اب اس موقع پر گوئٹے کی نظم کی وہ لائینیں یاد کیجئے جہاں میدان کے دریا اور پہاڑوں کے چشمے پکار پکار کر اس چشمے سے کہتے ہیں جسے بچپن میں قدسیوں نے پالا تھا کہ "بھائی" اے بھائی! ہمیں بھی

---

[1] محمد اقبال، پس چہ باید کرد اے اقوام شرق، طبع سوم، لاہور ۱۹۴۷ء، صفحات ۷۱-۶۴

اپنے رب کے پاس لئے چل، ہمیں بھی بے پایاں سمندر کی گود میں پہنچا دے . . . ؛

ایک دوسری جہت رحمت اللعالمینی کی جاوید نامہ کے ان اشعار میں ملتی ہے :۔

هر کجا بینی جهانِ رنگ و بو آنکه از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰؐ او را بهاست یا هنوز اندر تلاش مصطفیٰؐ است

یعنی "جہاں بھی مخلوق پائی جاتی ہے، جہاں بھی دنیائے رنگ و بو آباد ہے، وہ ہمیشہ ہمیشہ نورِ مصطفوی سے فیض حاصل کرتی رہے گی۔ ایسا نہیں تو وہ ابھی مصطفیٰؐ کی تلاش میں ہے، تاکہ اس مقدس اور برگزیدہ ذات سے اکتساب فیض کر سکے"[1]

جاوید نامہ ہی میں اقبال نے منصور حلاّج کی زبان سے بڑے گونجتے ہوئے انداز میں بعض ایسے حقائق کی طرف اشارے کئے ہیں جن کی جہتوں کا صحیح صحیح ادراک غالباً اللہ کے برگزیدہ بندے ہی کر سکتے ہیں، ہم جیسے دنیا دار لوگ تو محض ایک حد تک، اگر توفیق الٰہی شامل حال ہو، ان کا احساس ہی کر سکتے ہیں۔ "زندہ رود" نے یعنی اقبال نے حلاّج سے سوال کیا کہ جس جوہر کا نام مصطفیٰؐ ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ اپنے وجود میں وہ آدم ہیں یا جوہر؟ حلاّج کے جواب کو اقبال نے یوں نظم کیا ہے:۔

پیش او گیتی جبیں فرسوده است خویش را خود عبدهٔ فرموده است
عبده از فهم تو بالاتر است زانکه او هم آدم و هم جوهر است
جوهر او نے عرب نے اعجم است آدم است و هم ز آدم اقدم است
عبدهٔ صورت گرِ تقدیر ها اندرو ویرانه ها تعمیر ها
عبد دیگر عبدهٔ چیزے دگر ما سراپا انتظار او منتظر
عبدهٔ چند و چگونِ کائنات عبدهٔ راز درون کائنات
مدعا پیدا نگردد زیں دو بیت تا نه بینی از مقام "ما رمیت"

اقبال عشق رسولؐ میں سرشار تھے۔ زندگی کے آخری مرحلے میں جب انھیں حجاز مقدس میں حاضری کی کوئی امید نہ رہی تھی تو انھوں نے عالم خیال میں پورے زور کلام کے ساتھ سوز غم اور

---

[1] محمد طاہر فاروقی، حوالۂ سابق، صفحہ ۶۲

دردِ شوق کی دولت لئے ہوئے مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ کا سفر کیا۔ اپنے اس سفر کی ایک منزل میں عشقِ رسولؐ کے نشاط آمیز غم کی لذت کا اظہار انھوں نے یوں کیا ہے کہ ساربان سے کہتے ہیں:۔

غمِ راہی نشاط آمیز ترکن فغانش را جنون انگیز ترکن
بگیر اے ساربان، راہ درازے مرا سوزِ جدائی تیز ترکن

جاوید نامہ میں رسول کریمؐ سے عشق و محبت میں اپنی سرشاری و بیتابی میں کہتے ہیں کہ میں عشق کی اس کیفیت کو پوری طرح سمجھ نہیں پاتا، مجھے دیدارِ رسولؐ کا شوق ہے لیکن اب اس دور میں اس دیدار کا لطف کیسے حاصل ہو، اب دیدار کا کیا مطلب ہوگا؟ اس کے بعد حلاج کی زبان سے خود ہی اس کی بڑی حیات افزا توجیہہ و تشریح کرتے ہوئے ایک بڑا اہم نکتہ بیان کرتے ہیں کہ اتباعِ رسولؐ میں ڈوب جانے کا نام دیدارِ رسولؐ ہے، کوئی آپؐ کی سنت کو حرزِ جان بنائے اور اس کو اپنی زندگی میں رچا بسا لے اور پھر اپنے آپ پر نظر ڈالے تو اس عہد میں آپ کی تقلید کا فیض بھی ایک لحاظ سے آپؐ کا دیدار ہوگا۔ دراصل آپؐ کا اسوۂ حسنہ اور آپؐ کی سنت آپؐ کے اسرار میں سے ہے:۔

معنیٔ دیدار آں آخر زماں حکم او بر خویشتن کردن روا
در جہاں زی چوں رسولِ انس و جاں تا چو او باشی قبولِ انس و جاں
باز خود را بیں ہمیں دیدار اوست سنت او سرّے از اسرار اوست

مردِ مسلماں

مٹ نہیں سکتا کبھی، مردِ مسلماں کہ ہے اس کی اذانوں سے فاش سرِّ کلیمؑ و خلیلؑ
اس کی زمیں بے حدود اس کا افق بے ثغور اس کے سمندر کی موج دجلہ و دینوب و نیل
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب عہدِ کہن کو دیا اس نے پیامِ رحیل!
ساقیٔ اربابِ ذوق، فارسِ میدانِ شوق بادہ ہے اس کا رحیق تیغ ہے اس کی اصیل
مردِ سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الٰہ سایۂ شمشیر میں اس کی پنہ لا الٰہ (اقبال)

نشورؔ واحدی

شعری حصّہ

نعت شریف

ذکر اس کا ہے اور با چشمِ پُرنم نازاں ہے جس پر تاریخِ آدمؑ
ایمانِ مطلق ارشادِ محکم نورِ مجسّم، جانِ دو عالم
روحِ ہدایت احمدؐ بہ نامے
یثرب مقامے، بطحا خرامے

اُبھرا ہے جب سے ہستی کا تارا طوفاں بکف ہے عالم ہی سارا
بے سود کشتی، چھوٹا کنارا ختمِ رُسل کا بس اک سہارا
ذاتِ رفیقش، خاصے بہ عامے
کہنہ گلیمے، تازہ پیامے

ہوتا نہیں گر فیضِ اَلَستی دنیا اُجڑ کر شاید نہ بستی
ظلِّ نبی سے یہ نورِ ہستی جس نے مٹائی باطل پرستی
مہتاب دستے، خورشید گامے
صبحش چہ صبحے، شامش چہ شامے

نغمہ جُنوں نے گایا نہیں تھا رمزِ نبوّت پایا نہیں تھا
خلوت میں کوئی آیا نہیں تھا جلوہ تھا، لیکن سایا نہیں تھا
صدّیق اکبرؓ قائم مقامے
در دینِ احمدؐ، اوّل تمامے

خاموشیوں میں اعلانِ ایماں کوئے طلب میں سرو چراغاں
شمشیرِ عریاں، تدبیرِ رخشاں تقویمِ عالم، قیومِ دوراں

فاروقِ اعظمؓ مردِ عوامے
حرفے جدیدے، نقشے دوامے

عثمانیت ہے غم کوش رہنا صبر و رضا میں پُرجوش رہنا
جس نے سکھایا ذی ہوش رہنا خنجر کے نیچے خاموش رہنا

خوں در گلو و قرآں بہ کامے
محوِ کلام و خود لا کلامے

جسمِ علیؓ میں تھی جانِ کامل علم و عمل کی اک شانِ کامل
ایمانِ کامل، عرفانِ کامل نانِ جویں اور انسانِ کامل

جذبے عظیمے، فکرے تمامے
طوبیٰ بہ جیب و کوثر بہ جامے

پھر شمعِ ایماں ضو پا رہی ہے بزمِ سیاست تھرا رہی ہے
تاریخِ ماضی دُہرا رہی ہے کعبے کی جانب خلق آ رہی ہے

منزل بہ منزل گامے بہ گامے
عالم مسافر، کعبہ مقامے

اقبال سہیل

نعت شریف

احمدِ مرسل، فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
مظہرِ اوّل، مرسلِ خاتم، صلی اللہ علیہ وسلم

جسمِ مزکّیٰ، روحِ مصوّر، قلبِ مجلّیٰ، نورِ مقطّر
حسنِ سراپا، خیرِ مجسّم، صلی اللہ علیہ وسلم

کفر کی ظلمت جس نے مٹائی، دین کی دولت جس نے لٹائی
لہرایا توحید کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم

باغِ جہاں کا حارس نامی، جس نے مٹائی رسمِ غلامی
پھر سے سنوارا گلشنِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم

بزمِ ملل تھی نظم سے خالی، بکھرے ہوئے تھے حق کے لآلی
اس نے کئے سب آکے منظم صلی اللہ علیہ وسلم

وہم کی ہر زنجیر کو توڑا، رشتہ ایک خدا سے جوڑا
شرک کی محفل کردی برہم صلی اللہ علیہ وسلم

فرد و جماعت، امر و اطاعت، کسب و قناعت، عفو و شجاعت
حل کئے جو اسرار تھے مبہم صلی اللہ علیہ وسلم

ربط و تصادم، طوع و تحکّم، فقر و تنعّم، عدل و ترحّم
سب کے حدود بتائے باہم صلی اللہ علیہ وسلم

حفظِ مراتب، پاسِ اخوت، سعی و توکّل، رفق و فتوت
تلک حدود اللہ میں منضم صلی اللہ علیہ وسلم

ارض و سما میں آئینۂ رحمت، روزِ جزا میں سایۂ رحمت
اس کے لوائے حمد کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم

راہ میں کانٹے جس نے بچھائے، گالی دی، پتھر برسائے
اس پر چھڑکی پیار کی شبنم صلی اللہ علیہ وسلم

فقر و غنا دونوں کا سلطاں، روح و جسد دونوں کا درماں
دین کا اور دنیا کا سنگم صلی اللہ علیہ وسلم

ادبی ترجمہ کا انعامی مقابلہ

عالمی رابطۂ ادب اسلامی (برصغیر و ممالک شرقیہ) نے فیصلہ کیا ہے کہ عربی ادبیات کے اردو ترجمہ کا ایک انعامی مقابلہ منعقد کیا جائے، جس کے انعام کی تفصیل درج ذیل ہے :-

پہلا انعام	دس ہزار روپئے	۱۰۰۰۰/-
دوسرا انعام	ساڑھے سات ہزار روپئے	۷۵۰۰/-
تیسرا انعام	پانچ ہزار روپئے	۵۰۰۰/-

موضوعات :

۱۔ عربی افسانوں یا ڈراموں کے کسی ایک مجموعہ کا یا کسی ایک عربی ناول کا ترجمہ
۲۔ کسی عربی شعری مجموعہ کا ترجمہ۔

شرائط :

۱۔ جن اہلِ ادب کی کتابوں یا مجموعوں کا ترجمہ کے لئے انتخاب کیا جائے وہ معروف ادبی حیثیت رکھتے ہوں۔
۲۔ یہ کتابیں یا مجموعے اسلامی روح کے منافی نہ ہوں۔
۳۔ ترجمہ کی زبان ادب کے معیار سے گری ہوئی نہ ہو۔
۴۔ اصل مجموعہ یا کتاب سو صفحات سے کم نہ ہو۔
۵۔ اصل کتاب یا مجموعے کا پہلے ترجمہ نہ کیا گیا ہو۔
۶۔ ترجمہ کا مسودہ وصول ہونے کی آخری تاریخ ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۴ء ہے۔
۷۔ اس مقابلہ میں مدارس و جامعات کے اساتذہ اور منتہی طلبہ، ریسرچ اسکالرز اور علمی اداروں میں تحقیقی کام کرنے والے حضرات شریک ہو سکتے ہیں، شرکاء کو اپنے اداروں یا شعبوں کا سرٹیفکیٹ پیش کرنا لازمی ہے۔

تراجم کے معیار کی جانچ ایک بااختیار کمیٹی کرے گی جس کا فیصلہ آخری اور لازمی ہوگا۔